سرہند میں فارسی ادب

www.mujaddidway.com

سرہند میں فارسی ادب

www.mujaddidway.com

سرہند میں

فارسی ادب

ڈاکٹر یونس احمد

شعبۂ فارسی۔ دہلی یونیورسٹی۔ دہلی

یہ کتاب فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی حکومت اتر پردیش لکھنؤ
کے مالی تعاون سے شائع ہوئی۔

www.mujaddidway.com

یہ کتاب فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی حکومت اتر پردیش لکھنؤ
کے مالی تعاون سے شائع ہوئی۔

سرہند میں

فارسی ادب

ڈاکٹر ادریس احمد

شعبۂ فارسی، دہلی یونیورسٹی، دہلی

www.mujaddidway.com

© ڈاکٹر ادریس احمد

کتابت: محمد حامد بستوی

طباعت: روبی پرنٹرز دہلی ۶

تعداد: ۶۰۰

اشاعت: ستمبر ۱۹۸۸ء

قیمت: ستر روپے ۷۰

ناشر: ڈاکٹر ادریس احمد

۱۰۳۱ چابک سواران، لال کنواں دہلی ۶

ملنے کے پتے:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، جامع مسجد دہلی ۶

کتب خانہ انجمن ترقی اردو، اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

اقرأ دار الاشاعت، ۵۰۰ ابوالفضل انکلیو اوکھلا نئی دہلی ۲۵

اِنتِساب

استاد محترم جناب پروفیسر سید امیر حسن عابدی صاحب

(پروفیسر ایمریٹس دہلی یونیورسٹی)

کی خدمت میں

عقیدت و خلوص بیکراں کے ساتھ

بگردد لطف تو گر رہبر من
نمی دانم چہ آید بر سر من

www.mujaddidiway.com

© ڈاکٹر ادریس احمد

کتابت: محمد حامد بستوی
طباعت: روبی پرنٹرز دہلی ۶
تعداد: ۶۰۰
اشاعت: ستمبر ۱۹۸۸ء
قیمت: ستر روپے ۷۰/-
ناشر: ڈاکٹر ادریس احمد
۱۰۳۱ چابک سواراں، لال کنواں دہلی ۶

ملنے کے پتے:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، جامع مسجد دہلی ۶
کتب خانہ انجمن ترقی اردو، اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶
اقرأ دار الاشاعت ۵۰۰، ابو الفضل انکلیو اوکھلا نئی دہلی ۲۵

www.mujaddidway.com

اِنتسَاب

استاد محترم جناب پروفیسر سید امیر حسن عابدی صاحب
(پروفیسر ایمیریٹس دہلی یونیورسٹی)

کی خدمت میں

عقیدت و خلوص بیکراں کے ساتھ

نگرد لطف تو گر رہبر من
نمی دانم چہ آید بر سر من

فہرست

صفحہ	نمبر شمار
۱۲	مقدمہ
۱۴	حرف آغاز

باب ۱

۱۹	۱۔ پنجاب کا تاریخی سیاسی اور ادبی پس منظر
۲۵	۲۔ سرہند کا تاریخی سیاسی اور ادبی پس منظر

باب ۲ (ا)

معروف شعراء

۳۳	سرہند میں فارسی شاعری کا عمومی جائزہ
۳۸	۱۔ ناصر علی سرہندی
۸۰	۲۔ راسخ سرہندی
۹۹	۳۔ محمد افضل سرخوش
۱۱۳	۴۔ میر محمد احسن ایجاد
۱۱۹	۵۔ سعادت یار خاں رنگین

باب ۲ (ب)

دیگر شعراء

صفحہ		صفحہ	
۱۳۹	۳۔ شیری سرہندی	۱۲۰	۱۔ عیشی حصاری سرہندی
۱۵۰	۴۔ مولانا صفائی سرہندی	۱۲۹	۲۔ سید جعفر سرہندی

www.mujaddidway.com

نمبر شمار		صفحہ
۵	مولانا محمد یوسف صوفی سرہندی	۱۵۱
۶	واجب علی واجب	۱۵۱
۷	فائض سرہندی	۱۵۲
۸	فضل اللہ خوشتر	۱۵۲
۹	میر طاہر رضا حقیقت	۱۵۳
۱۰	میر احمد حسین قلق	۱۵۳
۱۱	مرزا غازی شہید	۱۵۴
۱۲	میر معاذ حسین ثاقب	۱۵۴
۱۳	میر سید علی جوان	۱۵۵
۱۴	سرآمد سرہندی	۱۵۵
۱۵	شیخ محمد فاضل جویا	۱۵۵
۱۶	شیخ محمود میران	۱۵۶
۱۷	شاہ عبدالاحد وحدت	۱۵۶
۱۸	میر معصوم رجحان	۱۶۰
۱۹	میر شمس الدین سند	۱۶۳
۲۰	میاں علی عظیم	۱۶۴
۲۱	اجابت سرہندی	۱۶۵
۲۲	مولانا حاکی سرہندی	۱۶۶
۲۳	میر محمد کاظم راضی	۱۶۶
۲۴	وسعت سرہندی	۱۶۷

باب ۳

مورخین و نثر نویسان

۱	یحییٰ بن احمد بن عبداللہ سرہندی	۱۷۳
۲	شیخ اللہ داد فیضی سرہندی	۱۷۹
۳	حاجی ابراہیم سرہندی	۱۸۳
۴	میاں عبداللہ نیازی سرہندی	۱۸۵
۵	شیخ عبدالاحد سرہندی	۱۸۷
۶	مولانا امان اللہ سرہندی	۱۸۸
۷	مولانا عبدالقادر سرہندی	۱۸۹
۸	ولی سرہندی	۱۹۰

نمبر شمار		صفحہ
۹	سیف خاں فقیرا سرہندی	۱۹۰
۱۰	شیخ عبدالحق سجاول سرہندی	۱۹۲
۱۱	شیخ فضل اللہ سرہندی	۱۹۴
۱۲	حکیم محمد عابد سرہندی	۱۹۶
۱۳	شیخ غلام محی الدین سرہندی	۱۹۷
۱۴	شیخ قطب الدین سرہندی	۱۹۸

باب ۴

خاندان و سلسلۂ مجددیہ

۱	خاندان و سلسلۂ مجددیہ	۲۰۳
۲	حضرت شیخ احمد سرہندیؒ	۲۱۰
۳	خواجہ محمد سعیدؒ	۲۴۳
۴	خواجہ محمد معصومؒ	۲۴۶
۵	شیخ سیف الدین سرہندی	۲۷۳
۶	شیخ بدرالدین ابراہیم سرہندی	۲۸۰
۷	محمد شاکر سرہندی	۲۸۵
۸	شیخ صفر احمد سرہندی	۲۸۷
۹	شیخ صبغۃ اللہ	۲۹۰
۱۰	شیخ محمد نقشبند	۲۹۰
۱۱	خواجہ محمد عبداللہ	۲۹۱
۱۲	خواجہ محمد اشرف	۲۹۱

www.mujaddidway.com

نمبر شمار		صفحہ
۱۳	شیخ محمد صادق	۲۹۲
۱۴	شیخ یوسف سرہندی	۲۹۲
۱۵	شیخ محمد زاہد	۲۹۲
۱۶	ابو الفیض کمال الدین محمد احسان	۲۹۳
۱۷	شیخ زین العابدین	۲۹۶
۱۸	شیخ محمد اعظم	۲۹۷
۱۹	مولانا فرخ شاہ سرہندی	۲۹۶
۲۰	شیخ محمد رشد	۲۹۸
۲۱	شیخ عیسیٰ سرہندی	۲۹۸

باب ۵

علماء و صلحاء

۱	شیخ الہداد بن صالح سرہندی	۳۰۶
۲	شیخ بہاء الدین جیندی	۳۰۶
۳	مولانا بدر الدین سرہندی	۳۰۶
۴	مولانا نجیب الدین محمد	۳۰۶
۵	مولانا علی شیر سرہندی	۳۰۷
۶	شیخ محمد سرہندی	۳۰۷
۷	سید محسن حافظی سرہندی	۳۰۸
۸	مولانا عثمان سرہندی	۳۰۸

نمبر شمار		صفحہ
۹	شیخ نور الدین سفیدونی سرہندی	۳۰۹
۱۰	شیخ عبد الرحمن صوفی سرہندی	۳۰۹
۱۱	حافظ سلطان رخنہ بردی سرہندی	۳۱۰
۱۲	حکیم شیخ بینا	۳۱۰
۱۳	شیخ عبد الصمد حسینی	۳۱۰
۱۴	مولانا قطب الدین سرہندی	۳۱۱
۱۵	حاجی نعمت اللہ سرہندی	۳۱۱
۱۶	مولانا عبد المالک سرہندی	۳۱۲
۱۷	مولانا میر علی گبنر سرہندی	۳۱۲
۱۸	مولانا مظفر سرہندی	۳۱۲
۱۹	میاں تنہا سرہندی	۳۱۲
۲۰	حاجی مصطفیٰ سرہندی	۳۱۳
۲۱	احمد سرہندی	۳۱۳
۲۲	سید حمزہ سرہندی	۳۱۴
۲۳	ملا ابو الخیر سرہندی	۳۱۴
۲۴	شیخ علی رضا سرہندی	۳۱۴

www.mujaddidway.com

مقدمہ

ہندوستانی فارسی ادب کی تاریخ مرتب کرنے کے پروگرام کے تحت جب تاریخ کے مختلف ادوار پر تحقیق کا کام مکمل ہو چکا تو خیال آیا کہ ہندوستان میں فارسی ادب کی ترقی کے ساتھ کئی مقامات شعر و ادب کے اہم مرکز کے طور پر سامنے آئے ہیں اگر ان مراکز پر علاحدہ علاحدہ بھی کام ہو تو ممکن ہے مزید ادبی شہ پارے آشکار ہوں۔ ان مراکز میں پانی پت، تھانیسر، سرہند، لکھنؤ، جونپور، حیدرآباد اور دہلی وغیرہ فارسی زبان و ادب کی تاریخ میں اہمیت کے حامل ہیں۔

سرہند شروع میں فوجی اور تجارتی سرگرمیوں کا مرکز رہا مگر رفتہ رفتہ یہاں فارسی ادب نے رواج پانا شروع کیا اور یہ فارسی زبان و ادب کا ایک اہم مرکز بن کر نمودار ہوا۔ خاص طور پر مغلیہ دور میں اس شہر نے کافی اہمیت حاصل کی اور یہاں کے شعرا و ادبا نے اپنی شعری و نثری تخلیقات کے ذریعہ فارسی ادب کو مالا مال کیا۔ شیخ احمد سرہندی اور ان کے خاندان نے ہندوستان میں علم و معرفت کی جو روشنی پھیلائی اس نے مغل معاشرہ پر بڑے گہرے اثرات چھوڑے۔ شاہجہاں اور اورنگ زیب خاص طور پر اس خاندان سے بہت زیادہ متاثر نظر آتے ہیں۔ سرہند اس زمانے میں علم و معرفت کا گہوارہ بن گیا تھا۔

شاعری میں ناصر علی سرہندی کا نام سرفہرست ہے انھوں نے اس شہر کی ادبی عظمت کو چار چاند لگا دیے۔ ان کا شمار ہندوستان میں فارسی کے بڑے شاعروں میں ہوتا ہے۔ ناصر علی، غنی اور بیدل عالمگیری عہد کے روشن مینار ہیں جن کا کلام مضمون آفرینی خیال بندی

اور فلسفیانہ موشگافی کا مظہر خیال کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ یہاں بہت سے نامور علما و صلحا علم و ادب پیدا ہوئے جن کے افکار و خیالات خالص ہندوستانی تھے اور جن کی تخلیقات میں ہندوستانی موضوعات اور علوم سے دلچسپی نظر آتی ہے۔

سرہند میں فارسی ادب کے گوشوں کو روشن کرنے اور ادبی شہ پاروں کو ڈھونڈ نکالنے کا کام میرے عزیز شاگرد اور ہمکار ڈاکٹر ادریس احمد صاحب نے انجام دیا ہے۔ مجھے امید ہے ان کا یہ کام جو اب کتابی صورت میں سامنے آ رہا ہے ادبی حلقوں میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

پروفیسر سید امیر حسن عابدی
شعبۂ فارسی۔ دہلی یونیورسٹی، دہلی

www.mujaddidway.com

مقدمہ

ہندوستانی فارسی ادب کی تاریخ مرتب کرنے کے پروگرام کے تحت جب تاریخ کے مختلف ادوار پر تحقیق کا کام مکمل ہو چکا تو خیال آیا کہ ہندوستان میں فارسی ادب کی ترقی کے ساتھ کئی مقامات شعر و ادب کے اہم مرکز کے طور پر سامنے آئے ہیں۔ اگر ان مراکز پر علاحدہ علاحدہ بھی کام ہو تو ممکن ہے مزید ادبی شہ پارے آشکار ہوں۔ ان مراکز میں پانی پت، تھانیسر، سرہند، لکھنؤ، جونپور، حیدرآباد اور دہلی وغیرہ فارسی زبان و ادب کی تاریخ میں اہمیت کے حامل ہیں۔

سرہند شروع سے ہی فوجی اور تجارتی سرگرمیوں کا مرکز رہا مگر رفتہ رفتہ یہاں فارسی ادب نے رواج پانا شروع کیا اور یہ فارسی زبان و ادب کا ایک اہم مرکز بن کر نمودار ہوا۔ خاص طور پر مغلیہ دور میں اس شہر نے کافی اہمیت حاصل کی اور یہاں کے شعرا و ادبا نے اپنی شعری و نثری تخلیقات کے ذریعہ فارسی ادب کو مالا مال کیا۔ شیخ احمد سرہندی اور ان کے خاندان نے ہندوستان میں علم و معرفت کی جو روشنی پھیلائی اس نے مغل معاشرہ پر بڑے گہرے اثرات چھوڑے۔ شاہجہاں اور اورنگ زیب خاص طور پر اس خاندان سے بہت زیادہ متاثر نظر آتے ہیں۔ سرہند اس زمانے میں علم و معرفت کا گہوارہ بن گیا تھا۔

شاعری میں ناصر علی سرہندی کا نام سرفہرست ہے۔ انھوں نے اس شہر کی ادبی عظمت کو چار چاند لگا دیے۔ ان کا شمار ہندوستان میں فارسی کے بڑے شاعروں میں ہوتا ہے۔ ناصر علی، غنی اور بیدل عالمگیری عہد کے روشن ستارے ہیں جن کا کلام مضمون آفرینی، خیال بندی

اور فلسفیانہ موشگافی کا مظہر خیال کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ یہاں بہت سے نامور علما اور صاحبِ علم و ادب پیدا ہوئے جن کے افکار و خیالات خالص ہندوستانی تھے اور جن کی تخلیقات میں ہندوستانی موضوعات اور علوم سے دلچسپی نظر آتی ہے۔

سرہند میں فارسی ادب کے گوشوں کو روشن کرنے اور ادبی شہ پاروں کو ڈھونڈ نکالنے کا کام میرے عزیز شاگرد اور ہمکار ڈاکٹر ادریس احمد صاحب نے انجام دیا ہے۔ مجھے امید ہے ان کا یہ کام جو اب کتابی صورت میں سامنے آرہا ہے ادبی حلقوں میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

پروفیسر سید امیر حسن عابدی
شعبۂ فارسی۔ دہلی یونیورسٹی، دہلی

بسم اللہ

حرف آغاز

ہندوستانی فارسی ادب کیفیت و کمیت ہر دو اعتبار سے ہماری تہذیب و ثقافت کا قابل فخر سرمایہ ہے۔ اس میں ہندوستانی نژاد اور ایران سے ہجرت کر کے ہندوستان کو مسکن بنانے والے شعرا اور ادبا نے ابوالفرج رونی سے لے کر غالب اور اقبال یعنی بیسویں صدی کے نصف اول تک ایسے کمالات دکھائے ہیں اور ہندوستانی فارسی ادب کو اپنے افکار گراں مایہ سے اس طرح زینت بخشی ہے کہ خود ایرانی فارسی ادب کے مقابلے میں کسی حیثیت سے کم مایگی کا احساس نہیں ہوتا۔ اس کا تقاضا ہے کہ ہندوستانی فارسی ادب کی ایک جامع اور مفصل تاریخ مرتب ہو۔

شہیر محقق اور استاذ الاساتذہ محترم پروفیسر سید امیر حسن عابدی صاحب نے اس مقصد کیلیے ایک بڑا پروجیکٹ بنایا اور دہلی یونیورسٹی کے ریسرچ اسکالرز کو دعوت دی کہ علم و ادب کے اس بحر ذخار میں غوطہ زن ہو کر گوہر ہائے گراں بہا کو ڈھونڈ نکالیں جو مختلف کتب خانوں، عجائب گھروں یا آرکائیوز وغیرہ میں قلمی نسخوں یا بیاضوں کی شکل میں محفوظ ہیں اور تعارف کے منتظر ہیں اور اس طرح ہندوستانی فارسی ادب کی عظمت کا انکشاف کریں۔

جب تاریخ کے اوراق پر [illegible] سرہند کی طرف توجہ مبذول کی گئی جو ایک زمانہ تک تہذیب و تمدن کا گہوارہ اور علمی و ادبی سرگرمیوں کا مرکز رہے ہیں

صدہا دانشور اور اہل علم حضرات پیدا ہوئے جنھوں نے فارسی ادب کو اپنے افکار و خیالات و نظریات اور کارناموں سے مالا مال کیا۔ ان مراکز میں سے صوبہ پنجاب میں لاہور، ملتان، پانی پت، تھانیسر اور سرہند اہم مراکز تھے۔ سرہند سے اسلام کی ابتدائی دور قرون وسطیٰ تک بڑے نام نکلے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور دیگر بزرگوں کا مولد و مسکن ہونے کی وجہ سے اس کو میں نے قابل ترجیح سمجھا اور استاذ محترم پروفیسر نورالحسن انصاری صاحب کی رہنمائی میں یہ کام شروع کیا اور حتی المقدور کوشش کی کہ استاذان گرامی نے مجھ پر جو بھروسہ اور اعتماد کیا ہے، میں خود کو اس کا اہل ثابت کر سکوں۔ استاذ گرامی پروفیسر سید امیر حسن عابدی صاحب، پروفیسر [illegible] صاحب اور پروفیسر نورالحسن انصاری صاحب نے [illegible] کے مصداق ہر قدم پر مجھے تحقیق کے میدان کے رموز سے آشنا کیا اور نہایت لطف و مہربانی سے میری رہنمائی فرمائی جس کے نتیجے میں میرا تحقیقی مقالہ مکمل ہو سکا۔ اسی تحقیقی مقالے کو کتابی شکل میں قارئین اور عقیدتمندان خانوادہ مجددیہ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

ہر ممکن احتیاط اور توجہ کے باوجود غلطیوں کا امکان بہر حال باقی رہتا ہے۔ لہٰذا ملتجی ہوں کہ غلطیوں کی نشاندہی فرمائیں تا کہ مجھ جیسے شخص کے علم میں اضافہ اور اصلاح ہو جائے۔

سرہند ایک چھوٹا سا شہر تھا لیکن شاہراہ پر واقع ہونے کی وجہ سے اس کو بڑی اہمیت اور عظمت حاصل ہوئی۔ علما و صلحا کا مسکن اور بادشاہوں کی توجہ کا مرکز قرار پایا۔ علما، صلحا اور ادبا و شعرا نے اس شہر کو ایک پاکیزہ ماحول دیا اور بادشاہوں نیز امرا و حکام نے یہاں خوبصورت باغات، عمارات وغیرہ تعمیر کرائیں جس کے نتیجے میں یہ ایک ایسا شہر ہو گیا کہ "خطۂ بہشت [illegible]" کہلایا۔ بادشاہ و امرا [illegible] اختیار

بسمہ تعالیٰ

حرف آغاز

ہندوستانی فارسی ادب کیفیت و کمیت ہر دو اعتبار سے ہماری تہذیب و ثقافت کا قابل فخر سرمایہ ہے۔ اس میں ہندوستانی نژاد یا ایران سے ہجرت کر کے ہندوستان کا رخ کرنے والے شعرا اور ادبا نے ابوالفرج رونی سے لے کر غالب اور اقبال بلکہ بیسویں صدی کے نصف اول تک ایسے کمالات دکھائے ہیں اور ہندوستانی فارسی ادب کو اپنے افکار گرانمایہ سے اس طرح زینت بخشی ہے کہ خود ایرانی فارسی ادب کے مقابلے میں کسی حیثیت سے کم مائیگی کا احساس نہیں ہوتا۔ اس کا تقاضا ہے کہ ہندوستانی فارسی ادب کی ایک جامع اور مفصل تاریخ مرتب ہو۔

مشہور محقق اور استاذ الاساتذہ محترم پروفیسر سید امیر حسن عابدی صاحب نے اس مقصد کے لیے ایک بڑا پروجیکٹ بنایا اور دہلی یونیورسٹی کے ریسرچ اسکالرز کو دعوت دی کہ علم و ادب کے اس بحر زخار میں غوطہ زن ہو کر گوہر ہای گرانبہا کو ڈھونڈ نکالیں جو صدیوں سے کتب خانوں، عجائب گھروں یا آرکائیوز وغیرہ میں قلمی نسخوں یا بیاضوں کی شکل میں محفوظ ہیں اور تعارف کے منتظر ہیں اور اس طرح ہندوستانی فارسی ادب کی عظمت کو آشکار کریں۔

جب تاریخ کے تمام ادوار پر کام ہو چکا تو ان مراکز کی طرف توجہ مبذول کی گئی جو ایک زمانے تک تہذیب و تمدن کا گہوارہ اور علمی و ادبی سرگرمیوں کا مرکز رہے۔ ہر مرکز میں

صدہا دانشور اور اہل علم حضرات پیدا ہوئے جنھوں نے فارسی ادب کو اپنے افکار و خیالات و نظریات اور کارناموں سے مالا مال کیا۔ ان مراکز میں سے صرف ایک صوبہ پنجاب میں لاہور، ملتان، پانی پت، تھانیسر اور سرہند اہم مراکز تھے۔ سرہند سے اس کام کی ابتدا ہوئی اور قرعۂ فال ناچیز کے نام نکلا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور دیگر بزرگوں کا مولد و مسکن ہونے کی وجہ سے اس کو میں نے فال نیک سمجھا اور استاد محترم پروفیسر نورالحسن انصاری صاحب کی رہنمائی میں یہ کام شروع کیا اور حتی الوسع کوشش کی کہ استاد گرامی نے مجھ پر جو بھروسہ اور اعتماد کیا ہے، میں خود کو اس کا اہل ثابت کر سکوں۔ استاد گرامی پروفیسر سید امیر حسن عابدی صاحب، پروفیسر بھگوت سروپ صاحب اور پروفیسر نورالحسن انصاری صاحب نے "دستم بگرفت و روش آموخت" کے مصداق ہر قدم پر مجھے تحقیق کے میدان کے رموز سے آشنا کیا اور نہایت لطف و مہربانی سے میری رہنمائی فرمائی جس کے نتیجے میں میرا تحقیقی مقالہ مکمل ہو سکا۔ اسی تحقیقی مقالے کو کتابی شکل میں قارئین اور عقیدت مندان خاندان مجددیہ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

ہر ممکن احتیاط اور توجہ کے باوجود غلطیوں کا امکان بہر حال باقی رہتا ہے۔ لہٰذا ملتجی ہوں کہ غلطیوں کی نشاندہی فرمائیں تا کہ مجھ ناقص کے علم میں اضافہ اور اصلاح ہو جائے۔

سرہند ایک چھوٹا سا شہر تھا لیکن شاہراہ پر واقع ہونے کی وجہ سے اس کو بڑی اہمیت اور عظمت حاصل ہوئی۔ علما صلحا کا مسکن اور بادشاہوں کی توجہ کا مرکز قرار پایا۔ علما، صلحا، اور ادبا و شعرا نے اس شہر کو ایسا پاکیزہ ماحول دیا اور بادشاہوں نیز امرا و رؤسا نے یہاں خوبصورت باغات، عمارات وغیرہ تعمیر کرائیں جس کے نتیجے میں یہ ایسا حسین شہر بن گیا کہ "خلدیست بریں بر زمین" کہلایا۔ بادشاہ، امرا و رؤسا یہاں رہائش اختیار

کرنے کی آرزو رکھتے تھے۔ اس شہر میں ایسی کشش تھی کہ جو یہاں آیا وہ یہیں کا ہو کر رہ گیا۔

یوں تو یہ شہر فیروز شاہ کے عہد میں آباد ہوا مگر اس کی اصل ترقی اور شہرت مغلیہ دور میں اکبر کے زمانے سے شروع ہوئی۔ علما میں طبقاتِ اکبری کے مصنف نظام الدین احمد کے استاد اسعد العلما مولانا علی شیر سرہندی، مولانا عبدالقادر، اور مولانا مجد الدین محمد کے استاد شیخ الہداد بن صالح سرہندی اسی سرہند کی سرزمین پر پیدا ہوئے۔ مولانا مجد الدین بڑے پایے کے عالم اور بزرگ تھے کہ گلزارِ ابرار کے مصنف کے مطابق جب بابر نے ۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء میں ہندوستان کو فتح کیا، اس وقت مجد الدین محمد بقیدِ حیات تھے اور بابر ان سے ملنے سرہند آیا۔ ایک اور بزرگ شیخ احمد سرہندی (وفات [illegible]) عربی اور فارسی کے عالم ہونے کے ساتھ مذہبی معارف پر اس قدر عبور رکھتے تھے کہ تمام علما تنازعہ امور میں ان سے رجوع کرتے اور ان کے فتوے کو مستند مانتے تھے۔

اکبر کے دور میں ہی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کی ولادت ہوئی جو جہانگیر کے دور کے ایک مردِ مومن، مردِ مجاہد، مصلح اور مجدد الف ثانی قرار پائے۔ ان کی مساعیِ جمیلہ اور نظریات سے اسلامی دنیا میں ایک انقلاب پیدا ہوا اور جس کے نتیجے میں دینِ اسلام تمام رسوماتِ قبیحہ، بدعات اور خلافِ شرع و خلافِ سنت باتوں سے پاک صاف ہوا۔ آپ نے ترویجِ شریعت اور احکامِ اسلامی، اتباعِ سنت اور ردِّ بدعات پر اپنی تمام زندگی صرف کر دی۔

مورخین میں یحییٰ بن احمد سرہندی مصنف تاریخِ مبارک شاہی کا نام سرِفہرست آتا ہے جن کی کتاب [illegible] تک کے واقعات کے لیے تنہا مستند ماخذ ہے۔ دوسرے مورخین میں اکبر و جہانگیر کے دور میں الہداد فیضی، حاجی ابراہیم سرہندی اور ولی سرہندی ہیں۔ فیضی نے اکبرنامہ لکھا، حاجی ابراہیم تاریخِ الفی لکھنے والوں میں شامل ہیں۔ انھوں نے اتھر بن وید کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا۔ ولی نے جہانگیر کے پہلے چودہ سال کے دورِ حکومت

www.mujaddidiway.com

کی تاریخ لکھی۔

شعرا میں ناصر علی، راسخ، ایجاد، سرخوش، سعادت یار خاں رنگین جیسے اور بزرگ شعرا گزرے ہیں جنھوں نے شاعری میں اپنا خاص طرز اختیار کیا اور جن کی شہرت ہندوستان کی سرحدوں کو پار کر کے دوسرے ممالک تک پہنچی۔ ناصر علی اور راسخ مثنوی لکھنے کے فن میں بھی ماہر تھے۔ انھوں نے مثنویوں کو فلسفیانہ موضوعات کے نظم کرنے کے لیے استعمال کیا۔

دیگر بزرگوں میں حاجی نعمت اللہ سرہندی اور میاں تھا سرہندی، شاہجہاں کے زمانے کے مشہور بزرگ اور عارف حضرت میاں میر لاہوری کے سب سے پہلے مریدوں میں تھے اور حضرت میاں میرؒ نے ان پر خاص توجہ فرمائی تھی۔

اس کتاب میں سرہند میں پیدا ہونے والے یا باہر سے آکر سرہند میں آباد ہونے والے شعرا و دیگر برگزیدگان کو شامل کیا گیا ہے۔ کتاب کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلا باب پنجاب اور سرہند کے سیاسی اور ادبی پس منظر سے متعلق ہے۔ دوسرے باب میں سرہند کے معروف و دیگر شعرا کے حالات اور کارنامے بیان کیے ہیں۔ تیسرے باب میں ان بزرگوں، مورخین اور مترجمین کا ذکر ہے جنھوں نے تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں۔ چوتھے باب میں حضرت مجدد الف ثانیؒ، ان کے صاحبزادگان نیز مجددیہ سلسلے کے دوسرے بزرگوں کی سوانح، خدمات، تصنیفات کا بیان ہے۔ پانچویں باب میں سرہند کے دیگر علما صوفیا وغیرہ کا ذکر ہے جن کی کوئی باقاعدہ تصنیف تو نہیں ہے لیکن انھوں نے اپنے مواعظ و تدریسی خدمات سے فارسی زبان کی سلاست، صفائی، سادگی اور پاکیزگی کو برقرار رکھا اور ایسے شاگرد یادگار چھوڑے جنھوں نے فارسی ادب کی تاریخ میں نام پیدا کیا۔

آخر میں یہ خوشگوار فریضہ سمجھتا ہوں کہ ان تمام اساتذہ، دوستوں اور بہی خواہوں کا شکریہ ادا کروں جو اس کتاب کی تکمیل میں معاون، مشوق اور مشیر رہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے محترم پروفیسر سید امیر حسن عابدی صاحب قبلہ کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے:

گر زباں شود ہر تن من بر موی
یک شکرے از ہزار نتواں کرد

میں پروفیسر [illegible] انصاری صاحب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان کے لطف و توجہ نے [illegible] میں یہ تحقیقی مقالہ مکمل ہوا اور مجھے [illegible] کی ڈگری عطا ہوئی۔

[illegible] صاحب کا [illegible] کی محبت و شفقت [illegible] ہمیشہ مجھے حاصل رہی ہے [illegible] ہوں کہ خدا ان کا سایہ ہمیشہ ہم پر قائم رکھے (آمین)۔

پروفیسر [illegible] صاحب، ڈاکٹر [illegible] صاحب اور [illegible] صاحب [illegible] کے لیے انتہائی ممنون ہوں۔ [illegible] محبت اور توجہ سے [illegible] کا سلسلہ [illegible] جناب [illegible] صاحب اور جناب [illegible] صاحب [illegible] کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔

اور آخر میں
[illegible] دہلی

پنجاب کا تاریخی، سیاسی اور ادبی پس منظر

پانچ دریاؤں سے سیراب سرزمین پنجاب ہمیشہ سے ایک ایسا علاقہ رہا ہے جو بیرونی اثرات قبول کرتا رہا ہے۔ اس کے زرخیز میدانوں پر بیرونی حملوں کے نتیجے میں اس نے بہت سی تہذیبوں اور مختلف نظریات و عقائد کا اثر بھی قبول کیا ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے تاریخی، سیاسی، سماجی اور ثقافتی ڈھانچے کو شکل و صورت دینے میں پنجاب کا کردار ہمیشہ نہایت اہم رہا ہے۔

جغرافیائی لحاظ سے پنجاب وسطی ایشیا کے خانہ بدوش علاقوں اور گنگا کی سرسبز و زرخیز وادی کے درمیان ذریعہ اتصال رہا ہے۔ بیرونی حملہ آوروں کے لیے ایک قدرتی گزرگاہ ہونے کے علاوہ یہاں کی زرخیز مٹی، سرسبز میدان، صحت افزا آب و ہوا اور پانی کی فراوانی کی وجہ سے بیرونی لوگوں کی توجہ کا ہمیشہ مرکز رہا ہے۔

قبل تاریخ دور میں [illegible] پنجاب کی [illegible] سب سے پہلے آریہ حملہ آور ہوئے۔ بعد میں ایرانیوں یا ترکستان کے تاتاریوں نے ان کو مغلوب کیا۔ پنجاب میں [illegible] ایک تاریخی حقیقت ہے۔ سکندر نے پنجاب کو اپنی فتح کا ایک میدان بنایا۔ [illegible] ہندو حکمرانوں نے مسلم حملہ آوروں کی مزاحمت کی اور ان کی پیش قدمی کو روکے رکھا۔ بعد میں محمود غزنوی نے اس پر حملہ کر کے اس کو اپنے قبضہ میں کیا۔ چنگیز خاں کے گروہوں نے اس کے جانشینوں کے تحت پنجاب پر ہر قسم کا ظلم و تشدد [illegible] عالمی [illegible] تجربے

پنجاب کو اپنی فوجی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ بابر، نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی ہر ایک سلطنت کے
موقع پر پانچ دریاؤں کے اس پار فتوحات کے لیے پنجاب کو جنگی کارروائیوں کا اڈہ بنایا۔
تقریباً سکندر کے زمانے سے شاہ زمان کے حملے کے وقت تک شمال اور مغرب کی طرف
سے ہونے والے تمام حملوں میں پنجاب ہندوستان کی مدافعت کے لیے سینہ سپر
رہا۔

پنجاب سکھ ازم کا جس کے بانی گرو بابا نانک تھے گھر ہے۔ اسی صوبہ میں رنجیت سنگھ
نمودار ہوئے جنھوں نے پنجاب میں سکھ بادشاہت کی بنیاد رکھی۔

پنجاب میں فارسی زبان اور اس کے مراکز

یہ صحیح طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ پنجاب میں فارسی زبان کب آئی لیکن خیال یہ ہے کہ
فارسی پنجاب میں اسلامی دور سے قبل آئی۔ ہخامنشی بادشاہوں نے اپنی سلطنت کو
دریائے سندھ تک وسعت دے دی تھی۔ ان کے بعد یونانی، زرتشتی اور ساسانی حکمران
آئے۔ ان کی افواج فارسی بولنے والے سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ سکندر نے بھی ایران کے راستے
سے گزر کر ہی پنجاب پر حملہ کیا تھا۔ ان سب کی گفتگو اور باہمی بول چال کا ذریعہ فارسی ہی
تھی اگرچہ اس وقت کی زبان آج کی فارسی سے مختلف تھی۔

پنجاب میں فارسی ادب کے نقوش پانچویں صدی ہجری (گیارھویں صدی عیسوی) کے
آغاز میں پائے جاتے ہیں۔ سامانیوں کے بعد جب غزنوی حکمران اس صوبہ پر حاکم ہوئے
تو انھوں نے فارسی ادب کی ترقی میں سب سے زیادہ حصہ لیا۔ سلطان محمود نے پنجاب کو
غزنوی سلطنت کا حصہ بنایا۔ بہت سے ترک اور ایرانی ہجرت کر کے یہاں آباد ہو گئے
اور لاہور، ملتان، سرحد شمالی میں فارسی ادب کے بڑے مرکز شمار ہونے لگے۔ پہلا فارسی
دربار سلطان محمود کی زندگی میں ۴۲۹ھ / ۳۰ - ۱۰۳۷ء عیسوی میں لاہور میں

منعقد ہوا۔ اس کے علاوہ بہت سے فوجی اور سول افسران، دانشوران آ کر لاہور کے گرد و
نواح میں آباد ہو گئے۔ اس کے نتیجے میں عوام فارسی زبان و ادب اور طریقہ زندگی سے آشنا
ہوئے۔

سلطان محمود کی وفات کے فوراً بعد غزنی کے مقابلے میں لاہور غزنی حکومت کا مرکز
قرار پایا۔ اسی زمانے میں مشہور صوفی بزرگ حضرت ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری مصنف کشف
المحجوب اور شیخ فرید الدین زنجانی لاہور آ کر آباد ہوئے۔ سلطان محمود کے جانشینوں نے بھی ادب
فن سے اپنی روایتی محبت اور لگاؤ کو اور اس کی سرپرستی کو برقرار رکھا۔ اس بنا پر بہت سے
ادیب، شاعر اور دوسرے فنکاروں نے پنجاب کی طرف ہجرت کی اور ہندوستانی فارسی
ادب کی بنیاد رکھی۔

پنجاب سے پہلا فارسی میں لکھنے والا سلطان محمود کے دور کا شاعر نکتی تھا۔ غزنوی
دور میں کچھ اور بڑے شاعر جیسے ابوالفرج رونی اور مسعود سعد سلمان بھی ہوئے ہیں جو اپنی طرز
کے مالک تسلیم کیے جاتے ہیں۔ مسعود سعد سلمان کو لاہور سے عشق تھا۔ اپنے اشعار میں وہ اکثر لاہور
کا ذکر کرتا ہے۔

سرا نگوید کامی دوست طبیب فرخ باد
نگار من بلہاور و من بہ نیشاپور

ای لاہور ویحک بی من چگونہ ای
بی آفتاب روشن، روشن چگونہ ای

شعرا حتی امرا و بادشاہوں نے پنجاب کی صحت بخش اور خوشگوار آب و ہوا اور طبعی دولت
کی بارہا تعریف و توصیف کی ہے۔ محمد اکرم غنیمت کنجاہی پنجاب کے بارے میں کہتے ہیں۔

ندیدم کشوری غارت گری تاب
بخوبی ہای حسن آباد پنجاب

بہ پنجاب انتخاب ہفت کشور
قمر خوردہ بجا کش آب کوثر

پنجاب کا کشمیر سے موازنہ کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے ؎

ازاں حسرت کہ کی آید بہ پنجاب
دل کشمیر صد رہ می شود آب

پنجاب سے متعلق ہی اسی قریب کے ایک شاعر غلام قادر گرامی (وفات ۱۹۲۷) فرماتے ہیں ؎

برآمد لفظ پنجاب از زبانم
زبان شد موج کوثر در دہانم

مغل امرا کی اچھی خاصی تعداد جو اپنے فرائض منصبی کی وجہ سے دہلی میں رہتے تھے اپنے ذاتی مکانات لاہور میں بھی رکھتے تھے۔ جہانگیر اور نورجہاں بھی پنجاب سے بہت محبت کرتے تھے۔ اتفاق سے دونوں کی آخری آرام گاہ لاہور میں ہی ہے۔ لاہور کی تعریف میں ایک شعر نورجہاں سے منسوب ہے:

لاہور را بجان برابر خریدہ ایم
جان دادہ ایم جنت دیگر خریدہ ایم

فارسی شعرائے پنجاب کے قدرتی مناظر، حسن، زندہ دلی اور خوشگوار آب و ہوا سے انتہائی متاثر تھے۔ ان کے کلام میں اکثر پنجاب کے دریاؤں، درختوں، باغات، پھلوں، میووں اور یہاں کے زندہ دل لوگوں کی طرف اشارات ملتے ہیں۔ پنجاب میں اس زمانے میں ہر طرف ادبی سرگرمیوں کا چرچا اور دانشوروں کا شہرہ تھا۔ لاہور میں اکثر مشاعرے

منعقد ہوتے تھے۔ تذکرہ شعرای پنجاب میں ایک مشاعرہ کا ذکر درج ذیل اقتباس میں ملتا ہے۔

"روزی در لاہور در حویلی میاں مبارک پدر فیضی بتقریب مشاعرہ جملہ شعرای ہندوستان و ایران و ملتان جمع شدہ بودند بریں مصرع طرح ہر کسی غزل گفتہ بود، مرو چار شد تا نگہی با من آن جوان تنہا"[۳]

ایک اور شہر ملتان اس وقت علم و ادب کا مرکز تھا اور ادبی سرگرمیوں کے لحاظ سے نہایت اہمیت کا حامل تھا۔ شہزادہ سلطان محمد شہیدؒ جو اپنے باپ سلطان غیاث الدین بلبن کو نہایت عزیز تھا، ادبی شخصیتوں اور دانشوروں کی سرپرستی کے لئے بھی بہت مشہور تھا۔ امیر خسرو اور میر حسن سجزی اس کے خاص درباری شاعر تھے۔ اس کی محفلوں میں شاہنامہ، خاقانی، انوری اور نظامی کے اشعار پڑھے جاتے تھے۔ اس نے شیخ عثمان بن شیخ صدر الدین بن بہاء الدین ذکریا ملتانیؒ اور شیخ سعدیؒ کو بھی ملتان آنے اور وہاں آباد ہونے کی دعوت دی تھی۔

شہزادہ سلطان محمد بن سلطان غیاث الدین بلبن منگولوں کے خلاف جنگ میں ملتان کے نزدیک شہید ہوا تھا۔ امیر خسرو نے اس حادثہ پر ایک نہایت پرسوز مرثیہ لکھا جس میں ملتان اور پانچ دریاؤں کا اس طرح ذکر کرتے ہیں ؎

بس کہ آب چشم خلقی شد روان در چار سو
پنج آبی دیگر اندر مولتان آمد پدید[۴]

ہندوستان میں مسلم حکمرانوں کی سرپرستی، داخلی حفاظت و استحکام نے پنجاب میں فارسی ادب کی ترقی میں اہم رول ادا کیا ہے۔ پنجاب میں فارسی ادب کی تاریخ ایک ہزار سال سے زیادہ مدت میں پھیلی ہوئی ہے۔ اسی مدت میں بہت سے صف اول کے شعرا، ادبا اور دیگر ادبی شخصیتیں وجود میں آئیں اور اپنے آثار گراں مایہ سے فارسی

www.mujaddidway.com

ندیدم کشوری غارت گری تاب
بخوبی ہای حسن آباد پنجاب

پر پنجاب انتخاب ہفت کشور
قمر خوردہ بجا کش آب کوثر

پنجاب کا کشمیر سے موازنہ کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے ؎

ازاں حسرت گری آید بہ پنجاب
دل کشمیر صد رہ می شود آب

پنجاب کے متعلق ہی ماضی قریب کے ایک شاعر غلام قادر گرامی (وفات ۱۹۲۷) فرماتے ہیں ؎

برد لفظ پنجاب از زبانم
زبان شد موج کوثر در دہانم

مغل امرا کی اچھی خاصی تعداد جو اپنے فرائض منصبی کی وجہ سے دہلی میں رہتے تھے پنجاب میں مکانات لاہور میں بھی رکھتے تھے۔ جہانگیر اور نور جہاں بھی پنجاب سے بہت محبت کرتے تھے اتفاق سے دونوں کی آخری آرام گاہ لاہور میں ہی ہے لاہور کی تعریف میں ایک شعر نور جہاں سے منسوب ہے ؎

لاہور را بجان برابر خریدہ ایم
جان دادہ ایم جنت دیگر خریدہ ایم

فارسی شعرا پنجاب کے قدرتی مناظر، حسن، زندہ دلی اور خوشگوار آب و ہوا سے انتہائی متاثر تھے۔ ان کے کلام میں اکثر پنجاب کے دریاؤں، درختوں، باغات، پھلوں پھولوں اور یہاں کے زندہ دل لوگوں کی طرف اشارات ملتے ہیں۔ پنجاب میں اس زمانے میں ہر طرف ادبی سرگرمیاں اور ہر جانب دانشوروں کا شہرہ تھا۔ لاہور میں اکثر مشاعرے

منعقد ہوتے تھے۔ تذکرہ شعرای پنجاب میں ایک مشاعرہ کا ذکر درج ذیل اقتباس میں ملتا ہے۔

"روزی در لاہور در حویلی میاں مبارک پدر فیضی بتقریب مشاعرہ جملہ شعرای ہندوستان و ایران و ملتان جمع شدند در ین مصرع طرح ہر کسی غزل گفتہ بود "رو چار شد نگہی با من آن جوان تنہا"" ۳

ایک اور شہر ملتان اس وقت علم و ادب کا مرکز تھا اور ادبی سرگرمیوں کے لحاظ سے نہایت اہمیت کا حامل تھا۔ شہزادہ سلطان محمد شہیدؒ جو اپنے باپ سلطان غیاث الدین بلبن کو نہایت عزیز تھا، ادبی شخصیتوں اور دانشوروں کی سرپرستی کے لیے بھی بہت مشہور تھا۔ امیر خسرو اور میر حسن سجزی اس کے خاص درباری شاعر تھے۔ اس کی محفلوں میں شاہنامہ، خاقانی، انوری اور نظامی کے اشعار پڑھے جاتے تھے۔ اس نے شیخ عثمان بن شیخ صدر الدین بن بہاء الدین ذکریا ملتانیؒ اور شیخ سعدیؒ کو بھی ملتان آنے اور یہاں آباد ہونے کی دعوت دی تھی۔

شہزادہ سلطان محمد بن سلطان غیاث الدین بلبن منگولوں کے خلاف جنگ میں ملتان کے نزدیک شہید ہوا تھا۔ امیر خسرو نے اس حادثہ پر ایک نہایت پر سوز مرثیہ لکھا جس میں ملتان اور پنج دریاؤں کا اس طرح ذکر کرتے ہیں ؎

بس کہ آب چشم خلقی شد رواں در چار سو
پنج آبی دیگر اندر مولتان آمد پدید

ہندوستان میں مسلم حکمرانوں کی مربیانہ سرپرستی، داخلی حفاظت و استحکام نے پنجاب میں فارسی ادب کی ترقی میں اہم رول ادا کیا ہے۔ پنجاب میں فارسی ادب کی تاریخ ایک ہزار سال سے زیادہ مدت میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس مدت میں بہت سے صف اول کے شعرا، ادبا اور دیگر ادبی شخصیتیں وجود میں آئیں اور اپنے آثار گراں مایہ سے فارسی

www.mujaddidway.com

ادب کو مالا مال کیا۔

پنجابی زبان نے فرہنگ و اصطلاحات میں فارسی کے اثرات کو قبول کیا اور انکو اپنے ادب میں سمویا۔ اسی بنا پر پنجاب میں بہت سے ایسے شاعر اور ادیب ہوئے ہیں جو تینوں زبانوں اردو فارسی اور پنجابی پر عبور رکھتے تھے اور ان زبانوں میں شعر کہتے تھے۔
پنجاب میں فارسی کی مقبولیت کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ ایرانی شاعر اور دوسرے اسکالر ہندوستان آکر پنجاب کو چھوڑ کر دوسرے صوبوں میں جانے پر راضی نہیں ہوتے تھے کیونکہ پنجاب کی آب و ہوا ان کو اپنے وطن جیسی محسوس ہوتی تھی اور وہ وہاں آباد ہو گئے تھے۔

ہندوستانی فارسی ادب کی ترقی میں پنجاب کا حصہ

فارسی ادب کی ترقی میں پنجاب کے حصہ کو چار قسم کے کاموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ نثر، نظم، تراجم و تفسیریں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ہر صنف میں پنجاب کا گراں بہا حصہ ہے۔
پنجاب کا پہلا فارسی شاعر مسعود سعد سلمان (وفات ۵۱۵ھ / ۲۲-۱۱۲۱ء) کو کہا جاسکتا ہے۔ اس وقت سے اس سرزمین پر بے شمار شاعر گذرے ہیں جنھوں نے فارسی میں اپنے کلام سے فارسی ادب کو مالا مال کیا ہے۔ تذکرہ شعرائے پنجاب کے مصنف نے ۹۰۰ شاعروں کا ذکر کیا ہے جو پنجاب میں رہتے تھے یا پنجاب سے کسی نہ کسی طرح متعلق رہے تھے۔ اس میں نمایاں نام حسب ذیل ہیں: مسعود سعد سلمان، ابوالفرج رونی، فرید الدین گنج شکر، حضرت بہاء الدین زکریا، فخر الدین عراقی، سراج الدین منہاج، حضرت علی ہجویری، شاہ شرف الدین بو علی قلندر، گرو بابا نانک، عبدالرحیم خانخاناں، ظفر خان احسن، شیخ سعد اللہ گلشن، غنی، غلام مرور لاہوری، عبدالمجید سالک، صوفی غلام مصطفی تبسم، علامہ اقبال۔
پنجاب میں بہت سی سنسکرت کتابوں کے تراجم فارسی میں ہوئے جیسے مہابھارت و رزم نامہ،

www.mujaddidway.com

تاریخ کشمیر، جوگ بشست، ہری ونس وغیرہ کے ترجمہ کرنے میں ملا شیری اور ملا شاہ محمد نے نمایاں حصہ لیا۔ پنجاب کی بہت سی مقامی داستانیں بھی فارسی میں ترجمہ ہوئی ہیں۔ مثلاً ہیر رانجھا کو آفرین لاہوری نے ۱۱۴۳ھ / ۱۷۳۰ء میں فارسی میں ترجمہ کیا۔ ایک اور داستان سسی پنوں کو محمد رضا نے "زیبا نگار" کے نام سے ۱۰۵۳ھ / ۱۶۴۳ء میں فارسی میں ترجمہ کیا۔ آسکین نے ۱۷۲۳ء میں مرزا صاحباں کو فارسی جامہ پہنا کر "شیخ عشق" نام دیا۔ بعد میں خیر اللہ فدا لاہوری نے بھی اس کا ترجمہ کیا۔
اسی طرح سوہنی مہینوال اور دوسری بہت سی چیزیں پنجابی سے فارسی میں ترجمہ ہوئیں۔
صوفی سنتوں نے بھی پنجاب میں فارسی کی ترقی میں نمایاں حصہ لیا۔ شاہی فاتحوں کے ساتھ اور تبلیغی مقاصد سے بہت سے صوفی اور بزرگ بھی ایران و افغانستان سے پنجاب میں آئے۔ مصنف تذکرہ اولیائے لاہور نے صرف لاہور سے ۲۰۰ صوفیوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں محمود غزنوی کے دور میں داتا گنج بخش، شاہ جہاں کے دور میں میاں میر اور ملا شاہ اپنے روحانی اثرات کے لیے بہت مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ بابا فرید الدین گنج شکر کو ہندو اور مسلمان ہر دو نہایت احترام کرتے ہیں ان کے اشعار بابا گرو نانک نے گرو گرنتھ صاحب میں جا بجا نقل کیے ہیں اس طرح ان صوفیوں نے ملک کی وحدت اور قومی یکجہتی میں بہت بڑا رول ادا کیا ہے۔

سرہند کا تاریخی، سیاسی و ادبی پس منظر

سرہند پنجاب کا ایک مشہور شہر ہے جو مغلوں کے زمانہ میں نہایت بارونق اور آباد شہر تھا۔ اس شہر کے آباد ہونے کے بارے میں بہت سی روایات ہیں۔ ایک روایت کے مطابق اس کی بنیاد لاہور کے حکمراں سابر راؤ نے رکھی تھی۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ شہر ہماس

شاہ جہاں کی سلطنت کی مشرقی حد تھا لیکن اس کو مورخین نے سرہند یا سہرند کے
سامانہ بتایا ہے۔

سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں کے احباب فیروز شاہ تغلق کے دورِ حکومت
میں سرہند کو دوبارہ آباد کیا گیا۔ ان کے ملفوظات میں اس کے دوبارہ آباد ہونے کے متعلق
تفصیل اس طرح ہے کہ سرہند دراصل سہرند تھا اس کے معنی "شیروں کا جنگل" ہیں۔
فیروز شاہ تغلق کے عہد میں سامانہ سے لاہور کو جانا بہت دشوار تھا اس لیے اس علاقہ
کے لوگوں نے سید جلال الدین بخاری سے درخواست کی کہ سامانہ اور دہلی کے درمیان
ایک شہر بسایا جائے تاکہ لوگوں کو حفاظت سے جایا جا سکے۔ سلطان فیروز شاہ نے اپنے
رضاعی بھائی کی درخواست کو منظور کیا اور اپنے مقرب خواجہ فتح اللہ کو جو امام رفیع الدین کے
بھائی تھے اس کے بسانے کا حکم دیا۔ خواجہ فتح اللہ نے ایک قلعہ کی تعمیر کا کام شروع کرایا لیکن
جو دن میں تعمیر ہوتی تھی رات کو کسی نامعلوم طاقت کے ذریعہ گرا دی جاتی تھی۔ اس بات
کی اطلاع سید جلال الدین بخاری کو ہوئی انھوں نے اپنے مرید اور خلیفہ امام رفیع الدین کو
اس معاملہ میں تحقیق کرنے اور قلعہ کی از سر نو بنیاد رکھنے اور وہاں آباد ہونے کا حکم دیا۔
امام رفیع الدین نے تحقیق کرنے پر پتہ چلایا کہ مزدور جو کام پر لگائے جاتے تھے ان سے جبری
طور پر کام لیا جاتا تھا۔ انھوں نے اس کو بند کرایا اور قلعہ کی دوبارہ بنیاد رکھی قلعہ مکمل
ہونے کے ساتھ ہی یہ شہر بھی آباد ہو گیا۔

ملک مبارک شاہی کے ایک بیان سے پتہ چلتا ہے کہ ۷۶۰ھ/ ۱۳۶۰ء
میں فیروز شاہ نے سامانہ کو تقسیم کر کے اس کو
ایک علاحدہ مقام بنایا۔ اس نے دریائے ستلج سے ایک نہر بھی نکالی جو اب بھی شہر
کے پاس سے گذرتی ہے۔ سرہند پہلے دہلی سلطنت کا ایک ضلع تھا فیروز شاہ
نے اس کو ... ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے کہ سرہند دہلی

کی ایک سرکار ہے جس کے تحت ۳۳ محل اور پرگنے ہیں۔

سرو آزاد کے مصنف لکھتے ہیں کہ اس کا پرانا نام سہرند تھا جب غزنوی حکمرانوں نے
غزنی سے سہرند تک کا علاقہ اپنے قبضہ میں لے لیا تو یہ عام طور پر سرہند یعنی ہندوستان کا
سر مشہور ہو گیا۔ جب شاہ جہاں نے کابل سے قرا باغ غزنی تک کا وسیع علاقہ فتح کر لیا تو
اس نے فرمان جاری کیا کہ اس کو 'سہرند' ہی لکھا جائے لیکن اس کے باوجود 'سرہند'
کے نام سے مشہور رہا۔ اب سرہند ایک تحصیل ہے جس کا رقبہ ۳۳۳ مربع میل ہے اور
جس میں ایک شہر اور ۳۰۰ گاؤں شامل ہیں۔

سرہند کا سیاسی پس منظر

سرہند جغرافیائی لحاظ سے اپنی کلیدی اہمیت کی وجہ سے فوجی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے
اس کو گیٹ وے آف انڈیا کہا جاتا تھا۔ اس لیے ہر بادشاہ اور حکمراں نے اس کے
آباد ہونے کے وقت سے اس کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔

۸۱۷ھ/ ۱۴۱۴ء میں خضر خاں نے جو دہلی کا پہلا سید حکمراں تھا اپنے لڑکے
ملک مبارک کو فیروز پور یا سرہند کا گورنر اور ملک سادھو نادر کو اس کا معاون مقرر کیا۔
۸۱۹ھ/ ۱۴۱۶ء میں وہ طغان رئیس اور دوسرے ترکوں کے ہاتھوں قتل ہوا
لیکن زیرک خاں نے جو سامانہ کا گورنر تھا دوسرے سال اس بغاوت کو کچل دیا۔ ۸۲۳ھ
/ ۱۴۲۰ء میں خضر خاں نے باغی سارنگ خاں کو سرہند کے مقام پر شکست دی۔ اس
وقت ملک سلطان شاہ لودی سرہند کا گورنر تھا سرہند میں ہی ۸۵۵ھ/ ۱۴۵۱ء میں
ملک بہلول لودی نے سلطان کا لقب اختیار کیا۔ مغل بادشاہ ہمایوں نے ۹۶۲ھ/ ۱۵۵۵ء
میں سرہند کے مقام پر ہی سکندر سوری کو شکست دی تھی۔ جب بیرم خاں نے بغاوت کی تو
۹۶۷ھ/ ۱۵۶۰ء میں سرہند میں ہی اکبر کی فوج نے اس کی سرکوبی کی۔ بعد میں سرہند

www.mujaddidiway.com

بادشاہ جے پال کی سلطنت کی مشرقی حد تھا۔ لیکن اس کو مورخین نے تبرہند یا بھٹنڈہ کے ساتھ ملا دیا ہے۔

سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں کے ایماء پر فیروز شاہ تغلق کے دور حکومت میں سرہند کو دوبارہ آباد کیا گیا۔ زبدۃ المقامات میں اس کے دوبارہ آباد ہونے کے متعلق تفصیل اس طرح ہے کہ سرہند دراصل سہرند تھا جس کے معنی شیروں کا جنگل ہیں۔ فیروز شاہ تغلق کے عہد میں سامانہ سے خزانہ کو لے جانا بہت دشوار تھا۔ اس لیے اس علاقہ کے لوگوں نے سید جلال الدین بخاری سے درخواست کی کہ سامانہ اور دہلی کے درمیان ایک نیا شہر بسایا جائے تاکہ خزانہ کو حفاظت سے لے جایا جا سکے۔ سلطان فیروز شاہ نے اپنے درباری اس تجویز کو منظور کر لیا اور اپنے مقرب خواجہ فتح اللہ کو جو امام رفیع الدین کے بھائی تھے اس کے بنانے کا حکم دیا۔ خواجہ فتح اللہ نے ایک قلعہ کی تعمیر کا کام شروع کرایا لیکن جو دیوار دن میں تعمیر ہوتی تھی رات کو کسی نامعلوم طاقت کے ذریعہ گرا دی جاتی تھی۔ اس بات کی اطلاع سید جلال الدین بخاری کو ہوئی جنہوں نے اپنے مرید اور خلیفہ امام رفیع الدین کو اس معاملے میں تحقیق کرنے اور قلعہ کی از سر نو بنیاد رکھنے اور وہاں آباد ہونے کا حکم دیا۔ امام رفیع الدین کو تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ جو لوگ یہاں لگائے جاتے تھے ان سے جبری طور پر کام لیا جاتا تھا۔ انہوں نے اس کو بند کرایا اور قلعہ کی دوبارہ بنیاد رکھی۔ قلعہ مکمل ہونے کے ساتھ ہی نیا شہر بھی آباد ہو گیا۔

تاریخ مبارک شاہی کے ایک بیان سے پتہ چلتا ہے کہ قلعہ ۷۵۵ھ/۱۳۵۴ء میں تعمیر ہوا۔ فیروز شاہ نے ۷۶۰ھ/۱۳۶۰ء میں جب سامانہ کو تقسیم کر کے اس کو نئے ضلع کا صدر مقام بنایا۔ اس نے دریائے ستلج سے ایک نہر بھی نکالی جو اب بھی شہر کے پاس سے بہتی ہے۔ سرہند پورے دہلی سلطنت کا ایک حصہ ظاہر کرتا رہا۔ فیروز شاہ نے اس کو ولی عہد کو جاگیر میں دیا۔ ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے کہ سرہند دہلی

کی ایک سرکار ہے جس کے تحت ۳۳ محال اور پرگنے ہیں۔

سرو آزاد کے مصنف لکھتے ہیں کہ اس کا پرانا نام سہرند تھا جب غزنوی حکمرانوں نے غزنی سے سہرند تک کا علاقہ اپنے قبضہ میں لے لیا تو یہ عام طور پر سرہند یعنی ہند کی سرحد کے نام سے مشہور ہو گیا۔ جب شاہ جہاں نے کابل سے قرا باغ غزنی تک کا سارا علاقہ فتح کر لیا تو اس نے فرمان جاری کیا کہ اس کو سہرند ہی لکھا جائے لیکن اس کے باوجود یہ سرہند کے نام سے مشہور رہا۔ اب سرہند ایک تحصیل ہے جس کا رقبہ ۳۳۳ مربع میل ہے اور جس میں بیس شہر اور ۳۰۰ گاؤں شامل ہیں۔

سرہند کا سیاسی پس منظر

سرہند جغرافیائی لحاظ سے اپنی کلیدی اہمیت کی وجہ سے فوجی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے اس کو 'گیٹ وے آف انڈیا' کہا جاتا تھا۔ اس لیے ہر بادشاہ اور حکمران نے اس کے آباد ہونے کے وقت سے اس کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔

۸۱۷ھ/۱۴۱۴ء میں خضر خان نے جو دہلی کا پہلا سید حکمران تھا اپنے لڑکے ملک مبارک کو فیروز پور یا سرہند کا گورنر اور ملک سادھو نادرہ کو اس کا معاون مقرر کیا۔

۸۱۹ھ/۱۴۱۶ء میں وہ طغان رئیس اور دوسرے ترکوں کے ہاتھوں قتل ہوا لیکن زیرک خان نے جو سامانہ کا گورنر تھا دوسرے سال اس بغاوت کو کچل دیا۔ ۸۲۴ھ/۱۴۲۱ء میں خضر خان نے باغی سارنگ خان کو سرہند کے مقام پر شکست دی۔ اس وقت ملک سلطان شاہ لودی سرہند کا گورنر تھا۔ سرہند میں ہی ۸۵۵ھ/۱۴۵۱ء میں ملک بہلول لودی نے سلطان کا لقب اختیار کیا۔ مغل بادشاہ ہمایوں نے ۹۶۲ھ/۱۵۵۵ء میں سرہند کے مقام پر ہی سکندر سوری کو شکست دی تھی۔ جب بیرم خان نے بغاوت کی تو ۹۶۷ھ/۱۵۶۰ء میں سرہند میں ہی اکبر کی فوج نے اس کی سرکوبی کی۔ اکبر نے سرہند

کو اپنی فوجی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔

اورنگ زیب اور دارا شکوہ کے درمیان جانشینی کی جنگ میں دارا نے دس ہزار فوج کے ساتھ سرہند کی طرف مارچ کیا اور دیو گلکڑ کی املاک پر قبضہ کر لیا جو وہاں سے بھاگ گیا تھا۔ دارا نے ستلج کو عبور کر کے تمام کشتیوں کو برباد کر دیا تاکہ اورنگ زیب کی فوج کی پیش قدمی کو روکا جا سکے۔

اورنگ زیب اور پہاڑی راجاؤں نیز گرو گوبند سنگھ کے درمیان بہت سی جنگیں سرہند کے مقام پر ہوئیں جس کے نتیجے میں سرہند تباہ و برباد ہو گیا۔ ۱۷۰۴ء میں بایزید خاں گورنر سرہند نے گرو گوبند سنگھ کے دو لڑکوں کو اس شہر میں زندہ چنوا دیا تھا۔ ۱۷۱۰ء میں بندہ بیراگی نے سرہند پر قبضہ کر لیا اور بایزید خاں کو قتل کر دیا۔ جب احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اس نے ۱۷۶۱ء میں زین خان کو سرہند کا گورنر بنایا لیکن سکھوں کے ساتھ ایک مقابلہ میں ۱۷۶۳ء میں زین خاں مارا گیا۔ احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر دوبارہ حملہ محمد شاہ کے عہد میں کیا اور تیس ہزار فوج کے ساتھ سرہند میں داخل ہوا۔ اس نے شہر کو تباہ و برباد کر دیا اور جس نے بھی [illegible] اس کو ختم کر دیا۔

سرہند کی تاریخی اور تہذیبی اہمیت

کسی زمانہ میں سرہند گیٹ وے آف انڈیا کہلاتا تھا جہاں سے بادشاہ، سوداگروں کے قافلے، سیاح اور [illegible] گذرتی تھیں۔ اس طرح یہ شہر مختلف تہذیبوں کا ایک سنگم بن گیا تھا۔ مغل دور میں سرہند ایک بہت بارونق اور سرسبز و شاداب شہر تھا کیونکہ شاہجہان کے عہد میں یہاں مسجدیں، سرائے اور مقبرے تھے۔ مشہور صوفی حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی اور ان کی اولاد نیز خلفاء کے مقبرے بھی اس شہر میں ہیں

اور عقیدت مندوں کے لئے زیارت کا مرکز ہیں۔ حافظ رخنہ (وفات ۱۰۰۱ھ/۱۵۹۲-۹۳ء) اکبر کے دور میں سرہند کے گورنر تھے۔ انھوں نے بہت سی عمارات، باغات اور تالاب یہاں تعمیر کرائے۔ جہانگیر کے زمانہ کی کچھ تعمیرات ابھی حال ہی میں (جولائی ۱۹۷۵ء) میں سرہند میں دریافت ہوئی ہیں۔ یہ پرانے قلعہ کے ایک باغ بنام "عام خاص باغ" میں ملی ہیں۔ اس میں پھولوں کے نقش و نگار کے ساتھ ایک محل اور ایک بیگم کا محل بھی شامل ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ جہانگیر کا "دولت خانۂ خاص" ہو جس کا ذکر اس نے تزک میں کیا ہے۔

شاہ جہاں نے بھی خوبصورت عمارتیں بنا کر اس کی شان و شوکت میں اضافہ کیا۔ اس نے ۱۰۴۴ھ/۱۶۳۴-۳۵ء میں یہاں ایک محل اور باغ تعمیر کرایا۔ شاہ جہاں کی ایک ملکہ کا نام سرہندی بیگم تھا اور وہ سرہند کی رہنے والی تھی۔ اس کا مقبرہ آگرہ میں ہے۔ دہلی میں لاہوری دروازہ پر ایک مسجد بھی اس بیگم کے نام سے "سرہندی مسجد" موجود ہے۔ مغل بادشاہ اکثر سرہند سے گذرتے ہوئے سرہند میں قیام کرتے تھے۔ اقبال نامہ کا مصنف لکھتا ہے:

"بیست و نہم اسفندیار از قصبہ سرہند کہ از جملہ خالصات است در منزل سرا فرود آمدند۔ شدہ و عہد باغ حافظ رخنہ کہ در عہد حضرت عرش آشیانی طرح پذیرفتہ بہ منتہائے کمال رسیدہ۔"

"..... بیست و نہم ماہ بجشن باغ حافظ رخنہ کہ بخیر و چراغ سرسبز ست سرہند از فیض نزول موکب سعادت بہشت روئی زمین شد۔"

سرہند میں ہی ۵ شوال ۱۰۲۸ھ/۱۶۱۹ء کو ممتاز محل نے امید بخش کو جنم دیا۔ شاہ جہاں اس وقت شہزادہ تھا اور جہانگیر کے ساتھ کشمیر جا رہا تھا۔

اکبر اور جہانگیر کے دور کے مشہور صوفی بزرگ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد

اور ... کر جاتا۔

[illegible] سکھوں کے درمیان [illegible] جنگ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] سکھوں [illegible] سرہند [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

سرہند کی تاریخی اور تہذیبی اہمیت

[illegible] سرہند [illegible] شاہجہاں سے بادشاہ [illegible]
[illegible]
[illegible] سرہند ایک بہت بڑا [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] سرہند [illegible]
[illegible]
[illegible] جہانگیر [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
کیا ہے۔

شاہجہاں [illegible]
[illegible]
[illegible] سرہند [illegible]
[illegible]
[illegible] سرہند [illegible]
[illegible] ہے۔

[illegible] سرہند [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] سرہند
[illegible]
سرہند [illegible]
[illegible]
جہانگیر [illegible]
اکبر اور جہانگیر کے دور کے مشہور [illegible]

www.mujaddidway.com

سرہندی گھرانوں اور سلسلہ کے دوسرے بزرگ سرہند سے ہی تعلق رکھتے تھے شاہجہاں
بھی اور مغل دربار بھی اس سلسلہ کے بزرگوں کا بہت احترام کرتے تھے اور ان کے مرید
تھے۔ ایک شاعر نے سرہند کو بڑی محبت سے خراج پیش کیا ہے

سرہند گو کہ رشک بریں است

ظاہر است بریں کہ بر زمین است

یک ملک صد هزار و بیار گشتی کہ کجے تر زمین

کہ او نہ قصد بہ شہر بیست و بہار است

کنون در خطہ ہندوستان است

لا سوا اینہا شہر بیست در ہند

کہ اندر پاک او بنیاد سرہند

سواد شہر نظف خوش خوش است

خیابانش توتیای چشم روشن است

دراں شہر یک عاشق مضطر آمد

بعد عالمے کا سنے بر آمد[۳]

سرہند کا ادبی پس منظر

فارسی ادب نے ہندوستان میں سب سے پہلے پنجاب میں نشوونما پائی اور جو
فارسی ادب ہندوستانی تہذیب کا ایک جزو لازم بن گیا۔ لاہور، ملتان اور سرہند ادبی سرگرمیوں
کے اہم مراکز بن گئے تھے۔ سرہند ایک عام گذرگاہ ہونے کی وجہ سے کئی قوموں اور تہذیبوں
کا مسکن بن گیا۔ اس کی جھلک یہاں وجود میں آنے والی ادبی تخلیقات میں
بھی ملتی ہے۔ سرہند میں فارسی کی تخلیقات سے چشم پوشی اور بے توجہی برتی گئی اس لیے

بیرونی قوم کے سامنے نہیں جھکیں اور مقابلہ کرتی رہیں۔

سرہند کے ایک ممتاز مورخ یحییٰ بن احمد سرہندی نے تاریخ مبارک شاہی لکھی جو اس
دور کی تاریخ کے لیے ایک مستند ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔

بعد کے مورخین جیسے فرشتہ، بدایونی، نظام الدین احمد نے اس دور کے حالات
کے لیے اسی کتاب کو بنیاد بنایا ہے۔ ... اور ... سرہندی اور ... سرہندی بھی
دور کے مورخ تھے ... سرہندی نے جہانگیر کے دور کے پہلے ... سال کے حالات قلمبند
کیے ہیں۔

ممتاز شاعر جیسے ناصر علی سرہندی ... سرہند سے ہی تعلق رکھتے تھے
اور امراء اور بادشاہ بھی ان کا احترام اور قدر دانی کرتے تھے۔

ہندوستان میں نقشبندیہ مجددیہ سلسلہ کے بانی حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات
اور دوسری تصانیف کی شکل میں فارسی ادب کو گراں بہا ذخیرہ ملتا ہے۔ ان کے بعد ان کے
خلفاء اور صاحبزادگان نے اس سلسلہ کو جاری رکھا۔

سرہندی اور مجددی سلسلے کے دوسرے بزرگ سرہند سے ہی تعلق رکھتے تھے شاہجہاں اور اورنگ زیب اس سلسلے کے بزرگوں کا بہت احترام کرتے تھے اور ان کے مرید تھے ایک شاعر نے سرہند کو زمین پر جنت سے تعبیر کیا ہے

سرہند بگو کہ رشک چمن است
خلدیست بریں کہ بر زمین است

ایک اور صوفی شاعر خواجہ ہاشم کشمی کہتے ہیں:

کز ان قند یکہ شیرین تر ز جان است
کنوں در خطۂ ہندوستان است
سواد آباں شہریست در ہند
کہ نامد پاکی او ہمچو اد سرہند
سواد زلف و خار خوش است
غبارش توتیای چشم روح است
وزاں شہر یکہ تاش مظہر آمد
بعد ما عجب کانے بر آمد[۲۱]

سرہند کا ادبی پس منظر

فارسی ادب نے ہندوستان میں سب سے پہلے پنجاب میں نشو و نما پائی اور پنجاب دفتر و ترجمہ دو ایرانی تمدن کا ایک بڑا مرکز بن گیا۔ لاہور، ملتان اور سرہند ادبی سرگرمیوں کے اہم مراکز میں شمار ہوتے ہیں۔ سرہند ایک عام گذرگاہ ہونے کی وجہ سے کئی تہذیبوں اور زبانوں کا سنگم بن گیا۔ اسی کی جھلک وہاں وجود میں آنے والی ادبی تخلیقات میں ملتی ہے۔ سرہند میں فارسی کی تخلیقات سے چشم پوشی اور بے توجہی برتی گئی اس لیے

بیشتر عوام کے سامنے نہیں آ سکیں اور ضائع ہو گئیں۔

سرہند کے ایک ممتاز مورخ یحییٰ بن احمد مصنف تاریخ مبارک شاہی تھے جو اپنی دور کی تاریخ کے لیے ایک مستند ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔

بعد کے مورخین جیسے فرشتہ، بدایونی، نظام الدین احمد نے اس دور کے حالات کے لیے اسی کتاب کو بنیاد بنایا ہے۔ اللہ داد فیضی سرہندی اور حاجی ابراہیم سرہندی اکبر کے دور کے مورخ تھے۔ ولی سرہندی نے جہانگیر کے دور کے پہلے چودہ سال کے حالات قلمبند کیے ہیں۔

ممتاز شاعر جیسے ناصر علی سرہندی اور شیخ ... بھی سرہند سے ہی تعلق رکھتے تھے اور امراء اور بادشاہ بھی ان کا احترام اور قدردانی کرتے تھے۔

ہندوستان میں نقشبندیہ مجددیہ سلسلے کے بانی حضرت مجدد الف ثانی نے مکتوبات اور دوسری تصانیف کی شکل میں فارسی ادب کو گراں بہا ذخیرہ بخشا ہے۔ ان کے بعد ان کے خلفا اور صاحبزادگان نے اس سلسلے کو جاری رکھا۔

باب اول

حواشی

۱۔ ہسٹری آف پنجاب صفحہ ۳
۲۔ " " " صفحہ ۳-۴
۳۔ تذکرہ شعرائے پنجاب صفحہ ۵
۴۔ " " صفحہ ۵
۵۔ امپیریل گزیٹیر جلد ۲۳ صفحہ ۲۰
۶۔ زبدۃ المقامات جلد دوم صفحہ ۹۲-۹۳
۷۔ تاریخ مبارک شاہی صفحہ ۱۲۴-۱۲۵، ترکنازانِ ہند صفحہ ۴۲۴-۴۲۵
۸۔ ہفت اقلیم جلد اول صفحہ ۳۴۰
۸۔ مبارک شاہی صفحہ ۱۳۰ زبدۃ المقامات (ص-۹۰) میں اس کو فیروزآباد لکھا ہے
۹۔ سرو آزاد صفحہ ۱۲۹
۱۰۔ گزیٹیر جلد ۱۲ صفحہ ۲۲
۱۱۔ " جلد ۲۳ صفحہ ۲۱
۱۲۔ پنجاب انڈر مغل صفحہ ۴۰
۱۳۔ " صفحہ ۲۱۶
۱۴۔ " صفحہ ۲۱۹
۱۵۔ گزیٹیر جلد ۲۳ صفحہ ۲۱
۱۶۔ انڈین ایکسپریس ۱۱ جولائی ۱۹۷۵

۱۷۔ بایوگرافیکل ڈکشنری صفحہ ۳۵۳
۱۸۔ عمل صالح جلد اول صفحہ ۶۲۲
۱۹۔ " جلد دوم صفحہ ۸۰
۲۰۔ " جلد اول صفحہ ۱۳۰
۲۱۔ روضۃ القیومیہ جلد اول صفحہ ۳۷ (اردو ترجمہ)

www.mujaddidway.com

باب اول

حواشی

١- ہسٹری آف دی پنجاب صفحہ [illegible]
٢- " " صفحہ [illegible]
٣- [illegible] پنجاب صفحہ [illegible]
٤- " " صفحہ [illegible]
٥- امپیریل گزیٹیئر جلد [illegible] صفحہ [illegible]
٦- زبدۃ المقامات جلد دوم صفحہ [illegible]
٧- تاریخ مبارک شاہی صفحہ [illegible] [illegible]
٨- [illegible] جلد اول صفحہ [illegible]
٩- مبارک شاہی صفحہ [illegible] زبدۃ المقامات [illegible]
١٠- [illegible] صفحہ [illegible]
١١- گزیٹیئر جلد [illegible] صفحہ [illegible]
١٢- " جلد [illegible] صفحہ [illegible]
١٣- پنجاب [illegible] صفحہ [illegible]
١٤- " صفحہ [illegible]
١٥- " صفحہ [illegible]
١٦- گزیٹیئر جلد [illegible] صفحہ [illegible]
١٧- [illegible]

١٨- [illegible] صفحہ [illegible]
١٩- [illegible] جلد اول صفحہ [illegible]
٢٠- " جلد دوم صفحہ [illegible]
٢١- " جلد اول صفحہ [illegible]
٢٢- [illegible] جلد اول صفحہ [illegible] [illegible]

www.mujaddidway.com

باب اول

حواشی

۱۔ ہسٹری آف پنجاب صفحہ ۳

۲۔ " " " صفحہ ۳-۴

۳۔ تذکرہ شعرائے پنجاب صفحہ ۵

۴۔ " " صفحہ ۵

۵۔ امپیریل گزیٹیئر جلد ۲۳ صفحہ ۲۰

۶۔ زبدۃ المقامات جلد دوم صفحہ ۹۲-۹۳

۷۔ تاریخ مبارک شاہی صفحہ ۱۲۴-۱۲۵، ترکتازانِ ہند صفحہ ۴۲-۴۵

۸۔ ہفت اقلیم جلد اول صفحہ ۳۴۰

۸۔ مبارک شاہی صفحہ ۱۳۰ زبدۃ المقامات (ص ۹۰) میں اس کو فیروز آباد لکھا ہے

۹۔ سرو قند و صفحہ ۱۲۷

۱۰۔ گزیٹیئر جلد ۱۲ صفحہ ۲۴

۱۱۔ " جلد ۲۳ صفحہ ۲۱

۱۲۔ پنجاب انڈر مغل صفحہ ۴۰

۱۳۔ " صفحہ ۲۱۷

۱۴۔ " صفحہ ۲۱۹

۱۵۔ گزیٹیئر جلد ۲۳ صفحہ ۲۱

۱۶۔ انڈین ایکسپریس ۱۰ جولائی ۱۹۷۵

۱۷۔ بایوگرافیکل ڈکشنری صفحہ ۳۵۳

۱۸۔ عمل صالح جلد اول صفحہ ۶۲۴

۱۹۔ " جلد دوم صفحہ ۶۰

۲۰۔ " جلد اول صفحہ ۱۳۰

۲۱۔ روضۃ القیومیہ جلد اول صفحہ ۴۰ (اردو ترجمہ)

www.mujaddidway.com

سرہند میں فارسی شاعری کا عمومی جائزہ

سرہند اگرچہ فیروز شاہ تغلق کے عہد میں آباد ہوا لیکن اس شہر کے ادبی افق پر فارسی زبان و ادب کے درخشندہ ستارے کچھ عرصے بعد نمودار ہوئے۔ شروع آغاز میں لشکری و تجارتی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ پنجاب، کشمیر وغیرہ سے شاہی افواج و قافلوں اور کاروانوں کے لیے واحد راستہ سرہند سے ہی گزر کر جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہاں فارسی ادب نے پنپنا شروع کیا، اور ایک وقت ایسا آیا کہ یہ فارسی زبان و ادب کا ایک اہم مرکز شمار کیا جانے لگا۔ اسی سرزمین پر لکھی جانے والی تاریخی کتابوں میں سب سے پہلے یحییٰ سرہندی کی تاریخ مبارک شاہی کا نام آتا ہے جو آج بھی ایک مستند ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔ اکبر کے دور میں بھی اگرچہ یہاں نامور علما اور صاحب علم و قلم حضرات پیدا ہوئے مگر ان کا قلم نثر ہی کے کاموں تک محدود رہا۔ اللہ داد فیضی نے اپنی تمام توجہ نثر پر مرکوز رکھی حالانکہ ان کی بعض تصانیف میں ان کے اشعار بھی ملتے ہیں۔ لیکن شاعری کا آغاز ابھی باقاعدہ نہیں ہوا تھا۔

سرہند میں فارسی شاعری کا سورج اس وقت طلوع ہوا جب اورنگ زیب سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اورنگ زیب کے مزاج پر مذہبیت کا رنگ غالب تھا۔ فنون لطیفہ سے اسے خاص دلچسپی نہیں تھی۔ ملک الشعرا کا عہدہ اس نے ختم کر دیا۔ دوسرے شعرا کے وظائف منسوخ ہو گئے۔ ایرانی شعرا کی آمد کا سلسلہ بھی نسبتاً کم ہو گیا۔ اس کا ایک خوشگوار نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستانی شاعری کو اپنی مخصوص اور آزاد فضا میں نشوونما کا موقع ملا۔

اورنگ زیب کی اس بے تعلقی کے باوجود ہندوستان میں فارسی شاعری کی شمع روشن رہی اور بہترین ادبی تخلیقات وجود میں آئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اورنگ زیب قصیدہ گوئی کا مخالف تھا مگر خود شعر فہم تھا۔ جہاں اس نے ناصر علی کی شاعرانہ خوبیوں کو سن کر یہ کہا "اگر زبان را بانشای شعر آشنا نکند، دو روپیہ یومیہ برجہر مکانے کہ التماس نماید مقرر کردہ شود" وہاں اس نے عاقل خاں کو ایک شعر کی بدولت اپنا مقرب اور مصاحب بنا لیا۔

سرہند میں فارسی شاعری کو اسی دور میں زیادہ عروج حاصل ہوا۔ ناصر علی، راسخ، ثاقب، ایجاد، سرخوش سرہند کے بڑے اور اہم شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ نواب سیف خاں، ذوالفقار خاں اور نواب شکراللہ خاں ناصر علی پر بہت مہربان تھے اور ہر طرح ان کی سرپرستی فرماتے تھے۔ راسخ سرہندی، نواب مکرم خاں کے دربار سے وابستہ تھے۔ اورنگ زیب کے پوتے شہزادہ عظیم الشان کے دربار میں محمد احسن ایجاد رہتے تھے۔ سرخوش اور ان کے دوسرے برادران بھی عالمگیر کی ملازمت میں تھے۔

سرہند کے فارسی شعرا کے کلام میں فلسفہ تصوف اور عشق یکجا ہو کر شاعری کا سرمایہ ہو گئے اور اسی آمیزش سے ایسی دلآویزی پیدا ہوئی جو فارسی شاعری کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی اور یہی اوصاف سبک ہندی کی اساس ہیں۔ سرہند میں مجددیہ خاندان کی تعلیمات کا اثر شعرا پر بھی پڑا اور شاعری پر صوفیانہ خیالات غالب آ گئے۔

اس دور میں مضمون آفرینی، خیال بندی، فلسفیانہ موشگافی کی تحریک چل پڑی تھی۔ ایرانی شعرا کی آمد کم ہو جانے سے شاعری میں ہندوستانی موضوعات اور اثرات نمایاں ہو گئے۔ غنی، ناصر علی اور بیدل تینوں نے عالم خیال کی سیر کی۔ غنی نے نئے نئے مضامین کی جستجو کی، ناصر علی نے تصوف کے اسرار و رموز کی تلاش کی اور بیدل نے حقائق و معانی کی جستجو کی۔ غنی نے امثال، ناصر علی نے جدید اصطلاحات اور بیدل نے جدت اسلوب کو وسیلہ بنایا۔ ناصر علی نے محاوروں کو نہایت عمدہ طریقے سے باندھا۔ اس وقت کے تصورات،

صرف نیا خیالات اور فلسفیانہ نکات کو ادا کیا۔ خیال بندی کا اور وقت پسندی کی روش وقت کا ہی تقاضا تھی۔ لہٰذا ناصر علی و دیگر شعرا نے بھی یہ روش اپنائی۔

سرہند میں پیدا ہونے والے دوسرے شعرا راسخ، ایجاد، ثاقب، شیخ محمود میراں، سرخوش اور دوسرے بہت سے شعرا نے ناصر علی کی تقلید اور پیروی کی کوشش کی مگر بہت کم کامیاب ہوسکے۔

سرہند کے شعرا نے وقت کے تقاضے کے مطابق قصیدہ گوئی پر بہت کم توجہ دی۔ غزل، مثنوی، رباعی، قطعہ وغیرہ اصناف کے مقابلے میں سرہند کے شعرا ملک کے دوسرے حصوں کے شعرا سے پیچھے نہیں رہے۔

نہ بود آں ساں کہ شوخی در دل تنگ غزل می ماند
بقدر بحر باشد وسعت آغوش ساحلہا

ناصر علی سرہندی

باب دوم (۱)

معروف شعرا

ناصر علی سرہندی

ناصر علی سرہندی بلاشبہ اورنگ زیب کے دور میں بیدل کے بعد فارسی کے عظیم شاعر ہیں۔ ان کا تخلص علی تھا۔ وہ سرہند کے ایک معزز سید خاندان سے تھے ان کے والد کا نام رجب علی بیگ اور رسائی[۱] تخلص تھا۔ ان کی جائے پیدائش سرہند ہے۔[۲] ان کی تاریخ پیدائش کا کسی ذریعہ سے پتہ نہیں چلتا لیکن ان کی وفات ۱۱۰۸ھ/ ۹۷-۱۶۹۶ء میں ہوئی اور سرو آزاد (صفحہ ۱۳۱) و کلمات الشعرا (صفحہ ۱۲۹) کے مطابق انھوں نے ستر سال کی عمر پائی لہٰذا ان کی پیدائش ۱۰۴۸ھ/ ۳۹-۱۶۳۸ء کے قریب ہوگی۔ ناصر علی نے ابتدائی تعلیم سرہند میں ہی حاصل کی۔ وہ سرخوش کے بچپن سے ہی قریبی دوستوں میں سے تھے۔

"از یاران قدیم فقیر بود۔ از خورد سالی یکجا باہم مشق می کردیم و صحبتہا میداشتیم این شعر که ردیف مناسب حال من و اوست:

طالع شہرت رسوائی مجنون بیش است
ورنہ وحشت من و او ہر دو بیک بام افتاد"[۳]

ناصر علی سب سے پہلے نواب سیف خاں[۴] گورنر کشمیر کی سرکار سے وابستہ ہوئے ۱۰۸۷ھ/ ۷۷-۱۶۷۶ء میں سیف خاں کا تبادلہ الٰہ آباد ہوا تو ناصر علی بھی ہمراہ تھے ۱۰۹۵ھ/ ۸۴-۱۶۸۳ء میں سیف خاں کی وفات تک وہ ان کے ساتھ وہاں رہے اس کے

www.mujaddidway.com

بعد وہ سرہند لوٹ آئے جہاں ان کے انتقال پر ناصر علی کو جو ذہنی صدمہ پہونچا اس کا اندازہ ان کے پرسوز مرثیہ سے ہوتا ہے

سیف از سرم گذشت دلم را دو نیم کرد [۷]

ناصر علی سیف خاں کے نہایت وفادار تھے اور اپنے کلام میں بار بار سیف خاں کا ذکر بہت اچھے الفاظ میں کرتے ہیں ؎

گفتگوی طوطی از آئینہ می خیزد علی
گر نباشد سیف خاں ما را فصاحت گشت [۸]

اس دور کے دوسرے امرا اس بات پر رشک کرتے تھے کہ سیف خاں کی سرکار میں ناصر علی جیسا عظیم شاعر ہے۔ وہ ناصر علی کو نواز کر اپنا ممنون کرم بنانا چاہتے تھے۔ ایک بار ناصر علی سیف خاں کے ہمراہ خان جہاں بہادر شاہ سے ملنے گئے۔ خان جہاں نے کچھ شعر سنانے کی فرمائش کی۔ ناصر علی نے مندرجہ ذیل شعر پڑھا ؎

اہل دنیا را بغفلت زندہ دل پنداشتم
خفتہ ایم مردگان را زندہ می بینند بخواب [۹]

خان جہاں بہت محظوظ ہوا اور ناصر علی کو پانچ ہزار روپے انعام دینا چاہا مگر ناصر علی نے یہ کہہ کر یہ بخشش رد کر دی:

"نا بعنت این رنگ می باشیم ہر کہ گر رسد شویم از طمع بخشش شوربای رسد" [۱۰]

ناصر علی کے نواب شکر اللہ خاں کے ساتھ بھی بہت اچھے تعلقات تھے۔ وہ بہت اچھے الفاظ میں ان کا ذکر کرتے ہیں۔ ایک شعر ملاحظہ ہو:

علی بیاد شکر اللہ خاں بخوش این غزل گفتم
ز خوش گفتن ثنائی می نمایم جانفشانی ہم [۱۱]

ناصر علی اور شکر اللہ خاں کے درمیان خط و کتابت سے پتہ چلتا ہے کہ ناصر علی کے لیے شکر اللہ خاں

کے دل میں بہت احترام تھا۔ ناصر علی کے نام ایک خط میں وہ لکھتے ہیں:

"عالمگیر بنا یا از غایت توجہ بعالم معنی آن شکر شکن فوج شطحیات را خبر نیست کہ بدولت خداداد سخن عالمگیر شدہ اند و بالقلم معنی جہانگیر" [۱۲]

شیخ معصوم سرہندی کے مرید ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے کہ ایک دن ناصر علی سرہند میں ایک باغ میں چہل قدمی کے لیے گئے۔ اتفاق سے شیخ معصوم بھی وہاں موجود تھے۔ ناصر علی ایک جگہ شراب کا جام اور صراحی سامنے رکھے شغل فرما رہے تھے۔ شیخ معصوم کو ان پر بہت غصہ آیا اور پوچھا کیا ہے؟ ناصر علی نے جواب دیا می کہ ملا محمی خورند۔ شیخ معصوم کو ان کی یہ حرکت بہت ناگوار گذری۔ بہت سے علما نے اتفاق رائے سے ان کے قتل کے لیے فتوا تیار کیا۔ ناصر علی کے لیے یہ بڑا نازک مرحلہ تھا۔ شیخ سرہندی نے اس وقت ان کی مدد کی اور کچھ مسلح آدمیوں کے ہمراہ ان کو دہلی پہونچایا۔ [۱۳]

ناصر علی نے دہلی میں بھی شراب نوشی کے شغل کو جاری رکھا۔ ایک دن میر طفیل محمد بلگرامی جو وہ کمپنی باغ، واقع چوک شاہجہاں آباد میں ناصر علی سے ملنے گئے۔ ناصر علی اپنے دوستوں کے ہمراہ شراب پی رہے تھے ایک دوسرے کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ میر طفیل محمد یہ کیفیت دیکھ کر کچھ فاصلہ پر بیٹھ گئے۔ جب شراب کا دور چلنے لگا اور ساقی نے جام میں شراب ڈالی، ناصر علی نے کہا:

کہ این مست دو شب سر جنگ است باز اہد
کہ مینا ہم ز جوش می زرہ زیر قبا دارد

جب شراب کا دور ختم ہوا تو میر طفیل محمد ان سے رخصتی کی اجازت لینے گئے۔ ناصر علی نے مندرجہ بالا شعر ان کی درخواست پر ان کی بیاض میں لکھ دیا اور اس کے اوپر لکھا

"بدیہہ ناصر علی مستانہ" [۱۵]

www.mujaddidway.com

سانہ گلشن ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ناصر علی کے ایک دیرینہ دوست اپنے خوبصورت لڑکے کے ہمراہ ناصر علی سے ملنے گئے۔ ناصر علی نے لڑکے پر ایک نظر ڈالی اور کہا:

"چو دوست کرمن طلب ترا بجزم"

وہ دوست ناراض ہو کر چلا گیا۔ دوسرے دن ناصر علی نے صائب کا یہ شعر معذرت کے طور پر لکھ کر بھیجا۔

بہ اندک روی گردی پشت برگل ایک شبنم
چرا در آشنائی این قدر کس بے وفا باشد"

بھگونت داس نگندہ وار چندر بھان منشی بیان کرتا ہے کہ ایک دن ناصر علی ایک دوست کے ساتھ تفریح جا رہے تھے انھوں نے راستہ میں ایک سبزی فروش کو اپنی خوبصورت بیوی کے ساتھ جھگڑا کرتے ہوئے اور ہر قسم کی گالیاں دیتے ہوئے دیکھا۔ ناصر علی اچانک رکتے اترے، سبزی فروش کے پاس گئے اور بڑی عاجزی کے ساتھ اس سے کہا:

"بگو بانازنینی پری کہ بیگری را احوال اسپان و خران کرون غایت بے دردی و بدذوقی است۔ اگر از و بیزاری امن کہ آدمی زادہ باشم پہ تقصیر کردہ ام بمن بخش۔"

سبزی فروش اور دیگر راہ گیر ان کے جملہ کی خوبصورتی سے محظوظ ہوئے اور میاں بیوی نے صلح کر لی۔"

کچھ عرصہ بعد ناصر علی سرہند واپس چلے گئے۔ انھوں نے شیخ معصوم کے سامنے توبہ کی اور شیخ معصوم کے مرید ہو کر نقشبندیہ سلسلے سے وابستہ ہو گئے۔ شیخ معصوم کے لیے ان کے دل میں بہت احترام پیدا ہو گیا چنانچہ ان کی شان میں فرماتے ہیں:

چراغ ہفت محفل خواجہ معصوم
منور از فروغش ہند تا روم

۱۱۰۰ھ/ ۱۶۸۸-۸۹ء میں ناصر علی بیجاپور گئے جہاں اورنگ زیب کی فوجیں خیمہ زن تھیں۔ وہاں ۱۱۰۱ھ میں ان کو اورنگ زیب سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ وقت ملاقات ناصر علی نے معانقہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ بادشاہ اس گستاخی پر بہت ناراض ہوا اور کہا "صرف شاعر ہے، آداب نہیں جانتا" ناصر علی بھی اس ملاقات سے خوش نہیں ہوئے اور واپس چلے گئے۔ جب بعض امرائے اورنگ زیب کے سامنے ناصر علی کی شاعرانہ خوبیوں کا ذکر کیا تو اس نے کہا"

"اگر زبان را با انشای شعر آشنا نکند، دو روپیہ یومیہ برہر مکانی کہ التماس نماید مقرر کردہ شود۔"

اس کے باوجود ناصر علی کے دل میں بادشاہ وقت کے لیے بہت احترام تھا اور وہ اپنی مثنوی میں اس کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔

محی الدین محمد زیب اورنگ
فضای مشرب بہت برتو خیش تنگ

بیجاپور کے قیام کے دوران ذوالفقار خان نے اس کی سرپرستی کی اس کی تعریف میں ناصر علی نے پر زور قصیدہ کہا۔ کہا جاتا ہے کہ جب ناصر علی نے مطلع پڑھا:

ای شان حیدری ز جبین تو آشکار
نام تو ورد خبر و کند کار ذوالفقار

ذوالفقار خان اس قدر خوش ہوا کہ اس نے شاعر کو تیس ہزار روپیہ اور خلعت انعام دیا اور کہا کہ وہ اور شعر نہ سنائیں کیونکہ وہ اس سے زیادہ انعام نہیں دے سکتا۔ خزانۂ عامرہ میں مصنف نے پوری غزل نقل کی ہے جس کا مطلع اس طرح ہے

www.mujaddidiway.com

ناصر علی تر از تو خواہد مراد و بس

اے ابر فیض بر ہمہ عالم گہر ببار

ناصر علی کو ذوالفقار خاں سے جو رقم ملی وہ انھوں نے غربا میں تقسیم کر دی۔ خوشگو کہتا ہے کہ انھوں نے خلعت پہنی، ہاتھی پر سوار ہوئے اور مٹھی بھر کر روپے بکھیرتے جاتے تھے۔ دوسرے دن وہ اس لباس میں پیدل شراب فروش کی دکان تک گئے اور چند جام شراب کے بدلے خلعت اس کو دے دی۔

۱۱۰۳ھ/۹۲-۱۶۹۱ء میں جب ذوالفقار خاں کرناٹک کے صوبوں کی مہم پر مامور ہوا اور ارکاٹ پہنچا تو ناصر علی بھی اس کے ساتھ تھے۔ جنجی شہر جو مرہٹوں کا مضبوط قلعہ تھا، ذوالفقار خاں کے ایک دوست غضنفر علی خاں نے ان کا محاصرہ کیا۔ وہ اس وقت جنجی کا گورنر تھا۔ ناصر علی نے اس شعر میں غضنفر خاں کی مدح کی ہے:

بجو پیل بلا جنگ بگریزد از میدان ما

بشنود گر کوہ آواز غضنفر خان ما[۳۲]

خوش قسمتی سے جنجی میں ان کی ملاقات شاہ حمید الدین اور شاہ عادل سے ہوئی۔ انھوں نے ان کی زندگی کو بہت متاثر کیا۔ ناصر علی ان کی تعریف میں کہتے ہیں:

اینک اینک ساقی غیب بما رسید

نوبت جام حمید الدین رسید[۳۳]

علی مشہد شوق شاہ عادل رفتہ ام از خود

بقربان سرش گردانده ام دین و دنیا را[۳۴]

جنوبی ہند میں قیام کے دوران ان کی ملاقات میر عبد الجلیل بلگرامی[۳۵] سے بھی

ہوئی تھی۔ انھوں نے اپنی ملاقات کی تفصیل سرو آزاد کے مصنف کو بتائی تھی۔ ناصر علی نے اپنا تازہ قصیدہ لامعہ ان کو سنایا جس کی پہلی لائن اس طرح ہے:

گداخت بسکہ ہوای تموز مغز خیال

شرر ز سنگ بر آید بصورت تمثال

ناصر علی نے میر صاحب سے پوچھا تھا کہ ان کو کون سا شعر سب سے زیادہ پسند ہے۔ انھوں نے یہ شعر بتایا:

ز بسکہ نم بزمیں نارسیدہ میسوزد

چو شمع بر سر شاخ است ریشہای نہال

ناصر علی نے اقرار کیا کہ ان کو بھی یہی شعر زیادہ پسند ہے۔[۳۶] میر عبد الجلیل بلگرامی نے ان کے دو شعر میں کچھ تبدیلی بھی کی تھی جن میں سے ایک ان کو یاد نہ رہا اور دوسرا مثنوی میں بادشاہ اورنگ زیب کی تعریف میں تھا:

ناصر علی ۱۱۰۴ھ/۹۳-۱۶۹۲ء میں دکن سے واپس آئے اور دہلی میں سکونت پذیر ہوئے۔ ان کو ایران جانے کی تمنا تھی اور اس مقصد سے وہ ملتان تک پہنچ گئے تھے لیکن بعض نامساعد حالات کی وجہ سے اس سے آگے نہ جا سکے اور ایران کے سفر کو ملتوی کر دیا:

علی امسال موقوف است سیر گلشن ایران

چو داغ لالہ دامنگیر دل شد خاک ہندم[۳۷]

ناصر علی نے باقی عمر دہلی میں گوشہ نشینی میں گزار دی۔ آخر عمر میں ایک مجذوب کی ترغیب پر قطب ہونے کا دعوی بھی کیا جیسا کہ درج ذیل رباعی سے ظاہر ہوتا ہے:

آنم کہ ز فقر احمدی آگاہم

در انجمن تبرک صاحب جاہم

www.mujaddidway.com

شوق تو قدم بجہان ملک سخن است

یعنی کہ خلیفۂ رسول اللہ ام [۳۳]

سرخوش لکھتے ہیں:۔

"آخر عمر باشارہ عمدہ ولی مسلوب العقل گشتہ در دار الخلافہ بدعوای خلیفت الحکمت ورزید جنون ساختہ بہم رسانید و شوخیہا میکرد" [۳۴]

وفات ۱۱۰۸ھ

ناصر علی کا انتقال ۰۰ رمضان ۱۱۰۸ھ / ۰۰ ۱۶۹۶ء کو ہوا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر تقریباً ساٹھ سال تھی۔ [illegible] حضرت نظام الدین اولیاء کے نواح میں ان کو دفن کیا گیا۔ بیدل نے "رنگ ناز شکست" سے تاریخ نکالی۔ ان کے دوست محمد افضل سرخوش نے قطعہ تاریخ کہا۔

وارستہ علی بہ جہت بے پروا

از راحت و رنج و دہر مستغنی رفت

دائم چو توجہش سوی معنی بود

دل کندہ ز صورت کدہ ہستی رفت

سرخوش ز خرد سال وفاتش پرسید

گفت آہ علی بعالم معنی رفت [۳۵]

[illegible]:

آہ آہ از رحلت ناصر علی ۱۱۰۸ھ

وجعل جنت مثواہ ۱۱۰۸ھ

اولاد:۔ ناصر علی کے پس ماندگان میں تین لڑکے تھے علی عظیم، علی علیم، اور علی کریم۔ علی عظیم اچھا شاعر تھا۔ اس کو منصب اور جاگیر بھی ملی تھی اس کا انتقال بارہویں صدی کے وسط میں ہوا۔ خوشگو نے اس کا یہ شعر

نقل کیا ہے:

از بیابان عدم تا سر بازار وجود

بہ تلاشش کفنی آمدہ عریانی چند [۳۶]

علی علیم ایک سپاہی تھے اور سید قطب الملک بارہہ کی سروس میں تھے۔ ان کو بھی شاعری کا شوق تھا۔ ان کا صرف ایک شعر بیان کیا گیا ہے:

جوہر از شہرت نام پدر پوشیدہ ماند

وصف نور مردمک پنہان ز وصف دیدہ ماند

تیسرے لڑکے علی کریم ایک درویش کی سی زندگی بسر کرتے تھے وہ درویشوں کا سا لباس پہنتے۔ خوشگو سے ان کے نزدیکی مراسم تھے ان کا انتقال ۰۰ سال کی عمر میں ہوگیا۔ سفینۂ خوشگو میں ان کا ایک شعر نقل ہوا ہے:

جادۂ راہ فنا پست و بلند است مگر

در کف شعلہ ز شمع است چراغ سیمین

وفات کے وقت ناصر علی نے علی عظیم کو اپنے پاس بلایا جو اس وقت گیارہ سال کے تھے اور درد بھرے انداز میں یہ شعر کہا تھا:

[illegible] محمد صاحب ہوش

من و تو ہر دو یک خواب فراموش [۳۷]

نوجوانی میں ناصر علی ایک زندہ دل اور دلچسپ شخصیت رکھتے تھے۔ دوستوں کی صحبت اور شراب نوشی میں بے فکری سے زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن شیخ معصوم سرہندی کا مرید ہونے کے بعد ان پر مذہبی رنگ گہرا ہوتا چلا گیا اور وہ تصوف کی طرف زیادہ مائل ہوگئے۔ دکن کے قیام کے دوران شاہ حمید الدین اور شاہ عادل کی صحبت نے ان کو اور زیادہ متاثر کیا۔ اسی صوفیانہ اثر کے تحت

www.mujaddidway.com

ان میں دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو گئی۔ ناصر علی کو ان کے علاوہ شاہ محمد افضل سے
بھی بہت عقیدت تھی وہ ان کے سامنے کانپتے تھے ۳۹ ایک اور بزرگ نبی شاہ
تھے جن کی روحانیت سے ناصر علی بہت متاثر تھے۔ نبی شاہ بچپن سے ناصر علی کے
رفیق تھے۔ ناصر علی کا کہنا تھا کہ نبی شاہ کی شخصیت میں انھیں رسول اللہ صلعم کی جھلک
نظر آتی ہے:

علی از دیدنش بوی نبی اللہ می آید
ہمہ عطر یمن بر داشتم از نیفہ پوشش ۴۰

ناصر علی کو حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ (وفات ۶۳۳ھ/
۳۶-۱۲۳۵ء) اور نصیر الدین چراغ دہلویؒ (وفات ۷۵۷ھ/۱۳۵۶ء) سے بھی
بہت عقیدت تھی۔ تصوف اور رندی نے ناصر علی کی زندگی میں انسانیت، ہمت،
سخاوت، آزادی فکر اور دنیاوی زندگی سے بیزاری کے اوصاف پیدا کئے۔
مدح گوئی اور تملق ان کی فطرت کے خلاف تھا۔ ذوالفقار خاں کا دیا ہوا انعام
انھوں نے اسی وقت باہر نکل کر لٹا دیا اور خلعت کو شراب کے بدلے دے دیا۔
وہ قناعت پسند تھے خان جہاں بہادر کا انعام لینے سے انھوں نے صاف انکار
کر دیا ان کے ایک دو قصیدے صرف تعلق خاطر کی وجہ سے لکھے گئے نہ کہ کسی
صلے کے لالچ میں۔ وہ فرماتے ہیں:

از تنی ہرگز علی در مدح کس نگریختم
اختیار ما بدست ہمت مردانہ بود

نقشبندی سلسلے سے وابستہ ہونے کے بعد انھوں نے سلوک کے تمام مراحل
طے کئے یہاں تک کہ وہ درویش بن گئے۔ وہ حنفی فقہ کے پیرو تھے۔

اللہ، محمد، دسلی ناصر ماست
در باطن ما نہان و در ظاہر ماست

ما نظیر جعفری بکف داشتہ ایم
فقہ حنفی سکہ پیغمبری ماست ۴۱

ان کو رسول اللہؐ سے بڑی محبت اور عقیدت تھی جس کا اظہار اس مشہور رباعی
سے ہوتا ہے:

پیش از ہمہ شاہان غیور آمدہ ای
ہر چند کہ آخر بظہور آمدہ ای
ای ختم رسل قرب تو معلوم شد
دیر آمدۂ ز راہ دور آمدہ ای ۴۲

انھوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی شان میں بھی رباعیاں کہی
ہیں:

آن بادہ کہ در میکدۂ تحقیق است
از ابن ابی قحافہ آتش ابریق است
آغاز وجود از گہر پاک نبی است
تصدیق نخستین ز دل صدیق است

ہر نخل کہ [illegible] و خیر و ثمر است
ز فیض عدالت است اگر بار ور است
این کاہکشاں کہ دیدہ باشی ہر شب
ہر دوش فلک ذرہ عدل عمر است ۴۳

وہ ظاہری رسوم و عبادات کی نسبت توبہ پر زیادہ توجہ دیتے تھے:

این نماز و این روزہ ہم ز خواہشیست
توبہ حاصل دارد، خاک بر سر طاعت

www.mujaddidway.com

تصوف میں غرق ہو کر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ طاعت فرمانبرداری فقط توفیق
خدا کا کرشمہ ہے [illegible] اس میں بندہ کی مجبوری کا دخل نہیں ہے:

در سجدہ گر خشوع [illegible] ادب نیست
چوں شمع گر نشستی ز سر [illegible] ہست [۴۸]

عبادت کے بارے میں کوثر و جنت کی تمنا رکھنا درست نہیں حقیقت کو پانا اور
خدا تک پہنچنا اصل مقصود ہونا چاہیے اور اس کے لئے دوزخ کی سختیاں بھی
قابل قبول ہونی چاہئیں۔

[illegible] لب شراب [illegible] باید
عرق [illegible] دوزخ کشیدن آرزو دارم [۴۹]

وہ سب عقیدوں اور مذہبوں کا ایک ہی مرکز سمجھتے تھے۔

روشن [illegible] اصل [illegible] است
[illegible] اگر جمع شوند این ہمہ را [۵۰]

ان کے نزدیک کعبہ و دیر میں فرق کرنا کوتاہی نظر ہے [illegible] کعبہ
ہو یا دیر ہر جگہ خدا ایک ہی ہے۔

کعبہ و دیر سنگ یک شرار اند
آخر احوال ایں ہمہ [illegible] است [۵۱]

نیست غیر از یک صنم در پردۂ دیر و حرم
[illegible] [۵۲]

ناصر علی کے نظریہ و عقیدہ میں کعبہ و بت خانہ ہر دو سجدہ گاہ ہیں وہ ذات حقیقی
سے عشق [illegible] کی طرف [illegible] سجدہ قرار دیتے ہیں۔

[illegible]

بہت آمد و [illegible] دل [illegible]
بہ تصویر معشوق است [illegible] [۵۳]

ناصر علی نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ احمد علی سندیلوی نے تذکرہ [illegible] میں
لکھا ہے:

"میاں ناصر علی در نہایت بی تکلفی و درویشی [illegible]
رفتہ [illegible] در کلاہ [illegible] [۵۴]

وہ ایک [illegible] شاعر تھے جیسا کہ [illegible] سے ملاقات کے واقعہ سے ظاہر
ہوتا ہے۔ سرخوش لکھتے ہیں:

"[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
ناصر علی گفت [illegible]
[illegible] [۵۵]

ناصر علی کو اپنی عظمت اور شاعرانہ صلاحیت کا احساس تھا [illegible]
کی خاطر وہ کسی شاعر کے کلام کو خاطر میں نہ لاتے تھے انھوں نے صائب جیسا کو
اپنے اشعار میں اکثر نشانہ بنایا ہے ایک شعر میں کہتے ہیں:

این غزل ناصر علی [illegible] است
صائب [illegible] تا محشر [illegible] [۵۶]

[illegible] صائب است — [illegible]

تصوف میں غرق ہو کر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ طاعت فرمانبرداری فقط قربانی و فداکاری سے ممکن ہے رسمی سجدہ و مجبوری کافی نہیں ہے:

در سجدہ گر عشق خمیدن ز ادب نیست
چون شمع گذشتن ز سر خویش سجود است [۴۹]

عبادت کے بارے میں کوثر و سلسبیل کی تمنا رکھنا درست نہیں حقیقت کو پانا اور خدا تک پہنچنا اصل مقصود ہونا چاہئے اور اس کے لئے دوزخ کی سختیاں بھی قابل قبول ہونی چاہئیں۔

بکوثر تر نسازم لب شراب تندی باید
غرق از آتش دوزخ کشیدن آرزو دارم [۵۰]

وہ سب عقیدوں اور مذہبوں کا ایک ہی مرکز سمجھتے تھے۔

روشش مختلف گر نگری اصل یکی است
خود محیط اند اگر جمع شوند این جوہا [۵۱]

اور ان کے نزدیک کعبہ و دیر میں فرق کرنا کوتاہی نظر پر مبنی ہے نیز کعبہ ہو یا دیر ہر جگہ خدا ایک ہی ہے۔

کعبہ و دیر سنگ یک شرار اند
آخر احوال این چہ کج نظری است [۵۲]

نیست غیر از یک صنم در پردہ دیر و حرم
کی شود آتش دو رنگ از اختلاف سنگہا [۵۳]

ناصر علی کے نظریہ و عقیدہ میں کعبہ و بت خانہ ہر دو سما سکتے ہیں وہ ذات حقیقی سے عشق کو ہی منزل کی طرف صحیح رہنما قرار دیتے ہیں۔

کہ بہ شیخ و برہمن دارد احسانی کہ من دارم   بجان شیخ کعبہ و دیر است احسانی کہ من دارم

بدست آورد دوام دل را ز ایمائی پری
بہ تصویر معشوق است قرآنے کہ من دارم [۵۴]

ناصر علی نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ احمد علی سندیلوی نے مخزن الغرائب میں لکھا ہے۔

"میاں ناصر علی در نہایت بی تکلفی و فروتنی میزیست بارہا بہ بازار رفتہ لنگ در کلاہ و یک لائی خود گرفتہ بخانہ میبرد۔" [۵۵]

وہ ایک صاف گو شاعر تھے۔ جیسا کہ بہت خاں سے ملاقات کے واقعے سے ظاہر ہوتا ہے۔ سرخوش لکھتے ہیں:

"در اوایل شہرت بہت خاں خواہش دیدن او کرد، بہ رفاقت محمد علی ماہر رفت۔ بعد از شعر خوانی بہت خاں بہ تقریبی گفت کہ در مردم ولایت خوب رسم است کہ یاران در خانہ یکدیگر مہمان می شوند، امروز من بہ خانہ یاری رفتہ خوردم۔ فردا او بہ خانہ من آمدہ خواہد خورد، مردم ہندوستانی بہ یک طبع اند، در غایت خست در خانہ ہای خود پنہان شدہ می خورند۔ ناصر علی گفت، مغلان نان را بہ قرض می دہند و ہندوستانیان از شیرہ ناکسند، بہت خاں برہم خورد" [۵۶]

ناصر علی کو اپنی ادبی عظمت اور شاعرانہ صلاحیت کا احساس تھا اس ادبی کی خاطر وہ کسی شاعر کے کلام کو خاطر میں نہ لاتے تھے انھوں نے صائب اور بیدل کو اپنے اشعار میں اکثر نشانہ بنایا ہے ایک شعر میں کہتے ہیں:

این غزل ناصر علی اعجاز ہندوستان است
صائب رعنائی جبہہ بر خاک تا محشر جبیں

ہر بیت من برابر دیوان صائب است   زینکہ اہل طبع سکرہ نوشتہ اند [۵۷]

وارستہ لکھتے ہیں:

"بہر حال در شاعری کوس انا و لا غیری نواختہ و در زمان خود کسی را بہ خاطر نیاوردہ۔ اگرچہ صحبت مرزا صائب در نیافتہ لیکن غائبانہ با مرزا مشاعرہ دارد چنانچہ اکثر گفتہ اند:

علی شعرم با ایران می برد شہرت از آن ترسم
کہ صائب خون جگر گردد از وفور شور و پیدا"

لیکن ان کی وسیع القلبی کا اظہار اس سے ہوتا ہے کہ وہ اپنے بعض اشعار میں صائب کو خراج عقیدت بھی پیش کرتے ہیں:

علی بہ گلشن کشمیر رفتنم عیب است
کہ ہم صفیر من آن عندلیب تبریز است ۵۵

۱ خون گشت علی سینہ ام از مصرع صائب
۴ تم بہ ساقی کوثر کہ از شراب گذشتیم ۵۶

3 علی بہ نشئہ اشعار صائبانہ رسد مے
2 در این چمن غنچہ بہ خار است ہمیشہ

انھیں اپنی شاعرانہ برتری کا شدید احساس ہے اور اس کا اظہار وہ اپنے کلام میں جابجا کرتے ہیں۔ کبھی اپنے اشعار کا جواب لکھنے کے لئے ان کو ایران اور یونان بھیجنے کی بات کرتے ہیں اور کبھی عالم امکان میں اپنا ہم طرح کسی کو نہیں پاتے۔

علی ہم طرح من در عالم امکان نمی باشد
نہال قدرش کس بود بیجا در سیہ اعلیٰ

۵۵ [illegible]
۵۶ [illegible]

علی زمین مردہ طبعان ہیچکس شعرم نمی فہمد
بیونان می فرستم بہر اصحاب افلاطونی

ندارد باغ عالم بلبلی ترک صفاہان کن
بیا در خانہ ناصر علی گلگشت ایران کن

اسی شاعرانہ احساس برتری و فضیلت کا اظہار اور بھی اشعار میں ملتا ہے اور ان میں ایک حد تک صداقت بھی ہے جیسا کہ ان کے معاصرین کی ان کے متعلق اظہار رائے سے ظاہر ہوتا ہے جو آیندہ صفحات میں تحریر کی جائے گی۔ چند اور شعر ملاحظہ ہوں:

علی از رشک استعداد عالم دشمنم گردید
محبت را کشیدم عاقبت از ترک مطلبہا

از زبان شکوہ با شکر می ریزد و عسل
گفتگوی ما دو سر دارد و بر رنگ دو اسعار

علی چون من نباشد شاعری اعجاز پردازی
کہ گوہر می کشد در رشتہ پای عقل مطلب را

شہرت ماست علی شعلہ برجستہ برق
شعر ما بیت کہ در سنگ نشیند وا رو ۵۷

عرفی کی طرح وہ بھی اس بات کے قائل تھے کہ عزت و عظمت باپ دادا کے نام سے نہیں بلکہ خود اپنی خوبیوں سے حاصل ہوتی ہے:

عزت ارباب معنی نیست از نام پدر
بی نیاز از بحر گردد قطرہ چون گوہر شود ۵۸

اپنے معاصرین کے ساتھ ناصر علی کے ادبی معرکے بھی ہوتے تھے ان کے معاصرین

خوشگو لکھتے ہیں:

"ہمہ حال در شاعری کوس انا و لاغیری نواختہ و در زمان خود کسی
را بہ خاطر نیاوردہ۔ اگرچہ صحبت مرزا صائب در نیافتہ لیکن غائبانہ با مرزا
مشاعرہ دارد" چنانچہ اکثر گفتہ اند:

علی شعرم با یران می برد شہرت از ان ترسم
کہ صائب خون بگرید آب در دفتر شود پیدا [54]

لیکن ان کی وسیع القلبی کا اظہار اس سے ہوتا ہے کہ وہ اپنے بعض اشعار میں
صائب کو خراج عقیدت بھی پیش کرتے ہیں:

علی بہ گلشن کشمیر رفتنم عیب است
کہ ہم صفیر من آن عندلیب تبریز است [55]

1 خون گشت علی سینہ ام از مصرع صائب
4 تم بہ ساقی کوثر کہ از شراب گذشتیم [56]
3 علی بہ نشۂ اشعار صائبانہ رسد مے
2 در پیرہن غنچہ چہ خارست ببینید [57]

انھیں اپنی شاعرانہ برتری کا شدید احساس ہے اور اس کا اظہار وہ اپنے
کلام میں جا بجا کرتے ہیں۔ کبھی اپنے اشعار کا جواب لکھنے کے لئے ان کو ایران
اور یونان بھیجنے کی بات کرتے ہیں اور کبھی "عالم امکان" میں اپنا "ہم طرح" کسی
کو نہیں پاتے۔

علی ہم طرح من در عالم امکان نمی باشد
نہال قدس بود بیجا دمید اینجا

بہ این شوخی غزل گفتن علی از کس نمی آید
بہ ایران می فرستم تا کہ گوید جوابش را

علی زین مردہ طبعان ہیچکس شعرم نمی فہمد
بیونان می فرستم بہر احیا ہم افلاطونی

ندارد باغ عالم بلبلی ترک صفاہان کن
بیا در خانۂ ناصر علی گلگشت ایران کن

اسی شاعرانہ احساس برتری و فضیلت کا اظہار اور بھی اشعار میں ملتا ہے اور
ان میں ایک حد تک صداقت بھی ہے جیسا کہ ان کے معاصرین کی ان کے متعلق
اظہار رائے سے ظاہر ہوتا ہے جو آیندہ صفحات میں تحریر کی جائے گی۔ چند اور شعر
ملاحظہ ہوں:

علی از رشک استعداد عالم دشمنم گردید
محبت را کشیدم عاقبت از ترک مطلبہا

از زبان شکوہ ما شکر می ریزد علی
گفتگوی ما دو سر دارد برنگ ذوالفقار

علی بجوں من نباشد شاعری اعجاز پردازی
کہ گوہر می کشد در رشتہ ہای نقش مطلبہا

شہرت ماست علی شعلہ برجستہ برق
رشراریست کہ در سنگ نشیمن دارد [58]

عرفی کی طرح وہ بھی اس بات کے قائل تھے کہ عزت و عظمت باپ دادا کے نام
سے نہیں بلکہ خود اپنی خوبیوں سے حاصل ہوتی ہے:

عزت ارباب معنی نیست از نام پدر
بی نیاز از بحر گردد قطرہ چون گوہر شود [59]

اپنے معاصرین کے ساتھ ناصر علی کے ادبی معرکے بھی ہوتے تھے ان کے معاصرین

www.mujaddidway.com

یہ صاحب دیوان بھی تھے۔ نوعمری ہی سے ان کے نام کی شہرت ہو گئی تھی۔ [illegible]

[illegible] اور [illegible] اور [illegible]

[illegible] بیدل اور ناصر علی [illegible]

سے ملاقات تھی۔

ایک مرتبہ بیدل نے اپنی مثنوی "طور معرفت" کا یہ شعر پڑھا:

[illegible] مستی

[illegible] مستی

ناصر علی نے [illegible] تعریف کی۔ بیدل نے [illegible]

[illegible] ناصر علی نے جواب دیا [illegible] بہتر ہے۔

ایک مرتبہ [illegible] نے اپنا یہ شعر پڑھا:

[illegible]

[illegible]

ناصر علی نے [illegible] اپنا شعر سنایا:

سرخوش [illegible] ناصر علی نے انھیں [illegible] بیدل کی [illegible]

[illegible] کے [illegible] تھا۔

ناصر علی [illegible] سرخوش نے ان سے کہا کہ [illegible]

[illegible] ناصر علی [illegible] ان کے [illegible]

[illegible] ناصر علی نے کہا [illegible] شعر [illegible]

[illegible]

[illegible] شعر:

[illegible]

[illegible]

یہاں ناصر علی نے ایک خوبصورت شعر کہہ کر سرخوش کا منہ بند کر دیا۔ وہ شعر یہ تھا:

[illegible]

[illegible]

سرخوش سے ان کے بہت خوشگوار تعلقات تھے اور سرخوش نے ان کے بارے میں واقعات اور تذکرہ [illegible] میں اظہار کیا ہے۔ [illegible] ناصر علی نے اپنے دیوان میں ایک شعر بھی سرخوش کے بارے میں [illegible] شاید [illegible]

[illegible] رہی ہو۔

اردو کے مشہور شاعر ولی دکنی بھی ناصر علی کے ہم عصر تھے۔ [illegible]

جس کا مطلع ہے:

[illegible]

[illegible]

ناصر علی [illegible] کرتے ہوئے کہتے ہیں:

[illegible]

[illegible] ناصر علی [illegible]

ناصر علی نے جواب دیا:

[illegible]

[illegible]

محمد حسین آزاد "آب حیات" میں لکھتے ہیں [illegible] شعر [illegible] کے دیوان میں موجود ہے۔ شاید انھوں نے یہ شعر ناصر علی کی تعریف میں کہا [illegible] ناصر علی کے نام سے مشہور ہو گیا۔

ناصر علی اپنے عہد کے عظیم شعراء میں تھے۔ موسوی خان فطرت نے ان کو تین بڑے شاعروں میں شمار کیا ہے دوسرے دو شاعر سرخوش اور غنی کشمیری ہیں۔

سرخوش نے نظم و نثر میں بارہا ان کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کیا ہے:

در ملک سخن بود جہانگیر علی
در شرب ولا ولی علی پیر علی
باشد علی تی رسد شعر کسی
زان ان کہ خط کس نخواند جز علی

وہ ان کے توکل، ہمت اور بذل و عطا کی بھی داد دیتے ہیں:

ختمت ہمت علی بذل و عطا
از چہرہ او عیان نور سخا
گر صورت آدمی گرفتی ہمت
میگشت بصورت علی جلوہ نما

سرخوش اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان کو ہندوستان میں اس دور کا سب سے بڑا شاعر مانتے ہیں:

"ایجادی ہندوستان میاں ناصر علی، از اہل ہند سخنور بلند خیال معنی یاب خوش ہمت و بکمال بجو او بر نخاستہ...... در ایران صائب است و در ہند ناصر علی سوائے شعر حسن خلق و دلگیری و خدا شناسی و ہمت و سخاوت داشت و سبب بے پروائی مرتبہ دارد کہ در ہیچ مخلوق دیدہ نمی شود:

بقدر استعداد خود در ہندوستان دستگاہ بے نیافت، در زمان بی فیض

واقع شدہ والا این چنین نازک خیال می باید کہ ملک الشعرائے عصر باشد۔"

میر غلام علی آزاد بلگرامی اپنے تذکرہ میں فرماتے ہیں:

"امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سر آمد اہل بیت رسالت است و میر ناصر علی رحمۃ اللہ علیہ سر حلقہ اہل بیت فصاحت، کوثر سخن در اختیار اوست۔"

شاہنواز خان بھی ان کو ملک الشعراء سے کم درجہ نہیں دیتے۔ "بہارستان" میں وہ اس طرح ان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

"اگر چنین خوش فکر معنی یاب در عہد سلاطین سابقہ جلوہ ظہور نمود قامت قابلیت وی را بخلعت ملک الشعرائی تیغ می ساختند۔"

احمد علی سندیلوی مخزن الغرائب میں لکھتے ہیں:

"ایران نازک خیالی را بجائے رسانیدہ کہ طائر خیال در ساحت آن طیران نتواند نمود...... سخنش بایران و توران رسیدہ۔"

ناصر علی کے ایک دوست میاں صادق القا نے خوشگو سے کہا:

"شاعر ناصر علی بود، خود گذشت۔ بیدل قدری وقوف سخن داشت او ہم مرد۔"

شیر خان لودھی مراۃ الخیال میں لکھتے ہیں:

"ذکر بعضی نازک خیالان و خیال بندان کہ امروز در ہندوستان کوس بلند آوازگی میزنند و زادہ طبع آنہا استعداد ایران و توران دست بدست میبرند شمع روشندلی شیخ ناصر علی طائر بلند پرواز نگارش با نسر طائر ہم آشیانست و ہما قدرت گراں طبعش از ریزہ چینی برکاتش کہ بطراوت دریای سخن طراز بیش رطب اللسان گردد..... کیف قلم را اگر در اظہار رنگینی کلامش بولانی در قرطاس تا بند آئینہ صنو کا مرچہ چیز

www.mujaddidway.com

ز رنگ مانی خورشه

کشتۂ از رتبہ تفکر او

آسمان پایۂ آستان سخن

کشتہ از خامہ شکستہ نویس

مومیائی در استخوان سخن"

نجت کہا کی نے مندرجہ ذیل اشعار میں ان کی شاعرانہ بزرگی کو تسلیم کیا ہے

نیست ہم طرح علی بودن غنیمت قدر تم

مصرعی رنگین نشد تا خون نشد اعضای ما

پرسش حال علی کردم غنیمت دوش گفت

کشتۂ وضع خودم از طبع آزادم مپرس

نجت دل بر احوال علی سوز کرشی گوید

درون بیضہ چون پروانہ فانوس می تابم"

ناصر علی پر تنقید ناصر علی کے کلام کی مقبولیت اور محبوبیت کے ساتھ معاصرین اور متاخرین نے ان کے کلام پر تنقید بھی کی ہے۔ ریاض الشعرا کے مصنف نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے:

"دیوانش در ہند شہرت دارد، اما اشتر گربہ در کلامش بسیار است"

محمد علی حزیں ان کے متعلق لکھتے ہیں:

"ہر نظم ناصر علی و شعر بیدل ہیچ نفہم نمی آید، اگر بایران می فرستم برای خندہ یاران رہ آورد خوبے ازیں بہتر نبود"

ان کی زندگی میں بھی ان کے کلام پر تنقید ہوتی تھی لیکن ان کے اور ان کے طرفداروں کے مناسب جواب ناقدین کو خاموش کر دیتے تھے۔ محمد افضل

کے مصنف لکھتے ہیں:

"بعضی مردم از کلامش بسبب دقت کہ پی بمعنی نمی برند انگشت نمائی می نمایند و خوشش نیستند و کلمہ سست بر زبان می آرند، نمی دانند کہ معنی در صورت الفاظ چون آب حیات در ظلمات پنہان است، آسان بدست نمی آید"

کہا جاتا ہے کہ جب ناصر علی نے درج ذیل غزل کہی تو دوسروں کو اس کا جواب دینے کے لئے چیلنج کیا اور کہا کہ پھر کوئی دعوائے خدائی شعر کرے تو میں اس کا معتقد ہو جاؤں گا۔ کسی کی ہمت نہ ہوئی۔ لیکن احمد عبرت نے جو بیدل کے شاگرد تھے، بیدل کی تحریک پر اس کے جواب میں غزل کہی۔ ناصر علی اس کو سنکر خاموش ہو گئے:

ناصر علی کی غزل کے شعر یہ تھے:

تو چون در جلوہ آئی مغز جان سیماب میگردد

تجلی میکند برقی کہ آتش آب میگردد

من از شوخی طرز سخن آرا میبا دارم

کہ گر بر گوشش ساید مخمور دیاب میگردد"

تذکرہ بینش کے مصنف ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مجلس مشاعرہ در ... مخصوص تشکیل می شد، در آن انتقاد بیجا قابل تحمل نبود، مولوی محمد واصف تذکرہ ای بنام معدن الجواہر نوشت و در آن اشعار ناصر علی را مورد مسخرہ قرار داد، نواب اعظم محمد غوث خان، نواب کرناٹک این عمل واصف را نپسندیدند و او را از مجلس مشاعرہ اخراج نمود ولی فقط باین کار اکتفا نمود و در تذکرہ خود بنام گلزار اعظم با اعتراضات واصف جواب ہائے مدلل داد۔ رئیس مجلس مشاعرہ، شیرین سخن راقم ہم بجواب اعتراضات واصف رسالہ ای تحت عنوان

www.mujaddidway.com

ذوالفقار علی ، نگاشت ، چون تذکرہ واصف ، اختصار نیافت ، رسالہ ذوالفقار علی نیز درخفا ماند۔[٨٩]

ناصر علی اتنے مقبول شاعر تھے کہ دوسرے شعرا ان کے طرز کی پیروی کرنے کی کوشش کرتے تھے اور ان کے انداز پر غزل ، رباعیاں کہتے تھے۔ احمد عبرت نے ناصر علی کے تتبع اور بیدل کے اکسانے پر غزل کہی۔ ایک اور شاعر باقی نے غزل لکھی جس کے دو شعر اس طرح ہیں

بدستش شعلۂ پیچید در آئینۂ آتش را
کہ آتش زود ندانم چہرۂ حیرت نقابش را

خیالات علی از بسکہ باقی بادہ پیماید
زبان سرمست در کام است گفتم جوابش را[٩٠]

جب ناصر علی کے ایک ہمعصر حفیظ اللہ خاں حنفی نے ، ناصر علی کی یہ نعتیہ رباعی سنی :

پیش از ہمہ شاہان غیور آمدۂ
ہر چند کہ آخر بظہور آمدۂ

تو ان کو بہت رشک ہوا اور فرمایا :

"ای کاش این رباعی نصیب من می شد کہ وسیلۂ نجات من می گردید آخر خود فکر کردہ این رباعی گفت و پائے کم نیاورد :

در انجمن دہر نخست آمدۂ
زانگونہ کہ شائستہ تست آمدۂ
ای ختم رسل اگرچہ در لازم وجود
دیر آمدۂ ولی درست آمدۂ"[٩١]

تذکرہ نفیش کا مصنف نواب غوث خاں اعظم کے ذکر میں لکھتا ہے :

"اکنون پایہ سخنش بہ تتبع شیخ ناصر علی سرہندی بجائے رسیدہ کہ حقائق معانی و رموز داستان لطائف سخندانی را بی بحرق تحقیق و تقلید می توانند کشود۔"[٩٢]

آگے چل کر محمد حبیب اللہ ذکا کے ضمن میں وہ لکھتا ہے :

"در نثر تتبع مرزا عبدالقادر بیدل و در نظم مقلد میاں شاہ ناصر علی است در تقلید کلام این دو پہلوان سخن کہ کار ہر بے شعوری نیست ، قدرتی بہم رسانیدہ در اقسام سخن داد سخنوری میدہد۔"[٩٣]

ناصر علی اپنی شاعرانہ عظمت اور برتری کے احساس کے باوجود متقدمین شعرا کا احترام کرتے تھے اور ان کے مداح تھے۔ حافظ ان کے محبوب شاعر تھے۔ ناصر علی بھی ان کی زمین میں اپنے جوہر دکھانے کی کوشش کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے اشعار میں جا بجا ان اساتذہ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے اور ان کا ذکر بڑے احترام سے کیا ہے۔

علی امشب مئی شیراز در جام و سبو دارد
الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولہا

علی در بحر حافظ دست و پائی زند امشب
کجا دانند حال ما سبکباران ساحلہا[٩٤]

مولانا رومی ان کے صوفیانہ نظریات کے لئے ایک نمونہ تھے اور ان ہی کی مثنوی کے طرز پر ناصر علی نے اپنی مثنوی لکھی۔

بطرز مولوی آہنگ بردار
حدیث دیگران کن پردہ تار[٩٥]

عاقبت ناصر علی گشتم مرید پیر روم
گفت خوش بنشین بیا و رنگ بر رویم گم[٩٦]

www.mujaddidway.com

ناصر علی کے شاگرد ناصر علی نے بہت سے شاگرد چھوڑے لیکن ان میں سے بہت کم شہرت کی بلندی پر پہونچے۔ ان کے شاگردوں میں سے چند کا مختصر تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔

محمد عاشق ہمت خوشگو لکھتے ہیں کہ وہ نو مسلم تھے۔ وہ ناصر علی کی خدمت میں مدت دراز تک رہے اور ناصر علی کی صحبت میں شعر گوئی سیکھی۔ رفتہ رفتہ فطری استعداد کی بنا پر استاد کی زبان میں شعر کہنے لگے۔ صاحب طبع، خوش خیال تھے۔ ان کا ایک دیوان اور مثنوی یادگار ہے۔ ان کا یہ مطلع بہت مقبول ہوا۔

کی چہ احسن از خیال عاشق دل تنگ بود

آتشی بود آن پری تا شیشۂ با سنگ بود[۹۵]

آخر عمر میں وہ اپنے وطن گورکھپور چلے گئے اور شاہ عالم بہادر کے عہد میں وفات پائی۔

شیخ عبدالواحد وحشت شیخ عبدالواحد وحشت امام غزالیؒ کی اولاد میں سے تھے اور یہ تھانیسر کے رہنے والے تھے۔ وہ شاہ گلشن کے ساتھ اورنگ آباد میں رہتے تھے اور گیارہویں صدی ہجری کے اواخر میں وفات پائی وہ ناصر علی کے شاگرد تھے۔ ایک دیوان اور مثنوی یادگار ہے۔

الہی شور آشوب قیامت کن فغانم را

زبان رستخیز روز محشر دہ بیانم را[۹۶]

محمد احسن ایجاد فرخ سیر کے دربار کے صاحب دیوان شاعر تھے ان کا ذکر تفصیل کے ساتھ بعد میں آئے گا۔

ارشد علی رسائی ہندوستانی نژاد شاعر تھے اور سید شاہ بھیکا سے ان کو عقیدت

تھی۔ ان کو فارسی کتب کی بہت اچھی معلومات تھیں۔ خان آرزو کے بہت مخلص تھے ان کو انھوں نے بتایا کہ وہ ناصر علی کے شاگرد ہیں۔ ان کا انتقال ۱۱۴۴ھ ۳۲-۱۷۳۱ء میں دہلی میں ہوا۔ ایک شعر ملاحظہ ہو:

با مخالف مشربان یکجا نشستن خوب نیست

این غلط مجموعہ را شیرازہ بستن خوب نیست[۹۷]

سر آمد ہندی یہ بھی ناصر علی کے شاگرد تھے اور استاد کے طرز کی پیروی کی کوشش کرتے تھے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:

جلوہ صبح سعادت لب بیہ بختی ماست

خلوت آئینہ در خانۂ ما زنگ است اینجا

بسر آمد مددی جز تو کہ خواہد کردن

گر نباشد تو علی قافیہ تنگ است اینجا

ناصر علی کی تصانیف مطبوعہ اور غیر مطبوعہ شکل میں ناصر علی کی درج ذیل تصانیف کا پتا چلا ہے:

۱۔ دیوان ۲۔ مثنوی دفتر اول ۳۔ متعدد مختصر مثنویاں (۲ دفتر) ۴۔ کچھ نثری تحریریں ۵۔ متفرق اشعار کا ایک مجموعہ "عین الحیٰوۃ"[۹۸]

دیوان دیوان اور مثنوی کے اشعار کی تعداد بارہ ہزار بتائی جاتی ہے۔ ناصر علی کے دیوان کو سرخوش نے ترتیب دیا تھا:[۹۹]

"دیوان مولوی ناصر علی را فقیر تدوین نمودہ"[۱۰۰]

خوشگو کے مطابق ناصر علی نے پانچ چھ ہزار اشعار سے زیادہ شعر نہیں کہے "وی ہر چند بہ ہمہ جہت زیادہ از پنج شش ہزار بیت نگفتہ لیکن صاحب پانصد بیت بلند است کہ دیگران ازاں قسم صد و دو صد دارند و ناز میکنند"[۱۰۱]

www.mujaddidway.com

تھی۔ ان کو فارسی کتب کی بہت اچھی معلومات تھیں۔ خان آرزو کے بہت معتقد تھے ان کو انھوں نے بتایا کہ وہ ناصر علی کے شاگرد ہیں۔ ان کا انتقال ۱۱۵۰ھ / ۳۸-۱۷۳۷ء میں دہلی میں ہوا۔ ایک شعر ملاحظہ ہو:

باتکلف شعر را کیفیتِ نشئی خوب نیست

ہیچ لفظ مجبور را شیرازہ بستن خوب نیست

سرآمد ہندی یہ بھی ناصر علی کے شاگرد تھے اور استاد کے طرز کی پیروی کیا کرتے تھے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:

جلوہ صبح سعادت لب بے مطلب است

خلوت آئینہ دل جائے زنگ است اینجا

سرآمد ہندی جز ذکر خدا چہ کرداں

گر نیاشد ذکر علی جائے تنگ است اینجا

ناصر علی کی تصانیف مطبوعہ اور غیر مطبوعہ شکل میں ناصر علی کی درج ذیل تصانیف کا پتا چلتا ہے:

۱۔ دیوان ۲۔ مثنوی دفتر اول ۳۔ متعدد مختصر مثنویاں (۴ دفتر) ۴۔ کچھ نثری تحریریں ۵۔ متفرق اشعار کا ایک مجموعہ "بیاض"

دیوان دیوان اور مثنوی کے اشعار کی تعداد بارہ ہزار بتائی جاتی ہے۔ ناصر علی کے دیوان کو سرخوش نے ترتیب دیا تھا۔

"دیوان مولوی ناصر علی را فقیر مدون نمودہ"

خوشگو کے مطابق ناصر علی نے پانچ چھ ہزار اشعار سے زیادہ شعر نہیں کہے

"دی ہر چند بہ ہمہ جہت زیادہ از پنج شش ہزار بیت نگفتہ لیکن صاحب بانصد بیت بلند است کہ دیگران از این قسم صد دو صد زیادہ گفتہ"

ناصر علی کے شاگرد ناصر علی نے بہت سے شاگرد چھوڑے لیکن ان میں سے بہت کم شہرت کی بلندی پر پہنچے۔ ان کے شاگردوں میں سے چند کا مختصر تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔

محمد عاشق ہمت خوشگو لکھتے ہیں کہ وہ اصلاً ... تھے۔ وہ ناصر علی کی خدمت میں مدت دراز تک رہے اور ناصر علی کی صحبت میں شعر گوئی سیکھی۔ ... نظری مشہور کی پیروی استاد کی زبان میں شعر کہتے۔ صاحب طبع خوش خیال تھے۔ ان کا ایک دیوان اور مثنوی یادگار ہے۔ ان کا یہ بہت مشہور ہوا۔

کو بیا محسن از خیال عاشق دل تنگ بود

آتشی بود آن پری کہ شیشہ با سنگ بود

آخر میں وہ اپنے وطن کو چلے گئے اور شاہ عالم بہادر کے عہد میں وفات پائی۔

شیخ عبدالاحد وحشت شیخ عبدالاحد وحشت امام فاروقی کی اولاد میں سے تھے اور ... کے رہنے والے تھے۔ وہ شاہ گلشن کے ساتھ ... رہتے تھے اور بارہویں صدی ہجری کے اواخر میں وفات پائی۔ وہ ناصر علی کے شاگرد تھے۔ ایک دیوان اور مثنوی یادگار ہے۔

اپنی شور آشوب قیامت کی خفا نام را

زبان دستگیر روز حشر وہ بیانام را

محمد احسن ایجاد فرخ سیر کے دربار کے صاحب دیوان شاعر تھے۔ ان کا ذکر تفصیل کے ساتھ بعد میں آئے گا۔

اشرف علی فغانی ہندوستانی نژاد شاعر تھے اور سید شاہ بھیکا سے ان کو عقیدت

www.mujaddidway.com

دیوان غزلیات اور ۲۴۴ رباعیوں پر مشتمل ہے۔ غزلیات ابجد کے حساب سے ہیں۔ دیوان مندرجہ ذیل شعر سے شروع ہوتا ہے:

الٰہی شوخی برق تجلی دہ زبانم را
تو ول خاطر موسیٰ کلاماں کن بیانم را

اس کے بعد غزلیات شروع ہوتی ہیں:

محبت جادۂ دارد نہاں در خلوت دلہا
چو تار سبحہ گم گردید این رہ زیر منزلہا

مطبوعہ دیوان صرف غزلیات اور رباعیات پر مشتمل ہے جبکہ ریو اور ایتھے نے حضرت محمد صلعم، بو علی قلندر اور سیف خاں کی مدح میں قصیدوں کے ساتھ دیوان کا ذکر کیا ہے۔ مطبوعہ دیوان اس رباعی کے ساتھ ختم ہوتا ہے:

ای یاد تو روح جان حیات نفسم
در دل خود پیش تو گویم چہ کسم

لہٰذا مطبوعہ دیوان بغیر قصیدوں کے مکمل نہیں ہے۔ ناصر علی کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ در محرم ۱۱۱۴ھ کا یعنی شاعر کے انتقال سے چھ سال بعد کا لکھا ہوا نیشنل میوزیم دہلی میں محفوظ ہے اور غالباً سب سے قدیم نسخہ ہے۔ یہ خط نستعلیق میں لکھا ہوا ہے اور اچھی حالت میں ہے اور مندرجہ ذیل غزل کے شعر پر ختم ہوتا ہے:

زتاب شوخی رنگ چمن برای دل گشتم
بہاری می کند گل ہر نفس از موج داغ من

اس کے بعد حضرت علیؑ کی مدح میں ایک پرزور قصیدہ ہے جس میں لفظ 'علی' کی تکرار سے ایک عجیب سماں طاری ہو جاتا ہے:

بنام ایزد بیچون و صانع اشیا
کہ مہر و ماہ و فلک آفرید ارض و سما
کہ بعد شاہ رسل کس نبود مثل علی
بعلم و حلم و شجاعت بصدق جود و سخا
علی سمیع و علی والی و علی والا
علی بصیر و علی عالم و علی اعلا
علی مدینۂ علم و علی سفینۂ خود
علی وصی رسول و علی ولی خدا
علی مدام و علی اول و علی آخر
علی مقیم و علی دائم و علی فردا

۲۔ مثنوی ناصر علی:

مثنوی نگار کی حیثیت سے ناصر علی کا مرتبہ کافی بلند ہے ان کی مثنویاں ہندوستان کی بہترین فارسی مثنویوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ناصر علی نے متعدد مثنویاں لکھیں۔ ریو لکھتا ہے کہ ان کی 'مذہبی مثنوی' "لطف کش سرافرازی" دو دفتر میں منقسم ہے۔ یہ دفتر ۲۳۵ پر ختم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد مختصر مثنویاں ہیں۔ ریو نے ایک اور مثنوی کا بھی ذکر کیا ہے جو کشمیر پر ہے یہ اس شعر سے شروع ہوتی ہے:

خدایا رو زبیم کن سوز دردی
کہ دریابم خزان و رنگ زردی

اس کے حاشیوں پر شہزادہ منوہر اور شہزادی مدھومالتی بیگ کی داستان محبت پر ایک مثنوی کا پہلا حصہ ہے۔ یہ داستان ایک ہندی نظم سے لی گئی ہے جو

شیخ جن کی لکھی ہوئی تھی اور ۱۱۰۵ھ / ۹۴-۱۶۹۳ء میں لکھی گئی۔[۲۲]

ایتھے نے بھی مذہبی مثنوی کے علاوہ ناصر علی کی متعدد مثنویوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے پہلی اس شعر سے شروع ہوتی ہے:

بنام خداوند ناز آفریں
بگریائی عاشق گداز آفریں[۲۳]

دوسری مثنویاں ساقی نامے ہیں اور کچھ صوفی بزرگوں کی مدح میں ہیں خلاصۃ الکلام میں ان کی ایک اور مثنوی "دلکش" کا انتخاب شامل ہے جو ظلالی کی محمود و ایاز کے طرز پر لکھی گئی ہے۔[۲۴]

۱۔ مذہبی مثنوی:

یہ بہت مشہور مثنوی ہے اور نہ صرف ہند بلکہ عراق تک اس کی شہرت تھی خزانہ عامرہ کا مصنف لکھتا ہے:

"اہل بغداد زبان عربی و فارسی ہر دو میدانند صوفیان آنجا در مجالس ذوق و سماع از زبان عربی بیشتر اشعار ابن الفارض مصری و از زبان فارسی اکثر مثنوی ناصر علی بخوانند۔[۲۵]

ایک مخطوطہ میں اس کا عنوان "مثنوی لطف کش ساغر ازلی" بھی ہے جو پورا نا عنوان معلوم ہوتا ہے۔ اس کی صحیح تاریخ تصنیف کا بھی علم نہیں۔ ریو کا بیان ہے کہ ناصر علی نے یہ مثنوی ۵۰ سال کی عمر میں لکھی (یعنی ۱۱۰۰ھ / ۸۹-۱۶۸۸ء)۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ یہ مثنوی ۱۱۰۴ھ / ۹۳-۱۶۹۲ء سے قبل لکھی گئی کیونکہ اسی سال ناصر علی نے یہ مثنوی میر عبد الجلیل بلگرامی کو دکھائی تھی اور انھوں نے اس کے دو شعروں میں تبدیلی تجویز کی تھی۔[۲۶] نیز انڈیا آفس کا ایک مخطوطہ جو ۱۱۰۳ھ / ۹۲-۱۶۹۱ء میں لکھا گیا تھا اس میں یہ مثنوی شامل ہے۔ اس

سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ مثنوی ۱۱۰۳ھ سے پہلے لکھی گئی۔[۲۷] درج ذیل شعر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثنوی بڑھاپے کی تخلیق ہے:

بہ پیری می کند عشقم ہمان سوز
چو جسم پنبۂ بر روی ناسور
اگر زنگ بست آئینہ من
صفا در پردہ دارد سینۂ من[۲۸]

مثنوی کے دو دفتر ہیں اور صوفیانہ مضامین پر مشتمل ہیں۔ مثنوی مولانا روم کے طرز اور نمونہ پر مختلف عنوانات کے تحت لکھی گئی ہے۔ وہ خود کہتے ہیں:

بطرز مولوی آہنگ پرداز
حدیث دیگران کن پردہ ساز[۲۹]

پہلے دفتر میں عام طور پر توحید، نعت پیمبر اور انکساری بشر سے متعلق مضامین ہیں۔ یہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

الٰہی ذرہ دردی بجان ریز
شرر در پنبہ زار استخوان ریز[۳۰]

پوری مثنوی پر تغزل اور ترنم کے ساتھ ساتھ ایک ایسا مستقل آہنگ ہے جو اس کی روانی اور تسلسل کو کہیں بھی کم نہیں ہونے دیتا اور پڑھنے والا اس کے سحر انگیز طرز بیان سے مسحور ہو جاتا ہے اور محسوس کرتا ہے کہ گویا یہ خود اس کے دل کی آواز ہے۔ خصوصاً جب شاعرانا کا ساز چھیڑتا ہے تو یہ آہنگ اور بھی بلند اور جاندار ہو جاتا ہے:

سخن را آفریدم، جان دمیدم
بہ اقرار خدائی برگزیدم

www.mujaddidway.com

الستی سرزد از من او بلی گفت

منش یا عبد، او یا ربنا گفت

بہ جائی پایۂ معنی رسانندم

کہ من ہم از خیالش باز ماندم

جراحت زار عشق است ایں رقم نیست

صدای تیغ می آید قلم نیست[41]

ناصر علی کہتے ہیں کہ خدا دل کے اندر خلوت گزیں ہے لیکن ایک پردہ مانع ہے اگر یہ پردہ اٹھ جائے تو پوشیدہ حقیقت سامنے آجائے گی۔

زتا لوزن دلم می آید آواز

درون پردہ است آشنایۂ ناز

اگر این پردہ گردد از میان دور

شود چوں معنی بے لفظ مستور[42]

مولوی اور برہمن سب ایک ہی نشے سے مست ہیں کیونکہ دونوں کے دل میں ایک ہی لگی ہے:

بسمہ آن یکی بنشستہ خاموش

بدیر آں دیگری افتادہ بیہوش

غرض کیں ہر دو از یک بادہ مستند

تجلی ساقی می را پرستند

تسلی کردہ ہر یک را برنگی

زآتش نیست خالی ہیچ سنگی[43]

تمام مثنوی اسی قسم کے صوفیانہ افکار و خیالات سے بھری ہوئی ہے جو اس

صوفیانہ روش کی نشان دہی کرتے ہیں جس کی طرف ناصر علی جذب رہے تھے۔

گرفتار طلسم سومناتم

نیاتم دہ نجاتم دہ نجاتم[44]

وہ شعر اورنگزیب کی تعریف میں ہیں جن پر میر عبد الجلیل بلگرامی نے اعتراض کیا تھا اور میر غلام علی آزاد بیان کرتے ہیں کہ ناصر علی نے اپنی مثنوی میں سے ان کو خارج کر دیا تھا، وہ بہت سے قلمی نسخوں میں نہیں ہیں اور نہ ہی مطبوعہ مثنوی میں شامل ہیں۔ وہ شعر یہ ہیں:

جہانش در عطا تسخیر کردند

خطابش شاہ عالمگیر کردند

شہنشاہ جہان ہوش و فرہنگ

محی الدین محمد زیب اورنگ[45]

عشق الٰہی کے ساتھ وہ عشق نبیؐ سے بھی سرشار تھے:

چراغ ہفت فانوس زبرجد

فروغ شش جہت یعنی محمدؐ[46]

بہ مہر شوق از دو عالم پیش رفتم

محمدؐ گفتم و از خویش رفتم[47]

آخر میں مثنوی درج ذیل عنوانات کے ساتھ کچھ داستانوں میں تقسیم ہوگئی ہے جن کے ذریعہ شاعر اسی موضوع پر اظہار خیال کرتا ہے:

۱۔ حکایت تمثیلی:

شنیدم بو الفضولی بد سرانجام

بہ مرزم رفت و لختی کرد آرام

الستی سر زد از من او بلی گفت

منش یا عبد، او یا ربنا گفت

بجائی پایۂ معنی رساندم

کہ من ہم از خیالش باز ماندم

جراحت زار عشق است این دم تیغ

صدای تیغ می آید قلم نیست[31]

ناصر علی کہتے ہیں کہ خدا دل کے اندر خلوت گزیں ہے لیکن ایک پردہ مانع ہے اگر یہ پردہ اٹھ جائے تو پوشیدہ حقیقت سامنے آجائے گی۔

زتار زن دلم می آید آواز

درون پردہ است آہنگ ناز

اگر این پردہ گردد از میان دور

شود چوں معنی بے لفظ مستور[32]

مولوی اور برہمن سب ایک ہی نشے سے مست ہیں مگر آگ دونوں کے دل میں ایک ہی لگی ہے:

بسجہ آن یکی جنبش خاموش

بدیر آں دیگری افتادہ بیہوش

غرض کیں ہر دو از یک بادہ مستند

تجلی ساقی می را پرستند

تسلی کردہ ہر یک را بر نگی

ز آتش نیست خالی ہیچ سنگی[33]

تمام مثنوی اسی قسم کے صوفیانہ افکار و خیالات سے بھری ہوئی ہے جو اس

صوفیانہ روش کی نشان دہی کرتے ہیں جس کی طرف ناصر علی بڑھ رہے تھے۔

گرفتار طلسم سومناتم

بجاتم وہ بجاتم وہ بجاتم[34]

وہ شعر اورنگزیب کی تعریف میں ہیں جن پر میر عبدالجلیل بلگرامی نے اعتراض کیا تھا اور میر غلام علی آزاد بیان کرتے ہیں کہ ناصر علی نے اپنی مثنوی میں سے ان کو خارج کر دیا تھا، وہ بہت سے قلمی نسخوں میں نہیں ہیں اور نہ ہی مطبوعہ مثنوی میں شامل ہیں۔ وہ شعر یہ ہیں:

جہانش در عطا تسخیر کردند

خطابش شاہ عالمگیر کردند

شہنشاہ جہان ہوش و فرہنگ

محی الدین محمد زیب اورنگ[35]

عشق الٰہی کے ساتھ وہ عشق نبیؐ سے بھی سرشار تھے:

چراغ ہفت فانوس زبرجد

فروغ شش جہت یعنی محمدؐ[36]

بہ مہر شش در و عالم پیش رفتم

محمدؐ گفتم و از خویش رفتم[37]

آخر میں مثنوی درج ذیل عنوانات کے ساتھ کچھ داستانوں میں تقسیم ہوگئی ہے جن کے ذریعہ شاعر اسی موضوع پر اظہار خیال کرتا ہے:

۱۔ حکایت تمثیلی:

شنیدم بوالفضولی بد سرانجام

بزمزم رفت و لختی کرد آرام

www.mujaddidway.com

۲. حکایت دیگر :

بگو ختم غرور و صورت و نشینی
زرنگ کلک معنی آفرینی [١٣٨]

۳. در فضیلت عشق حقیقی :

۴. در بیان ساقی   ۵. تفسیر حدیث نبوی

ناصر علی کی یہ مثنوی بہت زیادہ مقبول ہوئی اور اس کو باقاعدہ درسی کتابوں میں شامل کیا گیا۔ اس کی شہرت ہندوستان سے باہر بغداد تک پہنچی جہاں اسے ہندوستانی فارسی شاعری کا بہترین نمونہ تصور کیا جاتا تھا۔[١٣٩] ناصر علی کی اس طرز کو دوسرے شاعروں نے بھی اپنایا جن میں خواجہ محمد فاضل کی مرآت الجمال خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

سرخوش نے ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے کہ ناصر علی کے ایک دیرینہ دوست نے جن کا نام انھوں نے ظاہر نہیں کیا۔ مثنوی کے مطلع میں ترمیم کر کے اس طرح کر دیا:

الٰہی قطرۂ دردی بہ تن ریز
شرر در پنبہ زار موی من ریز

سرخوش اس پر بہت ناراض ہوئے اور اپنے غصہ کا اظہار اشعار میں کیا۔ چند شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

علی آن پیشوای خوش خیالان
چو شد در مثنوی گلشن زرافشان
رساندش پایہ در معنی معراج
بود این مطلع آخر درۃ التاج

درین مطلع نمود از احمقیہا
یکی از زیران جاہل دغل بیجا
من این حرف از زبانش چون شنفتم
چو گل خندیدہ بر رویش بگفتم
چرا ان حاجت از حق خواہی ای یار
تو ام کردہ من ہم این قدر کار
کہ مشت خس بہ آتش برفروزم
ہمہ موی سر و ریشت بسوزم [١٤٠]

سرخوش کے یہ احساسات جہاں ناصر علی کی مثنوی کی مقبولیت کے شاہد ہیں وہاں ناصر علی کے بارے میں سرخوش کی محبت اور عقیدت کا بھی پتا دیتے ہیں۔

ناصر علی اپنے روحانی پیشوا خواجہ معصوم کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

چراغ ہفت محفل خواجہ معصوم
منور از فروغش ہند تا روم
بہ بزمش از صفائی دل نگنجد
فروغ شمع در محفل نگنجد
علی بی ادب زین حرف بس کن
دعا را با اجابت ہم نفس کن
بنازد تا چراغ آسمان رنگ
نیاید تا بہ مینائی فلک سنگ
جہان در سایہ احسان او باد   فلک قایم بفرزندان او باد

پہلے دفتر کے علاوہ مثنوی کے تین دفتر اور ہیں۔ پہلا دفتر بحر ہزج میں ہے اور دوسرا بحر رمل یعنی مثنوی معنوی کی بحر میں ہے۔ دوسرا دفتر اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

ای نظر بازان کرہ از مرو مک و الکروقی است

مجمع البحرین عشق است این تماشا کردنیست

این دوم دفتر کہ موزون میشود

مثنوی یک بیت موزون میشود[133]

اس کے بعد ایک طویل مناجات اور نعت ہے:

ای خدا ما نازنینان تو ایم

ما ز خود تنہا نشینان تو ایم

ما ہوی باغ رحمت زندہ ایم

گرچہ سی از عمل شرمندہ ایم

ای خدا ای تخت و تاج ملکی

جز بذات خویش محتاجم مکن

حسرت آستانم ای رب غفور

از تو خواہم روزئی ماہی و مور[134]

مندرجہ ذیل اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ ناصر علی نے متعدد مثنویاں لکھیں اور ان کو مختلف عنوانات دیے۔

نام ہر یکی را جدا کردم کتاب | شرح دادم نقطہ پائی آفتاب
میکند از آسمان اسما نزول | بر وجود اسم می آید قبول[135]

مختلف صوفی بزرگوں اور اولیا سے اپنی عقیدت کے اظہار کے ضمن میں

حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کے بارے میں فرماتے ہیں:

پیر جیلان خود قلندر بودہ است

ساقی صہبائی کوثر بودہ است[136]

خواجہ معین الدین چشتیؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

ای معین الدین بہار معنوی

وای نصیر الحق چراغ معنوی

ای معین الدین امام انس و جاں

ای تو خورشید زمین و آسماں[137]

اسی طرح خواجہ فرید الدین شکر گنجؒ اور خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ مولانا جلال الدین رومی کے بارے میں لکھتے ہیں:

ای جلال الدین جمال معنوی

ای ترا بیت الشرف در مثنوی[138]

حضرت بو علی قلندرؒ پانی پتی سے بھی ان کو گہری عقیدت تھی ان کی شان میں چند اشعار اس مثنوی میں ملتے ہیں:

روشن شد از جلال قلندر جمال من

بخشی از کمال داد نشان کمال من

یوسفی بودی بہ پانی پت زمیں

صد خوبی را تو ئی یک تا زمیں

کشور دہلی گلستاں کردہ است

شہر پانی پت چہ اقبال کردہ است[139]

معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں کوئی اور قلندر بھی تھے جو ناصر علی کے روحانی

www.mujaddidway.com

رہنما تھے۔ دوسرے دفتر میں ان کے متعلق لکھتے ہیں:

شیخ ما عمری قلندر بودہ است

او شہاب الدین حیدر بودہ است

مدتی ہطرح با عطار بود

مدتی با بوی رحمان یار بود

منطق الطیر از خراسان یافت

ہم ز نیشاپور قرآن یافتہ[40]

مثنوی دفتر سوم و چہارم

تیسرے دفتر کے آغاز میں یہ عنوان ہے:

"دفتر سوم بوستان سعدی علیہ الرحمۃ، مثنوی ناصر علی"[41]

مندرجہ ذیل شعر سے اس کا آغاز ہوتا ہے:

بنام خداوند نازآفریں

جگرہای عاشق گداز آفریں

ان دونوں دفتر میں زیادہ تر اشعار قلندر رحیم الدین جنتی کی شان میں ہیں:

زخاک نجف خیزد آوازِ او

ز بیت الشرف گل کند نازِ او

مرا شاعر پادشاہ خواندہ ای

قلندر روش کج کلہ خواندہ ای

مرا گفتہ ای خسرو شاعران

بدہ تا بہ چشم چہ دریا چہ کان[42]

چوتھا دفتر اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

نوش کن نوش می از جام مراد

بحر چارم بجوار زانی باد[43]

اس دفتر میں وہ حیدرآباد، کرناٹک، دہلی، گلبرگہ کی تعریف کرتے ہیں:

حیدرآباد آشنان من است

آن کہن خرقہ آسمان من است

اصل کرناٹک است گلبرگہ

کہ مرا آمد از پدر ترکہ

شہر دہلی بہ بال رعنا شو

مصر یوسف تو ئی تماشا شو[44]

اس مثنوی کے آخر میں نواب سیف خاں کی مدح میں چند شعر ہیں:

صحبت سیف خاں بیاد آمد

نمک دوستاں بیاد آمد

او مسلماں شد از محبت من

یافت ایماں از فیض صحبت من

من کجا و کجا الہ آباد

منتظر بود کردمش دلشاد

بسفر گرم گشت توسن او

واجب آمد وداع کردن او[45]

اسی دفتر میں حضرت علیؓ کی شان میں بھی پرزور اشعار ہیں مندرجہ ذیل شعر پر یہ دفتر چہارم ختم ہوتا ہے:

www.mujaddidway.com

ای شرف برخیزد و در ہر جای دہلی شور کن
ایں وبال ناگہاں را از سر من دور کن [۴۶]

اس قلمی نسخہ پر نظر علی کے دستخط ہیں، جو ناصر علی کے خواہرزادہ بیان کیے گئے ہیں۔

عین الحیٰوۃ:

نیشنل میوزیم نئی دہلی میں ایک قلمی نسخہ "عین الحیوٰۃ" ناصر علی کے نام سے محفوظ ہے۔ اس کے آغاز میں سید محمد بدری نام کے ایک شخص کا تازہ لکھا ہوا ایک نوٹ ہے:

"حضرت نظام الدین اولیا، سیف خاں اور خواجہ معصوم کی مدح میں
ناصر علی کا کلام۔ چند اوراق نامکمل حالت میں دستیاب ہوئے۔ حاشیہ
مطلا اور کلام خوشخط ہے۔ یہ دو سو سال کا قدیم نسخہ ہے۔" [۴۷]

یہ مختصر نسخہ تیس صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں چند غزلیں سیف خاں کی مدح میں اور چند دیگر قصائد ہیں۔ کچھ غزلیں مطبوعہ دیوان میں موجود ہیں جب کہ چند دیگر غزلیں نہ مطبوعہ دیوان میں اور نہ مثنوی میں ملتی ہیں۔ اس لیے یہ نسخہ اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں شامل غزلوں کے مطلع درج ذیل ہیں:

بکشت تیغ تغافل من بلا جو را
مکن بخون من آلودہ تیغ ابرو را

از دل پاکان خس و خاشاک...

سایۂ بال ہما گردیست از ایوان ما
مدتی شد ناصر علی از خود تہی گردیدہ ام
از دم مانی بود مانند فی افغان ما [۴۸]

غضنفر خاں نے ایک مسجد بنائی تھی۔ ناصر علی نے اس کے لیے قطعہ تاریخ لکھا

تھا جو اس مجموعہ میں موجود ہے۔

آں خان غضنفر جگر و حسن نگاہ
مسجد آراست نقش بت کرد تباہ
تاریخ بنای او علی میگوید
اینک شدہ حسن مطلع بیت اللہ

ناصر علی نے نواب سیف خاں کی وفات پر پُر درد مرثیہ لکھا تھا جو اس نسخہ میں موجود ہے۔ اس کے چند اشعار یہاں درج کیے جاتے ہیں:

گرچہ ہندوستاں زمین خلد است خود آں زمیں
خوبیاں دارد و لیکن رسم عالم پروری
مسند ناز فقیراں بود در ایوان او
ما ہمہ بر تخت سلطانی و او در چاکری
بر زمیں آئیم طواف کعبہ بر من واجبست
اندر خاک سیف خاں دارم چراغ مشتری
شمع جبہہ ما از فروغ مدح او بخشم ضیا
از جہان پروانگی زین شمع تاباں اختری
ایں گرامی نسخہ را عین الحیات آمد لقب
بسکہ در وی ہر لفظ کرد از لطافت کوثری [۴۹]

اس کے بعد ایک اور قصیدہ ہے جو بظاہر عرفی کے اس معروف قصیدے کی بحر و وزن میں نظم کیا ہے:

سپیدہ دم چو زدم آستیں بشمع شعور
شنیدم آیت استغفرو از عالم نور

www.mujaddidway.com

وحی منتخب لشکری کہ اگر بہ عالمگیری سر برآوردم روا است۔"

اس خط کے جواب میں شکر اللہ خاں اس طرح رقمطراز ہیں:

ستی یاد تو رام سلسلہ جنبان جنوں

دور از تو و در بزم تو بگو چو نم چوں

چوں شمع ستارہ تا بزانو در اشک

چوں شیشہ نشستہ تا بگردن در خوں

بار ریحان بادیہ خاکساری شکر اللہ بعد از ادای نیاز بعرض میرساند دیدہ بلا

ختم سخن بسخن صاحب سخن شد[۵۳]

ناصر علی کا دوسرا خط شکر اللہ کے نام اس طرح شروع ہوتا ہے:

ای پرتو آئینہ جان نامہ تو

وی نور نظر سیاہی خامہ تو

از دیدہ غبار رفت و از دل حسرت

ای جامہ یوسف است یا نامہ تو

"نوشانوش نمانہ تحقیق یعنی مکتوب آن نسخہ ناس بجور ان خیال و معنی ستی یہ رماغ آفرین تحریر ان خرابات رنگین بعجائب رنگ نوشانوش سامعہ نواز العطش نوای بلبل معنی گردید کدام محیط کہ بجام قطرہ ریختند و کدام آفتاب کہ در آغوش شبنمی نہادند ساقی چوں ساقی نحوی ۔ ۔ ۔ محو صفی اعتبار ناصر علی با انفاس عیسوی مشرف شد و باحیای مجدد اقرار نمود[۵۴]

جواب شکر اللہ خاں:

"دیری آرزو بشتابان نسیم چمن

قاصد چابکرو باد صبا می خواستم

سرشتی سخن سازی و معنی طرازی یعنی نامہ گرامی آن محو تماشای حسن معنی و مستغرق مشاہدہ معنی حسن شیفتہ خوبی سخن ۔ ۔ ۔ کہ در جواب مکتوب این خوشہ چین خرمن سخن رقم یافتہ بود رسید ۔ ۔ ۔ ۔[۵۵]

شیر خاں لودی سرہند میں مقیم تھا اور ناصر علی کے ساتھ اکثر صحبتیں رہتی تھیں۔ اتفاق سے وہ کچھ عرصہ ناصر علی سے نہ مل سکا۔ بعد میں ناصر علی کو خط لکھا:

"مخموران شراب دیدار را در سراب انتظار داشتن آئین کجاست و پیوند سلسلہ محبت را وقف تغافل کردن بہ کدام شہر ختم مدعا بدین بیت نماید:

زحد شوق دیدار دارم زیاد

دلم زخمی لن ترانی مباد

چند سطری در توصیف طبع فیاض آن روشنفکر آئینہ و لفظ معنی نوشتہ بہ بخدمت رسالہ داشتہ، اگر پسند حضار مجلس افتد، برخی از واردات فکر بلند در صدد اش عنایت فرمایند"

ناصر علی کا جواب ملاحظہ ہو:

"مکتوب آن گرامی قدر آفرین بی کمالان سرمایہ افتخار این از ہمہ عاجز غافل گردید، علاوہ سہ ماہ متصل می گزرد کہ نیاز مند شما فرصت چشم واکردنی ندارد حوادث ناگوار در قید کشیدن و سوانح ناملایم کرم از پی ہم رسیدن آمدہ

دلی غمدیدہ دارم مپرس از گرد کلفتہا

صدا در کوہ چوں رگ ماندہ از تنگی آہنش

۔ ۔ ۔ الحاصل فقیر درین ایام از نوشتن و خواندن غافل و ماندہ بلہ یا نان واصل بود[۵۶]

www.mujaddidway.com

چند خطوط کے یہ اقتباسات ناصر علی کی نثر کے نمونے کے طور پر نقل کیے گئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ناصر علی مرصع نثر لکھتے تھے اور ان کے امرا، شرفا اور اپنے سرپرستوں اور مربیان سے شگفتہ و مخلصانہ تعلقات تھے۔ یہ خطوط اس احترام و قدر و منزلت کے بھی آئینہ دار ہیں جو امرا و شرفا ناصر علی کے لیے رکھتے تھے۔ ناصر علی نہ صرف امرا میں بلکہ اپنے رفقا میں بھی ہر دلعزیز تھے۔

شیر خاں لودی سرہند میں مقیم تھے اور نواب شکر اللہ خاں کے ساتھ ۱۰۹۰ھ - ۱۱۰۰ھ میں وابستہ تھے۔ انھوں نے اپنا تذکرہ مرات الخیال ۱۱۰۲ھ میں لکھنا شروع کیا۔ نواب شکر اللہ خاں اسی سال سرہند سے بلکہ دنیا سے چل بسے۔ معلوم ہوتا ہے ان کے ساتھ ہی شیر خاں لودی نے بھی سرہند چھوڑ دیا ہوگا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ناصر علی اور شیر خاں کی ملاقاتیں اور خط و کتابت ۱۱۰۰ھ اور ۱۰۹۲ھ کے درمیان رہی۔ اس زمانے میں ناصر علی بہت پریشان حال رہے اور لکھنا پڑھنا بھی ترک ہو گیا تھا جیسا کہ شیر خاں لودی کے نام ان کے خط سے ظاہر ہوتا ہے۔

ناصر علی بحیثیت شاعر: عہدِ عالمگیری کے روشن مینار غنی، ناصر علی اور بیدل ہیں۔ باقی سب ان کے پیرو ہیں۔ اس زمانے میں شاعری کو اورنگ زیب کی شاعری سے بے اعتنائی کی وجہ سے دربار میں وہ قدر و منزلت حاصل نہیں تھی جو اس سے پہلے اسے حاصل تھی۔ اب شعرا بھی دربار شاہی سے منسلک ہونے کے خواہاں نہیں رہے تھے۔ بیشتر شعرا شاہی امرا و شہزادوں وغیرہ کے نسبتاً چھوٹے چھوٹے درباروں سے وابستہ ہو گئے تھے یا محض اپنے فن کے اظہار کے لیے شعر و شاعری کا بازار گرم کیے ہوئے تھے اور یہ سب درباری نہیں بلکہ عوامی شاعر تھے جنھوں نے وقت کے خیالات اور تحریکات کو شعر میں ادا کیا۔ اس دور میں شعر و ادب پر صوفیانہ خیالات چھائے اور مضمون آفرینی، خیال بندی، فلسفیانہ موشگافی کی

تحریک چل پڑی۔ غنی، ناصر علی اور بیدل اسی تحریک کے علمبردار ہیں۔ ان تینوں نے عالم خیال کی بھی سیر کی۔ غنی نئے نئے مضامین کی جستجو میں رہے۔ ناصر علی نے تصوف کے رموز و نکات تلاش کیے اور بیدل نے حقائق و معانی کی جستجو کی۔ جو کچھ ان پر منکشف ہوا اس کے اظہار کے لیے غنی نے امثال، ناصر علی نے اصطلاحات اور بیدل نے جدتِ اسلوب کو وسیلہ بنایا۔ ناصر علی نے اسی کے ساتھ محاوروں کو نہایت عمدہ طریقے سے باندھا۔ انھوں نے ایک کتابی زبان میں اس وقت کے تصورات، صوفیانہ خیالات اور فلسفیانہ نکات کو ادا کیا اور محاورہ کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

خیال بندی اور دقت پسندی کی روش وقت کے ادبی تقاضوں کا نتیجہ تھی، انفرادی اپج نہیں تھی۔ اس روش میں بہنے والے غنی، ناصر علی اور بیدل ہی نہیں بلکہ ان سے بیشتر اور قریب تر دور کے عرفی اور ظہوری نے ہندوستان میں اور جلال اسیر اور شوکت بخاری نے ایران میں تخیل کی پیچیدہ اداؤں کو شعر میں باندھا۔ اس دور کے اسلوب شاعری کو سمجھنے کے لیے تذکرہ نتائج الافکار کے مصنف کا بیان قابل توجہ ہے:

"دیگر معاصران ملک قمی، ظہوری و نظیری نیز طرز جدید بر روی کار آوردہ سحر سامری وا نمودند و میرزا جلال اسیر بانی بنیاد خیال بندی گردید و شوکت بخاری آن را بالاتر ساخت و شیخ ناصر علی سرہندی و محمد افضل سرخوش و عبدالقادر بیدل خیال را بمرتبہ اقصیٰ رسانیدند و دست ہمہ را بالغ بدال نیز سید و غنی کشمیری و مرزا صائب در صفت تمثیل بی مثل بر آمدند۔"[۳۰]

لیکن ناصر علی کے اس طرز کی پیروی و تقلید بہت کم لوگ کر سکے۔ کافی شاعروں نے کوشش کی مگر جیسا کہ سرخوش لکھتے ہیں اپنی طرز کو بھی گم کر بیٹھے۔ شیخ محمود حیران کے بارے میں سرخوش لکھتے ہیں:

"می خواست کی بتقلید ناصر علی راہ رود، راہ اصلی خود را ہم گم کردہ بیراہ است"

وشعر لکھتے ہیں کہ شاہ آفرین اور میر غلام علی آزاد بلگرامی اس تقلید میں کامیاب رہے ہیں۔

غزل گوئی: ناصر علی کی غزلوں میں یوں تو اس دور کی تمام مصنوعی آرائشیں ایہام، تمثیل، تلمیح وغیرہ ملتی ہیں۔ لیکن خاص چیز یہ ہے کہ ان کے یہاں خیالات اور زبان کی عجب دلکشی پائی جاتی ہے۔ ان کے یہاں جذبات کی شدت اور احساسات کی لطافت اپنے بے مثل امتزاج سے ایک عجیب عالم پیدا کرتی ہے۔ ان کا محبوب بھی ہے۔ ناصر علی نے غزل کی اس عمارت کو جو جلال اسیر اور دوسرے شاعروں کے ہاتھوں خراب ہو رہی تھی، پھر سے اٹھانے کی کوشش کی۔ انھوں نے جس خلوص اور لگن سے غزل کے احیاء کی کوشش کی، اس کا نتیجہ ضرور نکلا۔ انھوں نے ثابت کر دیا کہ فلسفہ کی پیچیدگی اور تخیل کی گہرائی کے باوجود خلوص اور جذبات کی حرارت سے غزل کا حسن باقی رکھا جا سکتا ہے۔ ناصر علی کے یہاں خیال اور زبان دونوں میں پر خلوص جوش ہے اور یہی ان کے فن کا کمال ہے۔

خصوصیت کلام: تصوف ناصر علی کا محبوب موضوع ہے۔ ان کے اکثر اشعار کی تہ میں تصوف کے نکات ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

باصور زادہ عشقیم شاعر نیستیم
یک قلم تصویر معشوق است در دیوان ما

دقت پسندی: ناصر علی معشوق کے خد و خال نمایاں کرنے کے لیے اشارات و کنایات کا پیرایہ اختیار کرتے ہیں اور مثال سے توجیہ پیش کرکے مسائل تصوف کو سمجھانے کی کوشش بھی کی ہے۔ تخیل کے زور سے اشارات و کنایات اکثر بعید از کار اور غیر متناسب ہو گئے ہیں، جس سے دقت آفرینی کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے اور ان کے کلام میں جا بجا یہ کیفیت نظر آتی ہے۔ حالانکہ وہ خود اس کے قائل نہیں، فرماتے ہیں:

سیف خاں را بدقت آفرینی شہرہ کرد
ورنہ شعرے زیر لب خواں شد علی خان ما

اس میں شک نہیں کہ دقت آفرینی ناصر علی کی شاعری کی اہم خصوصیت ہے۔

بلاغت: ان کے اشعار سے معانی آسانی سے اخذ نہیں ہو سکتے۔ ان کا تخیل عام طور پر پیچیدہ ہے اور استعارے بعید از کار و دور از فہم۔ یہی اسلوب شاعری بھی تھا اور اسی کو بیگ بندی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ انھیں خود بھی اس کا اعتراف ہے:

محال است اینکہ معنی رم کند از شوخی لفظم
اگر عنقاست دارم از نفس زنجیر در پایش[155]

اس کے باوجود بات جہاں کہیں دل سے نکلی ہے، اثر کر گئی ہے۔ تصوف کے نکات بھی کبھی ایسے سادہ اور بلیغ انداز میں بیان کرتے ہیں کہ بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ مثلاً صوفیہ کے نزدیک مسئلۂ آفرینش، ذات حقیقی کی خواہش ظہور ہے۔ بقول ناصر علی:

ذرات جہاں آئینہ جلوۂ یارانہ
یک صید بصد دام شکار است ببینید

ناصر علی نے مکرر اس حقیقت کو ایک رباعی میں عمدہ طریقے سے ادا کیا ہے:

بہ خود پنہاں شدم از جیب آں یکتا شدم پیدا
بہ ساحل غوطہ خوردم از دل دریا شدم پیدا
ز شوق جلوہ در آرایش یکتائی نمی گنجد
دلش آئینہ دارد ہوس پیدا شدم پیدا

مضمون بندی: ناصر علی نے جہاں تخیل میں الجھاؤ پیدا کرکے دقیق مضامین پیش کیے ہیں، وہاں انھوں نے تخیل کی مستقیم پرواز سے بھی کام لیا ہے۔ مندرجہ ذیل شعر جس میں انسان کی کم ظرفی اور عرفان خداوندی کی فراوانی کا ذکر ہے، مضمون بندی کا اعلیٰ نمونہ ہے:

تو چوں ساقی شوی در تنگ ظرفی نمی ماند
بقدر بحر باشد وسعت آغوش ساحل ها

مجذوب ہوں تو گم کردہ ... جب ذات حق ساقی بن جائے اور شراب
[illegible] جائے تو رنگ وفا کا نشہ کیا ہو گا ... ساحل اسی کے [illegible]
[illegible] پیچ [illegible] مطلب یہ ہے کہ اس قدر ہے کہ خدا تعالیٰ [illegible] جائے
[illegible] اس کی جتنی قدر زیادہ ہو گی دل کی وسعت خداوند تعالیٰ کی [illegible] اسی
قدر بڑھتی جائے گی۔

تخیل: اب یہ ہم ہے ان تجربات کے بیان کا جو مشاہدہ، تفکر یا تخیل کی وجہ سے
حاصل ہوں اور تخیل فکر کی مدد سے مشاہدہ کو رنگین بنا کر موثر صورت
میں پیش کرتا ہے [illegible] رہے [illegible] مشاہدہ [illegible]
[illegible] ہو جاتا ہے۔ ناصر علی کے یہاں [illegible] زیادہ
[illegible] جب تخیل اصطلاح [illegible] میں الجھ جاتا ہے۔ اور
[illegible] حاصل نہیں ہوتا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:

[illegible] شب بہ سینہ حسرت [illegible]

[illegible] گر حرف کو [illegible]

[illegible] بادہ [illegible] گردد

[illegible] خندہ زخم [illegible]

[illegible] باشد

[illegible] از خاک [illegible]

جدتِ ادا و ندرتِ بیان

ناصر علی [illegible] ترکیب [illegible] جدت پیدا کرتے ہیں اکثر [illegible]
[illegible] کرتے ہیں [illegible] کا [illegible] ہے۔

[illegible] و زیا [illegible] [illegible] کہ [illegible]

موسیٰ کہاں [illegible] کی ترکیب حضرت موسیٰ کے واقعہ طور سے اخذ کی گئی ہے۔
[illegible] منصور [illegible] کے یہ حقانی [illegible] کا سبق دیتا ہے۔ ناصر علی اس جیسی کی تعریف
میں ایک نیا انداز پیدا کرتے ہیں:

زینہ منصوری خواہی ز ہستی پاک شو

زد بیان بام گردوں ساز چوب دار را

اسی طرح دوست کے یاد سے محو ہو جانے کو کس عمدہ طریقے سے ادا کیا ہے
کہ [illegible] مصرع یاد کی [illegible] میں کھٹکے [illegible] یاد آتے ہے

[illegible] یادم [illegible] یادت نمی آیم ہنوز

مصرع در جیب از خاطر فراموشم توام

اخلاقیات: حقیقت یہ ہے کہ تصوف اور اخلاق کے ڈانڈے ایک مقام پر
مل جاتے ہیں ایک صوفی مسلم اخلاق بھی ہوتا ہے۔ ناصر علی نے
[illegible] کے [illegible] کو بھی اسی وجہ سے تصوف کی عینک سے دیکھا۔ وہ اقتدار جس کا
تعلق براہ راست تصوف کے عقائد یا عواطف سے تھا ان پر تبصرہ کیا مثلاً [illegible]
تنظیم فقرا، ترک [illegible] قناعت، فقر و استغنا [illegible] ناصر علی
جہاں کہیں حقیقت [illegible] ان کی توجہ کا مرکز صرف اسی قسم کی انسانی عادات ہوتی
ہیں اور ان کے پیش کرنے کا طریقہ صائب کے تتبع میں شاعرانہ توضیح سے ہے۔ نمونے
کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تنظیم فقرا:

ہر کہ تنظیم فقیراں کرد سلطاں می شود

بادشاہی را [illegible] است در ایوان ما

بادشاہی صورت دل رائے پاکان کردی است
برکہ خاک پائے نیکاں شد شود خاقان ما ۱۰۳

انکسار:

اظہار خاطر دانا ست اظہار عجز کردن
صفا پذیرد از آئینہ چوں جوہر شود پیدا ۱۰۴

تواضع:

در تواضع می تواں کردن مسخر عالمے
خاتم دست سلیمانی ہمیں پشت دوتا است ۱۰۵

مروّت

نیست آئین وفا خون مروت ریختن
غیرتم بر خویش می لرزد کہ دشمن آشنا است

صلح جوئی:

در دل روشن ضمیراں دشمنی را بار نیست
سینہ را پاک از کدورت کن کہ جوشن می شود ۱۰۶

تحمل:

عزت ارباب معنی نیست از نام پدر
بے نیاز از بحر گردد قطرہ چوں گوہر شود ۱۰۷

صفائی قلب:

جہاں رنگ بہ زنگ گیرد چو دل روشن شود
صبح نورانی بود دود چراغ آفتاب ۱۰۸

www.mujaddidway.com

مندرجہ ذیل رباعی مطبوعہ دیوان میں شامل نہیں ہے:

چوں می گذرد عمر بہ درویشی بہ
چوں رزق مقدر است کم کوشی بہ
چوں رسم جہاں است نمد پوشی بہ
چوں گفتہ نویسند خاموشی بہ ۱۰۹

راسخ سرہندی

میر محمد زماں راسخ میر خاندان کے مشہور شاعر تھے۔ وہ میر مراد کے بیٹے اور میر عماد کے پوتے تھے۔ میر مراد کا انتقال میر عماد کی زندگی میں ہی ہو گیا تھا[۱۱۰]۔ وہ شاہجہاں کی ملازمت میں تھے اور پنج صدی منصب رکھتے تھے۔ بعد میں انھوں نے ملازمت ترک کر دی اور سرہند میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کی[۱۱۱]۔ وہ عماد نگر میں جو انھوں نے آباد کیا تھا، دفن ہوئے۔ میر عماد خواجہ معصومؒ کے مرید تھے[۱۱۲]۔ راسخ اپنا سلسلہ سرہند کے ایک معزز سید میر سید کلال سے بتاتے ہیں[۱۱۳]۔ ان کے اجداد اصل میں عراق عجم سے تعلق رکھتے تھے[۱۱۴]۔ راسخ تقریباً ۱۰۷۰ھ میں سرہند میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم حاصل کی[۱۱۵] اور شاعری میں اپنے چچا میر محمد حسین ثاقب سے رہنمائی حاصل کی۔ ثاقب خود اپنے زمانے کے اچھے اور صاحب دیوان شاعر تھے[۱۱۶]۔

اپنے ہمعصر شعراء کی طرح راسخ نے بھی درباری زندگی اختیار کی اور شہزادہ محمد اعظم شاہ جو اورنگ زیب کے تیسرے بیٹے تھے کی ملازمت میں اس کی فوج میں شامل ہو گئے۔ انھیں ہفت صدی منصب ملا۔ اور وہ شہزادہ کے نزدیکی اور معتمد مصاحبین میں شامل ہو گئے[۱۱۷]۔ گجرات میں قیام کے دوران راسخ دیگر شعراء بیدل، حاجی اسلم کشمیری، حکیم ثبت، حسین شہرت وغیرہ کی صحبتوں میں شامل رہتے[۱۱۸]۔ وہ صرف ایک اچھے سپاہی

بہ درک تنگی اندوہ عشرت جہاں نمی ارزد

بہ تشویش خلل ہائے نعمت دنیا نمی ارزد

سب شعرا نے اس کی تعریف کی لیکن راسخ نے پہلے مصرع میں لفظ تنگی کو کاوش سے بدل دیا اور واقعتاً شعر بہت بلند ہو گیا۔ خوشگو ایک اور واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے درج ذیل شعر

جامۂ صبر بہ بالای جنوں تنگ آمد

آنچہ از دست بر آمد بگریبان کردیم

میں عادل خاں عادل نے دخل دیتے ہوئے کہا کہ "جامہ بر اندام تنگ می آید نہ بر بالا چہ بالا بمعنی سراپا است"۔ راسخ نے جواب میں مولانا ہاتفی کا یہ شعر جو تیمور نامہ میں ہے پیش کر دیا اس کا مصرع ہے۔

نہ بر قامت ترک شد جامہ تنگ

راسخ کے شاگردوں میں اس دور کے ممتاز شعرا شامل تھے۔ ان میں غنیمت، ارادت خاں واضح، سرخوش، محمد علی رایج، میر غازی شہید اور مرزا عبد اللہ وفا قابل ذکر ہیں۔ راسخ کے خاندان میں شعر و ادب کا کافی چرچا تھا۔ خود ان کے چچا میر ممتاز حسین منتخب شاعر کی استادانہ حیثیت کے مالک تھے۔ ان کے ایک اور چچا میر شرف الدین حسین بھی شاعر تھے راسخ کے لڑکے میر معصوم وجدان بھی اپنے زمانے کے مشہور شاعر تھے۔ جنھوں نے ایک ضخیم دیوان جو قصیدہ اور مثنوی کے علاوہ غزل کے بیس ہزار اشعار پر مشتمل تھا چھوڑا۔ ان کے پوتے میر شمس الدین ستہ کی بھی شاعری میں شہرت تھی۔ راسخ کے بھانجے میر غازی شہید بھی اچھے شاعر تھے۔ تذکرہ نویسان شاعری میں راسخ کی مسلم استادانہ حیثیت اور ان کے وسیع علم اور تجربے کے معترف ہیں۔ ان کے اشعار ایران تک پہنچے اور طاہر نصر آبادی نے اپنے تذکرہ میں ان کو جگہ دی۔

بلکہ اچھے شاعر بھی شمار ہوتے تھے۔ وہ شاعری کے اصول و قواعد سے بخوبی واقف تھے چنانچہ انھوں نے اپنے استاد ناصر علی کے اشعار کا پر زور دلائل کے ساتھ دفاع کیا۔ وہ ذاتی دشمنی کی وجہ سے اپنی شاعری پر تنقید پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے یہ شعر پڑھا

بہ ہر جا یا تمام و گوشہ خلوت رنشستم

بہ یک تم شمع باندازۂ کاشانۂ خویش

شعرا نے اعتراض کیا کہ "شمع ریختن" کوئی محاورہ نہیں ہے۔ راسخ اس قدر ملول ہوئے کہ انھوں نے شعرا کی ملاقات ترک کر دی۔ لیکن خوشگو نے ملاقات ترک کرنے کی دوسری وجہ بتائی ہے اور وہ زیادہ قرین قیاس ہے۔ خوشگو کا بیان ہے کہ شہزادہ اعظم کے پاس ایک خوبصورت بنگالی لڑکا تھا جو اسے بہت عزیز تھا۔ ایک رات راسخ اس لڑکے کی خواب گاہ میں گھس گئے اور اس کے ساتھ غالباً کچھ نا شائستہ حرکت کی۔ جب شہزادے کو اس معاملے کی اطلاع ہوئی تو اس نے راسخ کو ملازمت سے برطرف کر دیا۔ اس کے بعد راسخ لاہور میں نواب مکرم خاں سے وابستہ ہو گئے۔ مکرم خاں نے ان کے بیٹے کی تنخواہ کے علاوہ تین سو روپے وظیفہ مقرر کر دیا۔ لیکن راسخ وہاں بھی زیادہ دن نہ رہ سکے۔ اور سرہند آکر گوشہ نشینی اختیار کر لی جہاں ۱۱۰۷ھ/۱۶۹۵ء میں ان کا انتقال ہوا۔ سرخوش نے قطعہ تاریخ وفات لکھا

محمد زمان راسخ خوش خیال

دریغا بجان آفرین جان سپرد

چو تاریخ خوش دل ز عقل خواست

فرو گفت با دل کہ راسخ بمرد

راسخ کا شمار اپنے دور کے ممتاز شعرا میں ہوتا تھا۔ سرخوش نے ان کے ذوق سلیم کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ سرخوش نے جب یہ شعر کہا۔

راسخ نے ایک دیوان اور مثنوی یادگار چھوڑی۔ ان کے دیوان کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ انھوں نے اپنے شاگرد واضح کے کلیات کا ایک انتخاب بھی مرتب کیا تھا۔ اور اس کا مقدمہ لکھا تھا۔ راسخ ان تین سو ستر شاعروں میں ہیں جن کے انتخاب کیے ہوئے اشعار کو سرخوش نے اپنے تذکرہ میں نقل کیا ہے۔"[204]

راسخ کی مثنوی مطبوعہ شکل میں ہے۔ تذکروں اور قلمی نسخوں میں یہ مختلف ناموں سے موسوم ہے۔[205] خوشگو لکھتے ہیں کہ راسخ نے یہ مثنوی داود وزیر کے نام سے لکھی مگر عنوان اختراع کے مصنف لکھتے ہیں کہ راسخ نے ایک مثنوی لکھی اور اس کا نام جوہر داد رکھا۔

ترا شمشاد ای از جنس فرہاد
نسیم نسخہ ای از داود بیداد[206]

چنانچہ انھوں نے اپنی مثنوی کو کوئی نام نہیں دیا۔ تذکرہ نویسوں نے مثنوی کے مضمون سے اندازے سے مختلف نام دے دیے ہیں۔

راسخ کی مطبوعہ مثنوی پانچ مثنویوں پر مشتمل ہے جو حیدرآباد میں طبع ہوئی۔ آغاز میں ایک مقدمہ ہے:

"بحمد اللہ کہ این نسخہ اکسیر سراپا تاثیر گنجینہ کرامت و مجلہ صحیفہ رموز و نیاز تصنیف لطیف ہمایون طبع مرحوم میر سید محمد زمان راسخ . . . . در حیدرآباد و طبع گردید . . .

بامحنت این و بد نہا را سخت
لنی اش دیوانہا را محنت

ہر مصرع او معرفت و مرد محمد الاست و ہر اشارہ او نشتر زن رگ جانست استعارات لطیف و تشبیہات نادر و ظریف بایں پایہ در ہیچ سخن بنظر نیامدہ . . . ."[207]

مثنوی اس شعر سے شروع ہوتی ہے۔

ز لطف ای صبح آہ بر خیز
نسیم کوی بسم اللہ بر خیز

اس کے بعد یہ مختلف عنوانوں (۲۵) حصوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ ذیل میں چند ذیلی عنوانات درج کیے جاتے ہیں۔

توحید، توحید دوم، مناجات، نامہ، سیدان از کتب خانہ عشق، جواب نامہ ...، مناجات دوم، فی نعت النبی صلعم، مقالہ دل، حکایت تمہیدی شیشہ آتش، حکایت تمہیدی، حکایت تمہیدی، رجوع ز خیال بوصال، حکایت شمع و پروانہ، حکایت درویش وغیرہ۔

مطبوعہ نسخہ کے صفحہ ۳۰ پر شیخ معشوق طوسی کی حکایت ہے۔ اہل شریعت کے ایک گروہ کو شیخ طوسی سے ملنے کا اتفاق ہوا

گروہی پاک دینی نیک کردار
براہ شرع ہر یک گرم رفتار[208]

ہمارے جسم پر گوشت کا نام نہ تھا اور نہ کوئی کپڑا اس کے بدن پر تھا۔ بچے اس کے اوپر پتھر پھینک رہے تھے اور وہ:

زبس در یاد معشوق آرمیدہ
ز رخ معشوق را در خویش دیدہ
بہ تخت غم سزا وار عروسی
خدای شاہ خود معشوق طوسی[209]

شیخ اس گروہ کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔ ان لوگوں نے ان سے کہا کہ اپنے مذہب کے احکام سے ... ہیں:

نماز از واجبات دین پرستیست
گرامی گوہر دامان ہستیست
نماز عاشقی با بی نمازی
نمازی شو نمازی شو نمازی[210]

شیخ نے جواب دیا:

بگفت ای زمرۂ اسلام کیشان
نہ پیچم گردن از فرمان جانان

ولی الحمد را دروی نخوانم — نماز و مناب شکر او زبانم [۲۱۲]

ان لوگوں نے اصرار کیا کہ الحمد کے بغیر نماز مکمل نہیں،

درین مکتب کہ بنیاد وشش نماز است

بجز الحمد طاعت ناجواز است [۲۱۳]

بہت اصرار پر اس درویش ہوسی نے وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ جب انھوں نے الحمد پڑھی اور ایاک تک پہنچے تو ان کے ہر بن مو سے خون نکلنے لگا:

چو آمد از زبان ایاک بیرون

ز ہر مویش روان شد چشمہ خون

بجنبیں رنج یار وفا کیشش

برون افتاد رنگ ہستی خویش [۲۱۴]

انھوں نے یہ اشعار کہے کہ:

بخود روزے محبت را بجستم — نمیدانم کہ آخر بار گفتم [۲۱۵]

اور انتقال کر گئے:

بخاک افتاد خونیں پیکر او — چکید از الف حسرت ساغر او [۲۱۶]

اس کے بعد ایک اور داستان دو درویشوں کی شروع ہوتی ہے جو آپس میں گہرے دوست تھے۔

مثنوی نیز کے صفحہ ۵۸ سے سید علی قوام الدین اور کو فردوں سے ان کی جنگ کی داستان شروع ہوتی ہے جس میں ان کے والد مارے جاتے ہیں اور آخر کار وہ دنیا کو ترک کر کے فقیری اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ داستان اس طرح شروع ہوتی ہے:

جنوں آموز قانون حکایت — فراخی از قلم تا روایت

کہ شہری بود شمع خانہ بند — شراب شیشہ و پیالہ بند [۲۱۷]

اس شہر پر حاکم ایک انصاف پرور سید تھا۔ اس کا ایک بیٹا تھا جس کا نام میر قوام الدین علی تھا۔

سیادت بیع بخت ارجمندش — قوام الدین علی نام بلندش [۲۱۸]

اچانک اس شہر پر دشمن نے حملہ کر دیا:

بناگہ بانگ زد کوس خرابی

شکست آمد بہ مینای شرابی

عیاں شد فوج دشمن از چپ و راست

ز داماں قیامت گرد برخاست [۲۱۹]

شہزادہ ابھی کم عمر تھا لیکن اصرار کر کے اس نے میدان جنگ میں جانے کی اجازت لے لی وہاں اسے فتح ہوئی مگر واپسی میں اسے دشمن کے ایک سپاہی نے زخمی کر دیا۔ بادشاہ نے اس غصے میں زبردست حملہ کر دیا مگر وہ میدان جنگ میں مارا گیا۔

پدر را زین تماشا آتش در آویخت

گل از شوخی چہ بیدل فرو ریخت [۲۲۰]

شہزادہ باپ کی لاش کو دیکھ کر تڑپ اٹھا اور آخر ترک دنیا کر کے فقیری اختیار کر لی۔

جہاں را دیدہ عبرت نظر کرد

بصیرت چشمک ز نقشہ کرد

وداع خانماں و دوستاں کرد

دبستاں را ورق ریزہ خزاں کرد [۲۲۱]

شہزادہ کے دوست دوسرے شہر میں تھے اور شہزادہ ادھر پریشان تھا۔ دو شخص نے ایک نوجوان کو اس کی تلاش میں بھیجا وہ آدمی کچھ عرصہ شہزادہ کے ساتھ رہا۔ جب وہ واپس

آیا تو شہزادے نے دوستوں کے نام، اس درخت کے نام جس کے نیچے وہ کھیلا کرتا تھا اور اس تالاب کے نام جہاں وہ نہایا کرتا تھا پیغامات بھیجے۔

بجو گذری از ما سلامی | دل افشاں بدہ عرض پیامی
کہ ای شیخ [illegible] عالم خراب است

چو طوفان شد کہ دل تا [illegible] آب است

زعہد [illegible] یاد باد | ز دور جام [illegible] یاد باد ۳۳

اس قاصد نے درخت کو شہزادہ کا پیغام سنایا تو:

[illegible] سر [illegible]

[illegible] دل [illegible] شد قامت [illegible]

[illegible] رفت [illegible]

پریشان [illegible] خورشید با خاک ۳۴

تالاب نے جب شہزادہ کا پیغام سنا تو وہ تین مرتبہ کنارے تک لبریز ہو گیا اور قاصد کے پیر دھو دیا۔

[illegible] دوست [illegible] | [illegible] ۳۵

پھر دوستوں نے [illegible] کر قاصد کو گھیر لیا۔

حکایت کے خاتمہ پر یہ شعر ہیں:

بیا ساقی [illegible] | [illegible] سلام است
[illegible] | [illegible] فریاد ۳۶

سنہ [illegible] ایک اور داستان شروع ہوتی ہے۔

"ختم قصہ در جو شاہد او در فرہاد"

مقالہ جنون اور جواب [illegible] کے بعد شاعر [illegible] ۹۵

۱۱۱۔ [illegible] کے حوالے سے دختر بادشاہ ترکستان و شیخ حسن نوری کی داستان بیان کرتا ہے۔ بادشاہ نے اعلان کیا کہ جو میری لڑکی کو تسخیر کرنے کا دعویٰ کرے گا اس کی شادی اس سے کر دوں گا، اگر وہ ایسا نہ کر سکا تو اس کا سر قلم کر دوں گا۔

کہ ہر کس این پری را کرد تسخیر | کشید این لعل را در سلک تدبیر
کنم تسلیم عقد [illegible] گوہر او | کنم [illegible] افسر او
وگرنہ تیغ فرق [illegible] او

[illegible] خاک و خون [illegible] او

شیخ حسن نوری تک بھی یہ بات پہنچی کہ اس طرح بے گناہ آدمی مارے جا رہے ہیں۔ وہ بھی لڑکی سے ملنے چلے اور وہاں پہنچ کر تنہائی پر سورۂ [illegible] میں تلاوت شروع کر دی۔ لڑکی ان کی خوش الحانی سے بہت متاثر ہوئی اور ان سے اس طرح ہم کلام ہوئی:

[illegible] خوشنوای گل فروشش

[illegible] خون بہای صد [illegible]

[illegible] دیگر چہ می گوید [illegible]

[illegible] چہ می خواہد [illegible] ۳۷

شیخ حسن نوری کی ترغیب سے وہ شہزادی مسلمان ہو گئی اور ان کے ساتھ حج کی زیارت کو چلی۔ وہ ایک دریا پر پہنچے جس کو عبور کرنا مشکل تھا۔ اچانک لوگوں نے دیکھا:

کہ استقبال بیت اللہ کرم کرد | [illegible] کعبہ [illegible] حرم کرد ۳۸
بہ طوف کعبہ [illegible] | [illegible] نقطہ چون [illegible]

[illegible] کا اصل کمال ان حکایتوں میں نہیں بلکہ ان کے انداز بیان میں ہے۔ خان آرزو فرماتے ہیں: "این مثنوی بسیار رنگین است" ۳۹ [illegible]

کا بیان ہے کہ "زبان ناصر علی ورزیدہ لیکن مغزی کہ کلام ناصر علی دارد کو ندارد" ۲۳۰ اس میں شک نہیں کہ راسخ کا انداز دقیق ہے اور ان کا انداز بیان ناصر علی سے ملتا جلتا ہے مگر یہ امر مسلم ہے کہ ناصر علی کی مثنوی اس سے بدرجہا بہتر ہے مگر راسخ کی مثنوی بھی اپنی دلکشی اور خوبی ہے۔ پروفیسر انصاری اپنی کتاب "فارسی ادب بعہد اورنگ زیب" میں لکھتے ہیں: راسخ کے انداز بیان کی پختگی و ترکیب کی جدت و جذبات کی شدت اور فقرہ حسن و فا ان کی مثنوی کی بنیادی خوبیاں ہیں۔ مثنوی کا ابتدائی حصہ خصوصاً نہایت اہم ہے جہاں شاعر نے حمد و مناجات میں بہت پر اثر شعر کہے ہیں۔ ۲۳۱ مثلاً

به نام آنکه دل دیوانهٔ اوست — دم مجنون اره کاشانهٔ اوست
نبش شنیده و صبح جلوه گسته — حریم شش جهت تنگ گشت
نمکینش جنس عشق آفریده — لبیش روح در آتش دمیده
زسر تا سجده طاعت خریده — ز بر پیمانه پیمائی کشیده ۲۳۲

مناجات کے یہ اشعار راسخ کی خدا سے بھی محبت کی عکاسی کرتے ہیں:

پیالهٔ راسخ حسرت انجام — پریشان محشر شوریده ایام
بجام عمر در مستی بسر شد — گلی چیدی کز بستان بی ثمر شد
مروت ده که دین و دنیا مراست — بجو دنیا که بنیادش خراب است ۲۳۳

ان اشعار کا حسن نئی ترکیبوں، بندشوں اور استعاروں کے روپ میں اور نکھر جاتا ہے۔ یہاں راسخ ناصر علی کے قریب آجاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ راسخ کے ان اشعار میں زبان کی چاشنی بھی ہے اور مغزیت بھی۔

به حیرت خانهٔ جولان جمال است

دل آئینه فانوس خیال است

بدن تمثال گوهر نهال است — نمی در ظلمت چاک کتان است ۲۳۴

چند منتخب اشعار سے عرفی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے:

بیا ای عمر ساغر پرستان — به عشق ای پیمانه دستان
به صبا ای که در دل زند موج — به گلزار ای که در دل زند موج
بنظم سر این کیف برید — به سودای صد عجب از دیده ۲۳۵

راسخ کا دیوان کسی شکل میں بھی دستیاب نہیں لیکن تذکرہ نویسوں نے ان کے منتخب اشعار کافی تعداد میں نقل کیے ہیں جن سے ان کی شاعری کا معیار متعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔ ان اشعار میں راسخ نے جو عجیب و غریب استعارے استعمال کیے ہیں وہ اپنی جدت اور شگفتگی کی بنا پر فارسی ادب میں ہمیشہ اپنا مخصوص مقام پائیں گے مثلاً مجنون وحدت ناز، از سر سجده فریدن، محشر شوریده ایام، خامه در بغل زر اشیدن، گل عشرت، استغنا و مونقگان وغیرہ۔ حکمت و روشنی میں راسخ کی شاعری افکار کی پختگی اور عبارت کا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں درج ذیل ہیں:

جائے صبر بالای جنون تنگ آمد
آنچه از دست برآمد جگر پیاله کردیم

گر بجودی تا تاج بسم الله بابو تراب
کو کلاه جبا نکرد بر سر ام الکتاب ۲۳۶

از زبان شعله بشنو گفتگوی سوختن
برق بیتابی است راسخ مصرع دیوان ما

بهشت عاشقان باشد شباهنگام نومیدی
کشودم چشم حسرت خونبهای خوابیشتن گشتم ۲۳۷

اثر بنازد عاشق ز اضطراب خود است
چو برق جوهر تیغم ز پیچ و تاب خود است

www.mujaddidway.com

کامیاب ہے اگرچہ ان کا مرتبہ [illegible] لیکن حضرت کے کلام سے ناصر علی وارد [illegible] اس میں شک نہیں کہ راسخ کا انداز دقیق ہے اور ان کا انداز بیان ناصر علی سے ملتا جلتا ہے مگر یہ امر مسلم ہے کہ ناصر علی کی مثنوی ان سے بدرجہا بہتر ہے مگر راسخ کی غزلوں میں پختگی اور خوبی ہے۔ پروفیسر فضل الحق اپنی کتاب "فارسی ادب بعہد اورنگزیب" میں لکھتے ہیں: راسخ کے انداز بیان کی پختگی، ترکیب کی جدت، جذبات کی شدت اور [illegible] مثنوی کی بنیادی خوبیاں ہیں۔ [illegible] ابتدائی حصہ خصوصاً نہایت اہم ہے جہاں شاعر نے حمد و مناجات میں بہت پر اثر [illegible] ہیں۔ ۲۳۲ مثلاً

به نام آنکه دل دیوانهٔ اوست	دم مجنون زده کاشانهٔ اوست
بعشقش [illegible]	[illegible]
خروشش [illegible] عشق آفریده	لبیش [illegible] آتش رسیده
زسر تا پا همه طاعت فریده	ز بر پیاده پیمانی کشیده ۲۳۳

مناجات کے اشعار میں راسخ خدا سے محبت کی دعا کرتے ہیں:

پیاده راسخ حسرت انجام	پریشان خاطر شوریده ایام
بیاد عمر [illegible] مستی بسر شد	[illegible] عمر شد
[illegible]	[illegible] ۲۳۴

ان اشعار کا حسن ان کی ترکیبوں، بندشوں اور استعاروں کے روپ میں [illegible] نظر آتا ہے یہاں راسخ ناصر علی کے قریب آجاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ راسخ کے ان اشعار میں [illegible] چاشنی بھی ہے اور [illegible] بھی۔

بہ حیرت خانہ جولان جمال است

دل آئینہ فانوس خیال است

[illegible]	[illegible] ۲۳۵

چند منتخب اشعار سے [illegible] کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

بپا [illegible] مسافر پرستان	به حق [illegible] مستان
به صهبائی که در دل [illegible] موج	به گلزاری که در دل [illegible] موج
[illegible] کف برید	به سودائی [illegible] ۲۳۵

راسخ کا دیوان کسی شکل میں بھی دستیاب نہیں بلکہ تذکرہ نویسوں نے ان کے منتخب اشعار کافی تعداد میں نقل کیے ہیں جن سے ان کی شاعری کا صحیح تعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔ ان اشعار میں راسخ نے جو عجیب و غریب استعارے استعمال کیے ہیں وہ اپنی جدت اور شگفتگی کی بنا پر فارسی ادب میں ہمیشہ اپنا مخصوص مقام پائیں گے [illegible] زسر تا پا [illegible] پریشان خاطر شوریده ایام [illegible] راسخ کی شاعری [illegible] پختگی اور [illegible] مسلم ہے۔ چند شعر [illegible] درج ذیل ہیں:

جانے صبر [illegible] جنون تنگ آمد

آنچه از دست برآمد [illegible] کردیم

از [illegible] بسم الله [illegible] بوتراب

[illegible] ۲۳۶

از زبان [illegible] گفتگوی سوختن

برق [illegible] راسخ [illegible]

بہشت عاشقان باشد [illegible]

گشودم چشم حسرت [illegible] گشتم ۲۳۷

اثر بالہ عاشق ز اضطراب خود است

[illegible] خود است

رنگ شفق [illegible] گرم رفت

قلم [illegible] پا [illegible] رکاب خود است

رسید شور قیامت ز تربت فرہاد

چو سیل [illegible] سنگ پای آورده ام

[illegible] کشیده

[illegible] رسیده

دل [illegible] مشوق است

[illegible] تماشا [illegible]

[illegible] بجا [illegible]

صدای سیل [illegible] فرہاد

[illegible] سر [illegible]

چرا [illegible] ہستی [illegible]

دل [illegible] جمعیت [illegible]

[illegible] جا ہستی

[illegible] ہستی

[illegible] مکتوب [illegible] ہستی

تمام تذکرہ نویسان [illegible] کی شخصیت اور شاعری کو قدر و منزلت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور متفقہ طور پر ان کو [illegible] ممتاز شاعر تسلیم کرتے ہیں۔

میر غلام علی آزاد بلگرامی ید بیضا میں لکھتے ہیں:

"شاعری است [illegible]"

[illegible] لکھتے ہیں:

"[illegible] سرخوش [illegible]"

[illegible] کرتے ہیں۔

"[illegible]"

[illegible] ہیں۔

سرخوش کلمات الشعرا میں [illegible] کرتے ہیں:

"[illegible]"

[illegible] لکھتے ہیں:

"[illegible]"

شیر خان لودی مرأة الخیال میں لکھتے ہیں:

"[illegible]"

محمد افضل سرخوش

مشہور تذکرہ نگار [illegible] محمد افضل سرخوش [illegible] کشمیر میں پیدا ہوئے۔ [illegible] شیر خان لودی لکھتا ہے کہ [illegible]

اور میر جملہ بیگ دو سال کی عمر کے تھے۔[۴۹] بعد میں یہ بجا رہ معروف چار سال کے تھے ان کی
والدہ کا انتقال ہو گیا۔ بعد میں بعض نے ان کا سال وفات "فی جنت عالیہ" سے نکالا[۵۰]
جس سے ۱۰۸۰ھ برآمد ہوتا ہے۔ اس وقت وہ چار سال کے تھے۔ لہٰذا تاریخ ولادت
۱۰۷۶ھ کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

سرخوش اپنے والد کی وفات کے سلسلے میں سرہند آ گئے تھے۔ وہیں انھوں نے
ناصر علی کی صحبت کی جو ان کے مخلص دوست تھے، شعر و شاعری کا آغاز کیا۔ اس ضمن میں
وہ لکھتے ہیں:

"ناصر علی را بیاد قدیم فقیر بود ... الغرض دو سالہ بجا باعث محبت گردیدم
وصحبت بہ الیتیم"[۵۱]

نواب عبدالرشید مصنف تذکرہ شعرای پنجاب بھی اس کو سرہند کا شمار کرتے ہیں اور
لکھتے ہیں:

"سرخوش مدتی در آن جا بود۔ سرہند وقت تحصیلات فرصت یافت و در
وطن خود جان شیر ذوق [illegible] شعری [illegible] در آن [illegible] شعر
آغاز کرد"[۵۲]

محمد [illegible] کے انتقال کے بعد ان کے بچے [illegible] شاہی ملازمت میں آ گئے۔ سرخوش
نواب سعد اللہ خان [illegible] کے یہاں ملازمت کی۔ ان کے انتقال کے بعد وہ اور ان کے بھائی
[illegible] کی ملازمت میں آ گئے۔[۵۳] اس وقت ان کا منصب [illegible] تھا اور وہ
کارخانجات کے نگراں تھے۔[۵۴] [illegible] میں ان کو حسن [illegible] میں شرف
ملاقات حاصل کیا جس کی تاریخ انھوں نے "اشرف عدالت" سے نکالی۔[۵۵] لیکن اس سے
قبل بھی ان کی مالی حالت بہتر تھی [illegible] میں وہ دہلی میں [illegible]
[illegible] تھے۔ [illegible] میں انھوں نے ایک مسجد تعمیر کرائی۔

دو سال بعد اس میں ایک [illegible] قطعہ [illegible]

چوں گشت ز افضل ایزد عزوجل
آراستہ این مسجد پر زیب و محل
اندیشہ ز جمیع سال تاریخش خواست
دل گفت کہ مسجد محمد افضل[۵۶]

دہلی میں سرخوش خلد جات کے ناظم بھی رہے اور چونکہ سعد اللہ خان [illegible] میں مقیم تھے۔
انھوں نے اپنے مکان کے دروازہ پر لکھ رکھا تھا:

"اگر بیائی در باز است و اگر نیائی حق بی نیاز است"[۵۷]

اورنگ زیب کی وفات کے بعد وہ بڑھاپے کے سبب گوشہ نشین ہو گئے۔ ان کی
بینائی بہت کمزور ہو چکی تھی اور وہ لکھنے پڑھنے سے معذور ہو گئے تھے۔[۵۸]
"بعد از فوت آن پادشاہ مغفور [illegible]"

ان کے بڑھاپے کا ایک دلسوز واقعہ سراج الدین علی خان آرزو نے بیان کیا ہے:

"فقیر در اوائل سلطنت محمد فرخ سیر در خدمت او (سرخوش) رسیدہ
چون [illegible] بصارت در آن وقت مرحوم سرخوش عاری شدہ بود دیوان
خود را بفقیر داد [illegible] پسر خود [illegible] فقیر [illegible] بعد قرات
اشعار از فقیر در خواست جمیع [illegible] بغایت محظوظ شدہ و بسر و پیشانی
من بوسہ داد"[۵۹]

وفات:

سرخوش کا انتقال دہلی میں محرم [illegible] میں [illegible] سال
کی عمر میں ہوا اور قدم شریف میں دفن کیا گیا۔[۶۰] اس وقت کے شعرا
نے ان کا ماتم کیا اور مرثیے و تاریخی قطعات لکھے۔

[illegible] حقیقت نے "افضل" [illegible] اور [illegible] نے تاریخ وفات

www.mujaddidway.com

آہ عارف پاک سے تاریخ نکالی۔ خوشگو لکھتا ہے:

بالجملہ سلخ محرم ۱۱۲۳ھ در حالت بیماری این رباعی فکر کردہ بدست میاں فضل اللہ نوشتہ داد وگفت کہ بر کفن من بخط خوش بنویسید:

سرخوش کار از فضل و کرم است

از معصیت و سیہ کاری چہ غم است

رخشیدن برق بین و جوشش باراں

رحمت چہ فزوں غضب چہ بیش و کم است

بعد از اں سر بطرف یاراں نمود و فرمود کہ چوں من بجہان دیگر بروم از من سوال نمایند کہ سرخوش از جہاں چہ آوردی؟ جواب دہم این رباعی تحفہ آوردہ ام اگر بخشید بہتر والا شعر فہمی عالم بالا معلوم شد۔ ۲۶۳

سرخوش کی شادی محمد ہاشم کی لڑکی سے ہوئی تھی جو شاعر اور ایک اچھے خوشنویس تھے۔ سرخوش کے دو لڑکے تھے۔ بڑے لڑکے فیض اللہ خوش رقم، سرخوش کی زندگی میں ہی انتقال کر گئے۔ دوسرے لڑکے فضل اللہ نوشتہ اور بعد میں بیدار تخلص ۱۰۴۲ھ / ۱۶۳۲ء میں پیدا ہوئے اور ۱۱۳۰ھ / ۱۷۰۰ء میں انتقال کیا۔ وہ اچھے شاعر اور خوشنویس تھے۔ ۲۶۴

دلی میں سرخوش کا حلقہ احباب خاصا وسیع تھا اور ان میں سے اکثر کے ساتھ ان کی بے تکلفی تھی۔ دلی میں سرخوش ایک صوفی مرزا نظام الدین طالع سے بیعت تھے۔ اور انھیں نظام الدین اولیا کہتے تھے۔ ۲۶۵ ایک دوسرے صوفی شاہ جلال تھے۔ ان کے انتقال کے بعد سرخوش کو ان کا خلیفہ مقرر کیا گیا۔ یہ ۱۱۰۵ھ / ۱۷۰۰ء کا واقعہ ہے۔ سرخوش کو خود بھی اپنے تصوف پر ناز تھا۔ اس ضمن میں خوشگو نے سرخوش کی یہ رباعی نقل کی ہے:

چہ اندر تحقیق کسی آگاہ — ابن عربی اول شان دراقواہ

پس مولوی و صحابی و ملا شاہ — ہمچو سرخوش غریب اللہ اللہ ۲۶۶

سرخوش زندہ دل اور پر نشاط شخصیت کے مالک تھے۔ لاہور میں جب وہ اپنے دوست میر معز کے ساتھ مقیم تھے ان کو ایک عورت سے عشق ہو گیا لیکن جب لشکر شاہی نے دہلی کی طرف کوچ کیا تو ان کو اس سے جدا ہونا پڑا۔ اسی اثر کے تحت درج ذیل رباعی کہی ہے

اشکی کہ مرا ز چشم نم دیدہ برفت

لخت دل من بود کہ غلطیدہ برفت

در ہجر تو این نکتہ مرا شد معلوم

کز دل برود ہر آنچہ از دیدہ برفت ۲۶۷

دوستوں اور امرائے عصر سے ان کے اچھے مراسم تھے۔ ناصر علی سے ان کی بچپن کی دوستی تھی۔ میر معز فطرت بھی ان کے دوست تھے اور دونوں ایک دوسرے کے جواب میں اشعار کہتے تھے۔ میر معز سرخوش کا بہت احترام اور قدر کرتے تھے۔

"... فقیر بہ نیاز سرخوش میرفت، و درس علم عربی را موقوف داشت کہ امروز با سرخوش علم عرفان صحبت تصوف و شعر میداریم" اور بر مقدمہ تحسین با میکردند و در بہر انصاف میدادند ..... از راہ قدر دانی میفرمودند کہ در جند کہ آمدہ ام بیش سہ شاعر دیدم، غنی و ناصر علی و سرخوش۔ ۲۶۸

کلمات الشعرا میں سرخوش نے جن امرا سے اپنے تعلق کا ذکر کیا ہے ان میں ہمت خاں، عاقل خاں رازی، بختاور خاں، شیخ سعد اللہ، گوہر آرا بیگم کے نام نظر آتے ہیں۔ ناصر علی اور میر معز سے ان کے نزدیکی تعلقات تھے۔ بیدل سے البتہ ان کے تعلقات کشیدہ رہے اور اکثر شاعرانہ مقابلے اور ادبی معرکے بھی رہے۔ دونوں ایک دوسرے کے جواب میں اشعار اور رباعیاں کہتے تھے۔ بیدل کو درج ذیل رباعی پر بڑا فخر تھا:

www.mujaddidway.com

www.mujaddidway.com

سرِ نیاز خم کیا۔ انھوں نے اپنا دستِ مبارک میری کمر پر رکھا اور کہا "سرخوش! اپنے زمانے میں شاعروں میں تمھارا کوئی ہمسر نہ ہوگا۔"[۶۵]

ابتدا میں وہ منعم ملک شیرازی اور ملا بجود جامی کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ سرخوش تخلص بجود کا دیا ہوا ہے۔ بعد میں وہ حکیم مرزا محمد علی ماہر کے باقاعدہ شاگرد ہوئے۔ ان کے بارے میں سرخوش اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"فقیر در جوانی مدتی شعر را در خدمتش گذرانیده اصلاح گرفته و نیز بیگوید روزی . . . در مجلس شعر خوانی فقیر این مطلع [illegible] برخواندم

کہ قوام دیدہ زاہد جام صہبا بشکند

می پرد رنگم حبابی گر بدریا بشکند

بعد صاحبان سخن زبان آفرین و تحسین گشودند۔ حکیم صاحب تا نصف شب این مطلع بر زبان داشت و می گفت سبحان اللہ در ہند مردی پیدا شود کہ چنین شعر گوید"[۶۶]

محمد علی ماہر ان کو شاگرد سے زیادہ دوست سمجھتے تھے۔ موسوی خان فطرت اگرچہ ان کے استاد نہیں تھے لیکن سرخوش استاد کی طرح ان کا احترام کرتے تھے۔

خداداد صلاحیت شعر گوئی اور اساتذہ کی تربیت نے سرخوش کو بہت جلد ایک مقبول شاعر بنا دیا۔ ان کے دوستوں کی فہرست میں اس دور کے کئی مشہور شاعر تھے۔ وہ ایک معروف شاعر تھے۔ ناصر علی، فطرت، بجود، ملا سعید رازی ان کے نزدیکی حلقہ احباب میں تھے۔ انھوں نے استاد کی حیثیت حاصل کی اور شعر گوئی میں وہ حکم چند بہار، محمد یوسف یتیم، ابراہیم [illegible]، حافظ محمد جمال تلاش، شیخ سعد اللہ گلشن، عبد الرحیم [illegible] اور خوشگو کے کلام پر اصلاح دیتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک صوفی میرزا محمد خلیل نے سرخوش سے کہا کہ تمھیں دونوں خوبیاں حاصل ہیں۔ تم ایک صوفی بھی ہو اور ایک شاعر بھی۔

قرنہا باید کہ تا یک کودکی از راہِ عقل

عارف کامل شود یا شاعر شیریں سخن[۶۷]

میرزا بیدل سے ان کے تعلقات اگرچہ کشیدہ رہتے تھے اور دونوں میں شاعرانہ چشمک رہتی تھی۔ مگر بیدل ان کو نئے خیالات کا حامل شاعر تسلیم کرتے ہیں:

"شاعری عبارت از معنی تازہ یافتن است۔ بگو صاحب تلاش مضمون یاب در عہد تو کجا است"[۶۸]

سرخوش ایک پرگو شاعر تھے۔ ان کی تصانیف کی فہرست خاصی طویل ہے لیکن بیشتر تصانیف ان کے لڑکوں کی لاپرواہی کی وجہ سے ضائع ہو گئیں۔[۶۹] ان کی تصانیف کی فہرست درج ذیل ہے۔

۱۔ دیوان: خوشگو کے بیان کے مطابق ان کا دیوان ... ۵۰ ہزار اشعار پر مشتمل تھا۔ یہ دو دیوان تھے۔ ایک کلاسیکی طرز پر اور دوسرا جدید طرز پر۔ ان میں غزلیں، قصیدے، رباعیاں، چھ مثنویاں اور متفرق اشعار تھے۔[۷۰] سرخوش نے اپنے اشعار کا انتخاب کر کے ایک دیوان مرتب کیا اور اس پر مقدمہ لکھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ ان کا انتخاب ناصر علی اور فطرت کے دیوان کی طرح مختصر ہے اور یہ تمام اشعار ممتاز شعرا کے پسندیدہ ہیں۔ وہ مزید بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنا دیوان بیدل کی خدمت میں پیش کیا۔ دوست و [illegible] کے غیر معیاری اور [illegible] اشعار نکال دیے اور موجودہ دیوان ان کی منظوری کے بعد منظر عام پر آیا ہے۔ یہ دیوان جس کا نام "منتخب گلدستہ معانی" ہے ۱۱۰۳ھ/۱۶۹۲ء میں مکمل ہوا۔ "ہمہ انتخاب" اس کی تاریخ ہے۔ سرخوش کہتے ہیں کہ اس دیوان سے مزید انتخاب ایک احمقانہ فعل ہوگا۔ سرخوش کے ایک دیوان کا جس کا نام منتخب کلیات سرخوش ہے۔ ایک نثری دیباچہ بھی ہے جس کا اقتباس درج ذیل ہے۔

"ہذا آئین سعادت نامہ سرمدی کو مسمی بہ نور محمدی است و مشتمل بر حمد و نعت

منقبت ...... بہار باغ شعر و دیوانی است رنگین و پر رنگین بوستانی است
پر از گلہای معنی گر زبیب دیباچہ اش نور محمدی است و زینت خوانش
صلوات نامہ سرمدی[۱۳۶]

مندرجہ بالا اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کسی دوسرے دیوان کا مقدمہ ہے جس میں اشعار کی رونق کے بیان کیا ہے کہ سرخوش نے دو دیوان مرتب کیے تھے لہٰذا ممکن ہے کہ یہ مقدمہ دیوان غزلیات کے بجائے کلیات کا ہو جو دیباچہ کے بعد غزلیات ، رباعیات اور مثنوی کا انتخاب ہے۔

۲۔ نورِ علی نور : یہ مولانا روم کی مثنوی کے تتبع میں ایک مثنوی ہے جو اس شعر سے شروع ہوتی ہے :

شیشۂ از عقل حکایت میکند   قرۂ ساقی روایت میکند[۱۳۷]

۳۔ حسن و عشق : یہ ایک رومانی نظم ہے جس میں سسی پنوں کی محبت کی داستان ہے جو اس شعر سے شروع ہوتی ہے :

ای سرخوش در دم فرو دوں کی — تکرار ہر قوم سر گلوں کی[۱۳۸]

۴۔ ساقی نامہ : یہ بہت نخاں کے لیے لکھا گیا تھا
۵۔ قضا و قدر[۱۳۹] ۶۔ مثنوی در بیان چند داستان[۱۴۰]
۷۔ مثنوی در تعریف تماشا : یہ بھی بہت نخاں کے لیے لکھی گئی
۸۔ ظفر نامہ شاہ عالم یا جنگ نامہ محمد اعظم[۱۴۱]
۹۔ سوانح : در تتبع شاہ جامی (نثر و نظم)[۱۴۲]
۱۰۔ ترتیب دیوان ناصر علی (در نثر)[۱۴۳]
۱۱۔ بوعلی و سرخوش در بیان ہوش[۱۴۴]
۱۲۔ منظوری کے طرز پر اپنے دیوان پر مقدمہ[۱۴۵]

۳۔ کلمات الشعراء

سرخوش اپنے عہد کے متوسط شعرا میں تھے۔ کلمات میں جا بجا انہوں نے اپنی شاعری کی برتری ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ناصر علی کے بیان میں وہ بڑی مسرت سے کہتا ہے :

"من بیفا نخ ہر گاہ در دیوان خود تحریر میکنم ، ایشان معنی یابی تازہ می یابم کہ شعری دیگر برای یک مصرع عاجز آمدہ گی پابند اما ہیچ کس خریدار نیست بلکہ گوشۂ چشم ہم نمی نگرد :

پو شمل در پردہ بودم کس خریداری نشد — سرخوش از جلوہ تم با خوش سودا بازگشت

یک بیت در تعریف معنی یابی خود گفتہ ام " فی الواقع چنین است :

سرخوش از جلوم تحسنہ معنی جستہ ای ، بعد از این ہر کس کہ گوید شعر مضمون از من است

حقیقت یہ ہے کہ اس ادعا اور تعلی کے باوجود سرخوش کی شاعری کی نسبت ان کا تذکرہ زیادہ مشہور ہوا اور جس کی وجہ سے آج بھی ان کا نام تحقیق والوں میں زندہ ہے۔ کلمات الشعرا مشہور تذکرہ ہے۔ جو ان چند شعرا کے احوال پر مشتمل ہے جو جہانگیر کے عہد سے اور نگزیب کے عہد تک تھے۔ تذکرہ کے نام سے تاریخ ترتیب ۱۰۹۳ / ۱۶۸۲ء برآمد ہوتی ہے لیکن غالباً یہ تذکرہ شروع کرنے کی تاریخ رہی ہوگی کیونکہ سرخوش ۱۱۲۴ھ تک زندہ رہے اور ۱۱۰۸ھ / ۱۷۰۰ء کے بعد وہ تک اس میں اضافہ کرتے رہے کیونکہ اسی سال میں وہ تخت خان عالی کو شاہ عالم کی تاریخ لکھتے ہوئے بتاتے ہیں۔[۱۴۶] اس کے علاوہ ۱۱۰۸ھ میں ناصر علی کی وفات ۱۱۰۸ھ میں کہی گئی ۱۱۱۵ھ میں اپنے بھتیجے اسد اللہ کی ولادت کا ذکر کرتے ہیں۔ کلمات کے ایک مخطوطے سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔

"از دو قیتگی بر تسوید این نسخہ توجہ بود از آن بعد تا سی و دو و دوست

خود نگاشته مرتب ساخته ام به مسوده رہا یاران از غایت شوق بلا رفت
درو بے نظر ثانی از دست بدست نقل گرفته بردند و جا بجا شهرت داده
اگرچه مقصود حاصل گشت اما در کثرت عبارات تغیر و تبدل واقع گشته
واشعار بعضی عزیزان داخل شده رفت۔ کوتاہ که این نسخه ناسخ جمیع مسوده ہا
است هر که ساقی دارد بشوید و این را بجان برابر دارد"۔۳۰۰

اس کے بعد سرخوش اجازت دیتا ہے کہ کوئی اس تذکرہ میں اپنے معاصرین کے حالات اور اشعار کا اضافہ کر سکتا ہے۔ غالباً اسی بنا پر کلمات کے مختلف نسخوں میں شعرا کے تراجم اور اشعار مختلف ہیں۔ بعض جگہ حالات میں بھی تضاد ملتا ہے۔ مثلاً عام مخطوطات میں گیلانی رازی کے حالات میں لکھا ہے "چند تصنیف بی مزہ دیگر هم دارد" لیکن ایک مخطوطہ میں ان کی بہت تعریف کی ہے اور تصانیف کا ذکر کر کے کہتے ہیں "ورا بجا داد سخنوری داده نوازش دیرگاہ دارد"۳۰۱ اسی بنا پر بیجز اور احمد علی سندیلوی نے کلمات پر سخت نکتہ چینی کی ہے۳۰۲

کلمات کے مطبوعہ نسخہ میں شعرا کا ذکر حروف تہجی کی ترتیب سے ہے پہلا شاعر ابو علی (وفات [illegible]) اور آخری شاعر میر یحییٰ کاشی (وفات [illegible]) ہے۔ تذکرہ حمد و نعت سے شروع ہوتا ہے اس کے بعد چند پیراگراف میں اس کتاب کے لکھنے کی غرض بتائی گئی ہے۔

"... بخاطر رسید کہ ... پیشتر بتالیف و ترتیب تذکرہ شعرا پرداخته اند احوال
و اشعار ... کردہ تا بہ سخنوران عہد خویش رسانیدہ اند۔ اکثر تواریخ و تذکرہ
... . لہٰذا شمہ از احوال و اقوال سخن سنجان
عہد ... موافق حروف تہجی بقید قلم در آورده به کلمات الشعرا
موسوم گردانیده ... نام برآورده ....

داخل اهل سخن نیست به پیش دانا   هر که ناموش نبود در کلمات الشعرا۳۰۳

سرخوش نے اس تذکرہ میں ان مآخذ کا ذکر نہیں کیا جہاں سے انھوں نے اپنے پیشرو شعرا کے حالات لیے ہیں۔ بعض شعرا کے ضمن میں ان کا بیان مختصر اور غیر اطمینان بخش ہے مشہور شاعر غنیمت اور بیدل کا ذکر بہت مختصر ہے اور ناکافی ہے۔ بیدل کی سوانح پر ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔

مخزن الغرائب اور سفینہ بیجز کے مصنفین نے اسی بنا پر اس پر سخت تنقید کی ہے۔

احمد علی سندیلوی لکھتے ہیں:

"تذکرہ موسوم بہ کلمات الشعرا نوشتہ و در آن اغلاط و گزاف بسیار بہم یافت
خود را بالا زدہ در شعر میرزا صائب و میرزا فصیحی ہراتی و بر چند شعرای متقدمین گرفته و دخل
تصرف نمودہ ..... ابو طالب کلیم و حکیم حاذق را بجو کرده .... چون از زبان
دانش بہرہ اور حیران بود کسی جرأت آن نداشت کہ بادی در افتد و دخل او بر غلط معلوم
است ...... اکثر اساتذہ را در ... از صواب ... گرفته"۳۰۴

سرخوش نے اپنے حالات ایک جگہ نہیں دیے ہیں بلکہ ساری کتاب میں بکھرے ہوئے ہیں اور ان میں خودستائی پر زیادہ زور ہے وہ ہر معروف شاعر کے تتبع میں کہے ہوئے اپنے شعر نقل کرتے ہیں بعض اوقات اپنی برتری خود ثابت کرتے ہیں اور بعض اوقات قارئین پر فیصلہ چھوڑ دیتے ہیں۔ دوسرے شعرا کے جو اشعار نقل کیے ہیں وہ عام طور پر تاریخ، فطرت اور مآثر کی بیاضوں سے لیے ہیں۔ چند ایرانی شعرا جو ہندوستان نہیں آئے لیکن ان کی شہرت کی وجہ سے ان کو تذکرہ میں شامل کیا گیا ہے مثلاً طاہر وحید۳۰۵ اور میر حیدر شہرہ۳۰۶

مطبوعہ نسخہ میں ۱۹۹ شاعروں کا بیان ہے جو میر یحییٰ کاشی پر ختم ہوتا ہے۔ ریو لکھتا ہے کہ اس کے مخطوطہ میں دو سو شعرا کا ذکر ہے اور اسی جلد کی بعد کی کاپی میں

www.mujaddidiway.com

سعدی، حافظ، خسرو، کمال خجندی، حسن دہلوی اور قاسم انور کا بھی ذکر ہے جو ایک کتاب "انتخاب تذکرۃ الشعرا" سے لیا گیا ہے۔

کلمات الشعرا مختصر خاتمے کے ساتھ ختم ہوتا ہے جس میں کتاب کی اہمیت اور ستائش ہے۔ اس پر وہ لکھتے ہیں۔

"اگرچہ شعر در عالم بسیار اند و سخنوران بے حد و شمار اما فقیر بر احوال ایشاں عزیزان اطلاع یافتہ" [307]

جب کہ تذکرہ کے آغاز میں وہ کہتے ہیں کہ جن کا نام اس تذکرہ میں شامل نہیں وہ دل تنگی میں داخل نہیں یہ اس تضاد کی ایک اور مثال ہے جو اس میں جا بجا ملتا ہے۔ آخر میں کچھ قطعات تاریخ ہیں جن میں سے بہت سے سرخوش کے کہے ہوئے ہیں۔

تاریخ گوئی میں سرخوش کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ راسخ، ناصر علی، محمد علی ماہر، میر معز وغیرہ بہت سی شخصیتوں کی تاریخ وفات نہایت لطیف پیرایہ میں بیان کی ہے۔ یہ سب اور ان کے علاوہ بہت سی تاریخیں کلمات الشعرا میں درج ہیں۔

کلمات الشعرا کی اہمیت کے متعلق صرف اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ یہ اپنی قسم کا واحد تذکرہ ہے جو اس زمانے کے شعرا کے حالات سے روشناس کراتا ہے جبکہ یہ طبقہ کس مپرسی کے عالم میں تھا۔ کلمات الشعرا کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ عالمگیر کے زمانہ میں شعر گوئی کو دربار کی سرپرستی اور تشویق حاصل نہ تھی اور قدر دانوں کی کمی تھی لیکن اس زمانہ میں بھی اچھے شاعروں کی کمی نہ تھی۔

میر محمد احسن ایجاد سرہندی

میر محمد احسن ایجاد سید نور اللہ بن مبارک غزنوی کی اولاد میں تھے [308] جو شمس الدین التمش کے عہد میں آکر دہلی میں مقیم ہوئے۔ ان کے اجداد بعد میں دہلی سے سامانہ ہجرت کر گئے جو سرہند کے تحت تھا۔ ایجاد یہیں پیدا ہوئے اور تعلیم حاصل کی۔ [309] مگر وہ عام طور پر سرہندی کہلاتے ہیں۔ [310] ایجاد نے پہلے نوازش خاں رومی کی مصاحبت اختیار کی۔ [311] میر محمد حسین ناجی بھی اسی امیر سے متعلق تھے۔ ایجاد ایک شعر میں اپنے مربی کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔

بہ ملک بی نیازی می کند ایجاد ما شاہی

کہ از فیض نوازش خان بود تاج و کلاہ [312]

بعد میں ایجاد شہزادہ محمد اعظم کی فوج میں آگئے اور گجرات چلے گئے۔ جہاں وہ بیدل، شاہ گلشن، حاجی اسلم سالم، راسخ اور دوسرے شعرا کی صحبت میں رہے۔ [313] شاید انہوں نے بیدل سے بھی اصلاح لی اور "ایجاد" تخلص بھی بیدل کا عطا کیا ہوا ہے۔ [314] بعد میں غالباً شہزادہ اعظم کے انتقال کے بعد ۱۱۱۹ھ میں محمد ماہ خیر اندیش خاں کمبوہ فوجدار اٹاوہ سے متوسل ہو گئے۔ [315]

ایجاد کی اصل ترقی کا زمانہ اورنگزیب کی وفات کے بعد شروع ہوتا ہے۔ بہادر شاہ اول کے عہد میں وہ نظام الملک آصف جاہ کے نمائندہ کی حیثیت سے شہزادہ عظیم الشان کے دربار میں رہتے تھے۔ [316] ایک قصیدہ میں جو کسی شکایت پر مشتمل تھا ایجاد شہزادہ کو اس طرح خطاب کرتے ہیں۔

شاہ دین پرور عظیم الشان ز روی معدلت

این ستمگر بی ایجاد دست و پا خواہد شکست [317]

www.mujaddidway.com

www.mujaddidway.com

اسی دربار میں ان کو سہ صدی منصب ملا ہوا تھا[318]

فرخ سیر نے انھیں معنی یاب خاں کا لقب عطا کیا اور درباری مورخ کی حیثیت سے شاہی تاریخ فرخ سیر نامہ لکھنے پر مامور ہوئے۔[319] ایجاد جو کچھ لکھتے تھے بروز بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے اور اس کی منظوری کے بعد کتاب میں شامل کرتے تھے۔ اکثر انھیں ایک ہزار روپے اور خلعت ملتا تھا۔[320] ایجاد نے تقریباً [illegible] میں اکبرآباد میں وفات پائی۔[321] ایجاد اپنے دور کی معروف درباری شخصیتوں میں تھے شاہی مورخ ہونے کے بعد ان کی حیثیت اور مرتبہ اور بھی بلند ہو گیا۔ اور بیشتر امرا سے ان کے قریبی تعلقات ہو گئے ان میں فرخ سیر کے وزیر اعظم قطب الملک سید عبداللہ بھی شامل تھے۔ قطب الملک نے فرخ سیر کے اواخر میں ۱۱۲۹ھ/۱۷۱۷ء میں جب ایک جشن "وشنی مہتابی" کا اہتمام کیا تو ایجاد نے ایک تہنیتی قطعہ پیش کیا۔ جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

آفتاب جہان دولت و جاہ — کہ از و آسمان بود بہ حساب

داد ترتیب بزم مہتابی — از برای تمدید قدس جناب

خواند ایجاد بہر تاریخش — مجلس ماہتاب عالمتاب[322]

ایجاد کی تصانیف میں ایک دیوان اور فرخ سیر نامہ ہے جو فرخ سیر کے عہد کی تاریخ مرصع نثر میں ہے۔

دیوان

خوشگو کا بیان ہے کہ ایجاد نے ایک ضخیم دیوان مرتب کیا تھا جو تمام اصناف سخن غزل، قصیدہ، رباعی، مثنوی پر مشتمل تھا۔[323] لیکن موجودہ دیوان میں صرف غزلیات اور رباعیات ہے اور ایک نثری دیباچہ ہے جو شاعر نے خود لکھا ہے۔[324]

ایجاد شاعری میں ناصر علی کے شاگرد تھے۔ انھوں نے بیدل سے بھی اصلاح لی تھی۔ لیکن درج ذیل شعر سے بیدل کے لیے کسی غیر معمولی ستائش کا اظہار نہیں ہوتا ہے

صوبۂ بیدل دل ایجاد را آگاہ ساخت

آبروی شبنم ما ساخت بیجا ریختند[325]

ناصر علی کے لیے ان کے دل میں خاص عقیدت تھی اور انکا اثر ایجاد پر گہرا تھا جو مثال شاعر کی خوبصورت خیال و بیان کے لیے اپنے استاد کی طرف تھی اور وہ اس کے لیے ممنون کرم تھے۔

علی تا قبلۂ ایجاد شد در صورت و معنی — برہمن می پرستد، شیخ می جوید دل ما را[326]

مرا سرمایۂ ایجاد معنی با علی باشد — کہ دارد زیر گردون میر سامانی کہ دارم[327]

وہ ناصر علی کے اور اپنے وطن سرہند کے سفر کی آرزو میں رہتے تھے۔

عنان گردانی ایجاد یکسر سوی سرہند است

خداوندا نگردد باز سر راہ تا نمیرم[328]

ناصر علی کے تتبع اور نزدیکی تعلق کا اثر ہے کہ ایجاد کی غزلوں میں بھی وہی گہرائی اور گیرائی ہے جو ناصر علی کا طرۂ امتیاز ہے۔

ناصر علی اور بیدل کے علاوہ اور بھی متعدد شعرا تھے جن کے طرز سے ایجاد متاثر تھے اور جن کی غزلوں پر انھوں نے غزلیں کہی ہیں۔ ان میں قطرت موسوی، حاجی اسلم سالم، صائب، شاکر، تسلیم اور شوکت اہم ہیں اور ان کے اشعار کو انھوں نے اپنی غزل میں کہا ہے۔

موسوی را این غزل ایجاد اوج فکر بود

جلوہ کردی کہ مہتاب از کنار یار ریخت[329]

این غزل را سالم از ایجاد رنگین تر نوشت

صفحۂ مہتاب مسطر از شکست رنگ بود[330]

کہ بلاک سخن ما ہم ایجاد کہ گفت

آب در دیدہ بعد خون جگر گردانم[331]

[illegible]

غزل اور شنیدنی وارد [illegible]

[illegible]

فرخ سیر نامہ : [illegible] فرخ سیر [illegible] ولادت سے [illegible]

ایک اور منظوم [illegible] فتوحات آصفی یا شاہنامہ [illegible]

[illegible]

میں رہتے تھے (۳۴۶)

نظم و نثر میں ایجاد کے طرز نگارش کی اس کے سوانح نگاروں نے تعریف کی ہے وہ خوشگو اور بیان ہے۔

"نثر به فصاحت و بلاغت تمام نوشته، انشا بطرز خاص می نگارد (۳۴۴)"

محمد افضل سرخوش کلمات الشعرا میں لکھتے ہیں۔

"در خوش خیالی و نازک بندی یگانهٔ زمانه، اصحاب نظم را با تلاش غزلهای طرح را بقدرت و سامان تمام میگوید و نثر را بطرز خاص نو دی نگارد (۳۴۵)"

سعادت یار خاں رنگین سرہندی

سعادت یار خاں رنگین کو عموماً محض اردو کا شاعر خیال کیا جاتا ہے لیکن ان کا فارسی کلام اور تصنیفات بھی اسی قدر اہمیت کی حامل ہیں۔ فارسی نظم و نثر کی وجہ سے ان کا شمار فارسی کے ممتاز شعرا میں ہوتا ہے۔ ان کے والد طہماس بیگ خاں ۱۱۵۲ھ/۱۷۳۹-۴۰ء میں سات سال کی عمر میں نادر شاہ کی فوج کے ساتھ ہندوستان آئے۔ غالباً ان کے دادا نادر شاہ کی فوج میں ملازم ہوں گے۔ طہماس بیگ دہلی میں یتیم ہو گئے ان کو ہفت ہزاری منصب اور معتمد جنگ کا خطاب ملا۔ انہوں نے اس قدر دولت حاصل کر لی کہ ان کی اولاد کو بھی عیش و آرام سے گزرا (۳۵۰)۔

رنگین کی ولادت ۱۱۶۹ھ/۱۷۵۵-۵۶ء میں سرہند میں ہوئی (۳۵۱)۔ وہ خود کہتے ہیں "زسرہند ہستی والد قدم بود" (۳۵۲) ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۲-۰۳ء میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ رنگین کی عمر اس وقت ۴۷ سال تھی (۳۵۳)۔ ان کے تین بھائی اور بھی تھے۔ رنگین کی اولاد میں تین لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔

رنگین نے فنی تربیت اپنے والد سے حاصل کی اور شہزادے کے انچارج کی حیثیت سے

لکھنؤ میں شہزادہ سلیمان شکوہ سے وابستہ ہو گئے۔ لکھنؤ میں نو سال کے قیام کے بعد وہ پہلے بنگال اور پھر گوالیار گئے جہاں وہ خاندان سندھیا کے ملازم رہے اور کوچ سے جھانسی تک کے وسیع علاقے کے انچارج بنائے گئے۔ یہاں ان کو نواب کا خطاب بھی ملا اور انہوں نے عیش و عشرت کی زندگی گزاری (۳۵۵)۔ یہاں چھ سال کی ملازمت کے بعد وہ لکھنؤ اور بعد میں باندہ میں مقیم ہوئے۔ باندہ میں وہ نواب باندہ کے ایک مصاحب شمشیر جنگ سے وابستہ ہو گئے اور طویل عرصہ تک وہاں رہے (۳۵۶)۔

۱۲۵۱ھ/۱۸۳۵-۳۶ء میں ۸۱ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا (۳۵۷)۔ رنگین ایک رنگین طبع شخص تھے۔ وہ بہت سے فنون میں ماہر تھے اور ہر قسم کے لوگوں "شرفا" اور "وزرا، شعرا" حتیٰ کہ کرتب دکھانے والوں سے بھی ان کے تعلقات تھے۔ اس آخری زمرہ والوں سے تعلقات کا اثر ان کی شاعری پر بھی پڑا (۳۵۸)۔ رنگین بہت سی زبانوں میں ماہر تھے اور اردو فارسی کے علاوہ پنجابی، برج، گجراتی، مراٹھی، پشتو، عربی اور ترکی میں شعر کہنے کی صلاحیت اور قدرت رکھتے تھے (۳۵۹)۔ دوسرا کوئی شاعر اس ضمن میں ان کا ہم پلہ نہیں تھا۔ انہوں نے پندرہ سال کی عمر میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا جیسا کہ وہ خود کہتے رہے ہیں:

زدل از رسی پانزده سالگی   سوئے شعر شد رغبت طبع من
چو شد بودت ... نظم   کشیدم بسی درد و رنج و محن (۳۶۰)

رنگین بنیادی طور پر اردو کے شاعر تھے لیکن فارسی اس وقت بھی ادبی زبان تھی اور ہر شاعر و ادیب فارسی میں لکھنے کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتا تھا۔ رنگین ایک پرگو شاعر تھے۔ فارسی میں ان کی درج ذیل تصانیف ہیں۔

تصنیفات:

۱۔ حدیقۂ رنگین۔ یہ فارسی دیوان ہے اور ان کے مجموعہ کلام "نورتن" کا پہلا جز ہے۔ انہوں نے اس کو "نیرنگِ رنگین" کا نام دیا ہے۔ یہ دیوان ۱۲۰۰ھ/۱۷۸۵-۸۶ء میں مکمل

www.mujaddidway.com

ہوا۔ ۳۶۱ بعد میں انہوں نے چند نثری تصانیف اس میں شامل کیں اور ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء اس کا سال تکمیل قرار پایا۔

چو شد باغ دیوان ہم ای دوستاں — تر و تازہ از نظم چو بوستاں
ہزار و دو صد سال وی بود و شش — ملقب من از خود تن اگر دمش ۳۶۲

دیوان کی پہلی غزل کا مطلع ہے:

شنیدم ساقی کوثر توئی آں قبلۂ دلہا
دم آبی کرم کن تشنہ ای حلال مشکلہا ۳۶۳

اسی غزل کے چند شعر ملاحظہ ہوں:

بجز ہجر تو دیگر غم مبادا — بجز عشق تو ہمدم مبادا
شنیدم از طبیبان محبت — کہ اصلا نیست پایان محبت
چو آفت بادگر آمد بر سر من — فدائے عشق و قربان محبت
بخواں یک چند شعر نغز دیگر — توی رنگین غزل خوان محبت ۳۶۴

غزلیات کے علاوہ اس دیوان میں پانچ مخمس، دو مربع، دو مستزاد اور چند رباعیاں و قطعات ہیں۔ اسی مجموعہ میں ایک خاص طرز کی ایک غزل ہے جسے وہ اپنی ایجاد بتاتے ہیں اور "غزل خود بطور ایجاد" اس کا عنوان رکھا ہے۔ اس غزل کا ایک بند ملاحظہ ہو:

صد ظلم از حد فزوں کردی — سرگشتہ دشت جنوں کردی
چوں بودم دلخوں چوں کردی — ای عشق مرا مجنوں کردی
برلالہ رخاں مفتوں کردی ۳۶۵

اس زمانہ کی اردو شاعری میں تصوف کو اس کا صحیح مقام حاصل نہیں تھا اس لیے رنگین کی اردو شاعری میں تصوف کی چاشنی بہت کم ملتی ہے مگر فارسی کلام میں ان کی توجہ تصوف کی طرف زیادہ مبذول نظر آتی ہے۔ چند ذیلی اشعار ملاحظہ ہوں:

کلمہ توحید ای خالق گواہ ذات تست — زاں کہ تو در پردۂ انکار و اقرار آمدی
صاحب خانہ توی ہر مسجد و بتخانہ را — ای کہ صد رہ در دل بت پرست و ترسا آمدی
ہست دایم در دم از دل آہ ہا تعطو — در کلام از بس ز لطف تو دگر بار آمدی ۳۶۶

(خمسۂ رنگین کا چوتھا حصہ) رنگین کا دوسرا کارنامہ ایک مثنوی ہے جو

مثنوی: مولانا روم کی مثنوی کے طرز پر لکھی گئی ہے۔ اس کے موضوعات روحانی تزکیہ، اخلاقی اصلاح اور ثقافتی ترقی ہیں۔ یہ حمد اور نعت کے ساتھ شروع ہوتی ہے:

تو کریمی و رحیمی ای خدا — تو دل رنجور را ہستی دوا
روشنی نور ایماں کن عطا — باز دار از ظلمت جہل و خطا
یا الہ العالمین رب الجلیل — برتری و بہتری از قال و قیل
قطرہ را گوہر نمودی در صدف — بر فلک انجم کشیدی صف بصف
تو عطا کردی شکر در نے شکر — تا کسی را می خورانی کی شکر ۳۶۷

حمد و نعت و خلفائے کبار کی تعریف کے بعد مثنوی شروع ہوتی ہے۔ اس میں ۳۰ داستانیں ہیں۔ چند داستانوں کے عنوانات درج ذیل ہیں۔

حکایت در بیان ملاقات لیلیٰ با مجنوں کوہستانی در بیان مقام عرفان
حکایت در بیان احوال دہقان ضرب المثل برای انسان
حکایت در بیان تعلیم یافتن عالم با میرزا از درویش روشن ضمیر

مثنوی میں چھ سو شعر ہیں جو دس دن میں مکمل ہوئے جیسا کہ وہ کہتے ہیں:

شعر در دہ روز شد شش صد بیاں
از برای خاطر شمشیر خاں ۳۶۸

یہ ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۷-۲۸ء اور ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲-۳۳ء کے درمیان کسی سال میں مکمل ہوئی — رنگین مثنوی کہنے میں ماہر تھے اور انہوں نے سات مختلف

وزن میں سات مثنویاں لکھی ہیں۔[٣٦٩]

۳۔ مجالس رنگین: یہ ایک نثری مجموعہ ہے جس میں رنگین نے شعرا اور دوسرے لوگوں سے اپنی ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے۔ رنگین نے شمالی اور مشرقی ہندوستان میں بہت زیادہ سیر و سیاحت کی تھی اور ہر قسم کے لوگوں سے ان کی ملاقات رہی تھی۔ رنگین نے ان ملاقاتوں کے ضمن میں پیش آنے والے چند دلچسپ واقعات کا بھی ذکر کیا ہے۔ مجالس رنگین اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے جو رنگین نے لکھی ہے۔ اس سے رنگین کی زندگی کے چند ذاتی واقعات کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اسی کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ شاعری میں حاتم ان کے استاد تھے۔

"از پنجاہ سال معمول حضرت شاہ حاتم کہ حاتم تخلص می‌فرمودند در شعر استاد بندہ بودند، مدام چہار گھڑی روز باقی ماندہ در تکیہ شاہ تسلیم شاہ کہ زیر قلعہ مبارک بادشاہی است تا شام نشستہ می ماندند"[٣٧٠]

مجالس رنگین کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رنگین کو اپنی برتری کا احساس تھا جس کا اظہار دوسروں کو اصلاح اور مشورے دینے میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے استاد حاتم کو بھی نہیں بخشا اور ان کے اشعار میں بھی ترمیم و اصلاح کی جیسا کہ مجلس اول میں بیان کیا گیا ہے۔

۴۔ اخبار رنگین: رنگین کی تحریروں سے ان کی شاعری اور زندگی کے بارے میں کثرت سے داخلی شواہد ملتے ہیں۔ اخبار رنگین بھی اسی قسم کی تصنیف ہے۔ اس میں ۱۰۹ ایسے واقعات کا ذکر ہے جن سے ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ بعض واقعات سے اس زمانہ کے ماحول اور عقائد و خیالات کا پتہ چلتا ہے۔ ہر قصہ کے آخر میں اردو اور فارسی کے اشعار ہیں۔ سعدی کے قطعات[٣٧١] کثرت سے نقل کیے ہیں۔ ان واقعات اور قصوں سے ہمیں ان کے لڑکے اختر یار خاں

کے بھائی محمد یار خاں[٣٧٢] جو ایک بہادر سپاہی تھے کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔ اسی کتاب سے ان کے ایک دیوان 'مجموعہ رنگین' کے مرتب کرنے کے سلسلے میں اطلاع ملتی ہے جو سترہ زبانوں میں تھا۔[٣٧٣] نیز ان کی نیت تھی کہ کلکتہ سے کعبہ جائیں۔[٣٧٤]

اخبار رنگین ایک مختصر بیاض یا ڈائری ہے جس میں صرف ۴۰ صفحات ہیں اور کسی ترتیب کے بغیر واقعات درج ہیں۔ زبان سادہ اور آسان ہے۔

رنگین ایک ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔ ان کا علم، اختراعی ذہن، الفاظ اور زبان پر عبور، الفاظ و محاورات کا وسیع ذخیرہ ان کو اس دور کے دوسرے شعرا سے ممتاز کرتا ہے۔ وہ سترہ زبانیں جانتے تھے اور ان میں شعر کہے ہیں۔ 'رنگین نامہ' میں جو 'سبع سیارہ' کا چوتھا باب ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

"مخفی شعر بندہ بست و ہفتم قسم است کہ از ابتدائی خلقت شعر کہ عرصہ دو ہزار سال گزشتہ ند کسی تا امروز سوای حضرت امیر خسرو دہ پانزدہ قسم از آں جملہ نظم کردہ باشند ...... در ہفدہ زبان دیوان نظم کردہ آں 'مجموعہ رنگین' نام نہادہ ام ...... در ہفدہ زبان بجز شعر گفتہ ...... نیز دو یازدہ بحر بہ قصہ جمیل و دو مثنوی کہ بہ قدر بیست ہزار شعر در رند نظم کردہ ام"[٣٧٥]

رنگین نے ابو سعید ابو الخیر، خسرو اور خیام کے طرز پر رباعیاں بھی کہی ہیں مثلاً:

چشمی دارم کہ عمد تماشاست درو — اشکی دارم کہ موج دریاست درو
رنگین دارم دلے پر از خون جگر — یک سر دارم ہزار سوداست درو[٣٧٦]

رنگین اردو کے بھی معروف شاعر تھے اور اپنی ریختی گوئی کے لیے مشہور تھے۔ جو اس زمانہ کا فیشن ہو گیا تھا۔ وہ ایک پر گو شاعر اور نویسندہ تھے اور نظم و نثر کے ۴۴ مجموعے انہوں نے ترتیب دیے۔

وزن میں سات مثنویاں لکھی ہیں۔[۳۹۹]

۳۔ مجالس رنگین: یہ ایک نثری مجموعہ ہے جس میں رنگین نے شعرا اور دوسرے لوگوں سے اپنی ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے۔ رنگین نے شمالی اور مشرقی ہندوستان میں بہت زیادہ سیر و سیاحت کی تھی اور ہر قسم کے لوگوں سے ان کی ملاقاتیں رہی تھیں۔ رنگین نے ان ملاقاتوں کے ضمن میں پیش آنے والے چند دلچسپ واقعات کا بھی ذکر کیا ہے۔ مجالس رنگین اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے جو رنگین نے لکھی ہے۔ اس سے رنگین کی زندگی کے چند ذاتی واقعات کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اسی کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ شاعری میں حاتم ان کے استاد تھے۔

"از پنجاہ سال معمول حضرت شاہ حاتم کہ حاتم تخلص میفرمودند در دور شعر استاد بندہ بودند۔ سہ ام چہار گھڑی روز باقی ماندہ در تکیہ شاہ تسلیم شاہ کہ زیر قلعہ مبارک شاہی است تا شام تشریف می ماندند"۔[۴۰۰]

مجالس رنگین کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ رنگین کو اپنی برتری کا احساس تھا جس کا اظہار دوسروں کو نصائح اور مشورے دینے میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے استاد حاتم کو بھی نصیحتیں کیں اور ان کے اشعار میں بھی ترمیم و اصلاح کی جیسا کہ مجلس اول میں بیان کیا گیا ہے۔

۴۔ اخبار رنگین: رنگین کی تحریروں سے ان کی شاعری اور زندگی کے بارے میں کثرت سے داخلی شواہد ملتے ہیں۔ اخبار رنگین بھی اسی قسم کی تصنیف ہے۔ اس میں وہ ایسے واقعات کا ذکر ہے جن سے ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ بعض واقعات سے اس زمانہ کے ماحول اور عقائد و خیالات کا پتہ چلتا ہے۔ ہر قصہ کے آخر میں اردو اور فارسی کے اشعار ہیں۔ سعدی کے قطعات کثرت سے نقل کیے ہیں۔[۴۰۱] ان واقعات اور قصوں سے ہی ان کے اثر کے تحت پالکھا

کے بھائی محمد یار خاں[۴۰۲] جو ایک بہادر سپاہی تھے کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔ اسی کتاب سے ان کے ایک دیوان 'مجموعہ رنگین' کے مرتب کرنے کے سلسلہ میں اطلاع ملتی ہے جو سترہ زبانوں میں تھا۔[۴۰۳] نیز ان کی نیت تھی کہ کلکتہ سے کعبہ جائیں۔[۴۰۴]

اخبار رنگین ایک مختصر بیاض یا ڈائری ہے جس میں صرف ۴۰ صفحات ہیں اور کسی ترتیب کے بغیر واقعات درج ہیں۔ زبان سادہ اور آسان ہے۔

رنگین ایک ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔ ان کا علم، اختراعی ذہن، الفاظ اور زبان و بیان پر عبور، الفاظ و محاورات کا وسیع ذخیرہ ان کو اس دور کے دوسرے شعرا سے ممتاز کرتا ہے۔ وہ سترہ زبانیں جانتے تھے اور ان میں شعر کہے ہیں۔ 'رنگین نامہ' میں جو سیپارہ کا دیباچہ ہے، وہ لکھتے ہیں:

"مخفی نماند کہ شعر بندہ و بست و ہفتم قسم است کہ از ابتدائی خلقت شعر کہ قریب دو ہزار سال گذشتہ شد کسی تا امروز سوائی حضرت امیر خسرو دہلوی تا دو قسم زیادہ ازان بجا نظم کردہ باشد ..... در ہفدہ زبان دیوان نظم کردہ ام 'مجموعہ رنگین' نام نہادہ ام ..... در ہفدہ زبان بیست شعر گفتہ ..... نیز دیباز دہ بحر و قصد بحر طویل دو مثنوی کہ قدر بیست ہزار شعر دارند نظم کردہ ام"۔[۴۰۵]

رنگین نے ابو سعید ابوالخیر، خسرو اور خیام کے طرز پر رباعیاں بھی کہی ہیں مثلاً:

چشمی دارم کہ ہمہ تماشا ست درو　　اشکی دارم کہ موج دریاست درو

رنگین دارم دلے پر از خون جگر　　یک سر دارم ہزار سودا ست درو[۴۰۶]

رنگین اردو کے بھی معروف شاعر تھے اور اپنی ریختی گوئی کے لیے مشہور تھے جو اس زمانہ کا فیشن ہو گیا تھا۔ وہ ایک پرگو شاعر اور زود نویسندہ تھے اور نظم و نثر کے ۲۰ مجموعے انہوں نے ترتیب دیے۔

کہا ایک شخص نے رنگین پیر سے   تری تصانیف کے نسخے ہیں کتنے
اشارہ لب کی جانب کرکے اس کو   کہا میں نے عدد لب کے ہیں جتنے[۳۴]

ڈاکٹر صابر علی خاں نے ان کی تفصیل اس طرح دی ہے:

پہلا مجموعہ بنام نورتن ہیں ۹ تصانیف، دوسرے مجموعہ "ہشت بہشت رنگین" میں ۸ مثنوی (چھ ہزار اشعار) تیسرا مجموعہ "پنج رنگین" میں پانچ مثنوی پانچ ہزار اشعار کی چوتھا مجموعہ "قصہ رنگین" میں پانچ مثنوی۔[۳۵]

رنگین نے اکیاسی سال کی عمر پائی۔ جس میں سے ۶۷ سال شعر گوئی میں گزارے وہ خوش نصیب ہیں کہ ان کی تصانیف انڈیا آفس لندن کی لائبریری میں محفوظ ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سی تصانیف خود ان کے ہاتھ سے لکھی ہوئی ہیں۔

تو کریمی و رحیمی ای خدا
تو دل رنجور را ہستی دوا

روشنی نور ایمان کن عطا
باز دار از ظلمت جہل و خطا

رنگین سرہندی

باب دوم (۲)

معروف شعرا

حواشی

۱. خوشگو صفحہ ۱ مطبوعہ متن میں حالی کے بجائے خالی لکھا ہوا ہے۔ پاکی پور کیٹلاگ جلد ۸ صفحہ ۷ میں بہرحال حالی تحریر ہے۔

۲. تمام معاصر اور موخر منابع ناصر علی کی جائے پیدائش سرہند ہونے کے متعلق متفق ہیں۔ مگر فرحت الناظرین (او۔ سی۔ ایم جلد ۲، ۲۰۰۰ء) کا مصنف ناصر علی کا تعلق لاہور سے بتاتا ہے۔ نصرآبادی نے (صفحہ ۴۴۰) اس کو کشمیری لکھا ہے۔ وہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ ناصر علی پیدا ہوا تھا۔ مگر خود ہی اس بیان کی مخالفت کرتا ہے۔ شیر خان لودی مصنف مرآۃ الخیال صفحہ ۲۸۰ اور سرو آزاد کے مصنف آزاد بلگرامی ان کو شیخ لکھتے ہیں (سرو آزاد صفحہ ۱۲۶) جبکہ سرخوش (کلمات الشعرا ص ۹۰) اور خوشگو (سفینہ خوشگو ص ۷۰) ان کو میاں اور میاں شاہ کہتے ہیں۔ لیکن وہ سید تھے جیسا کہ خود ان کے شعر سے ظاہر ہے

گر از حسب بپرسی ما تبریم قنبر
ور از نسب بپرسی ما آل مصطفاییم

۳. کلمات الشعرا صفحہ ۱۲۰

۴. مرزا فقیر اللہ سیف اللہ خان پسر تربیت خان بخشی اورنگزیب کے عہد کے ایک امیر اور دانشور تھے۔ ان کے والد تربیت خان عہد شاہجہاں کے امیر تھے۔ فقیر اللہ اسی عہد میں شاہی ملازمت میں داخل ہوئے۔ اورنگزیب کے عہد میں فقیر اللہ نے بڑی کامیابی کا ثبوت دیا اور مختلف جنگوں میں فتح حاصل کی۔ ان فتوحات سے خوش ہو کر اورنگزیب نے

کب ایک شخص نے رنگیں پوچھے ۔۔۔ تری تصانیف کے نسخے ہیں کتنے
اشارہ رب کی جانب کر کے اس کو ۔۔۔ کہا میں نے عدد زیب کے ہیں جتنے[۳۲]

ڈاکٹر صابر علی خاں نے ان کی تفصیل اس طرح دی ہے:

پہلا مجموعہ بنام نورتن ہیں ۹ تصانیف، دوسرے مجموعہ ہشت بہشت رنگین ہیں چھ مثنوی (پچھ ہزار اشعار) تیسرا مجموعہ "پنج رنگین" ہیں پانچ مثنوی پانچ ہزار اشعار کی چوتھا مجموعہ "خمسہ رنگین" ہیں پانچ مثنوی۔[۳۳]

رنگین نے اکیاسی سال کی عمر پائی۔ جس میں سے ۴۷ سال شعر و شاعری میں گزارے وہ خوش نصیب ہیں کہ ان کی تصانیف انڈیا آفس لندن کی لائبریری میں محفوظ ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سی تصانیف خود ان کے ہاتھ سے لکھی ہوئی ہیں۔

تو کریمی و رحیمی ای خدا
تو دل رنجور را ہستی دوا

روشنی نور ایمان کن عطا
باز دار از ظلمت جہل و خطا

رنگین سرہندی

باب دوم (۱)

معروف شعرا

حواشی

۱. خوشگو صفحہ ۱، مطبوعہ نسخہ میں حالی نے بجائے خالی لکھا ہوا ہے۔ بانکی پور لائبریری جلد ۸، صفحہ ۸ پر بہرحال حالی تحریر ہے۔

۲. تمام معاصر اور موخر منابع ناصر علی کی جائے پیدائش سرہند ہونے کے متعلق متفق ہیں۔ مگر نزہت الناظرین (او سی ایم جلد ۲، ۲۱۹) کا مصنف ناصر علی کا تعلق لاہور سے بتاتا ہے نصرآبادی نے (صفحہ ۲۳۰) اس کو کشمیری لکھا ہے۔ وہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ ناصر علی پہلا [illegible] تھا۔ مگر خود ہی اس بیان کی مخالفت کرتا ہے۔ شیر خان لودی کا مصنف مرآۃ الخیال صفحہ ۲۴۹ اور سرو آزاد کے مصنف آزاد بلگرامی ان کا شیخ لکھتے ہیں (سرو آزاد صفحہ ۱۳۷) جبکہ سرخوش کلمات الشعرا (ص ۸۷) اور خوشگو (سفینہ خوشگو ص) ان کو میاں اور میاں شاہ کہتے ہیں۔ لیکن وہ سید تھے جیسا کہ خود ان کے شعر سے ظاہر ہے

گر از نسب پرسی ما قنبریم قنبر
ور از نسب پرسی ما آل مصطفائیم

۳. کلمات الشعرا صفحہ ۱۰۰

۴. مرزا فقیر اللہ سیف اللہ خاں پسر تربیت خاں بخشی اورنگ زیب کے عہد کے ایک امیر اور دانشور تھے۔ ان کے والد تربیت خاں عہد شاہجہاں کے امیر تھے۔ فقیر اللہ اسی عہد میں شاہی ملازمت میں داخل ہوئے۔ اورنگ زیب کے عہد میں فقیر اللہ نے بڑی بہادری کا ثبوت دیا اور مختلف جنگوں میں فتح حاصل کی۔ ان فتوحات سے خوش ہو کر اورنگ زیب نے انھیں

سیف خاں کا خطاب دیا۔ راگ درپن کے نام سے انھوں نے موسیقی کی کتاب مان کتوہل کا ترجمہ فارسی میں کیا۔ اس میں وہ خود لکھتے ہیں (۱۰۸۳ھ/[illegible]) [illegible] میں اورنگ زیب مجھ سے ناراض ہو گیا لیکن [illegible] میں جب بادشاہ کشمیر جانے لگا تو وہ مجھے ساتھ لے گیا اور مجھے وہاں کی صوبیداری عنایت کی۔ [illegible] میں وہ الہ آباد کے گورنر مقرر ہوئے اور ۵ رمضان ۱۰۹۵ھ/[illegible] کو ان کا انتقال ہوا۔ (سرو آزاد صفحہ [illegible]) اس کا لڑکا بھی اسی لقب سے مشہور ہوا لیکن اورنگ زیب کے انتقال کے بعد شہزادہ کام بخش نے بے دردی سے قتل کرا دیا۔ (ماثر الامرا جلد دوم صفحہ [illegible]، سرو آزاد صفحہ [illegible])

۵. سرو آزاد صفحہ [illegible]

۶. صبح گلشن صفحہ [illegible]

۷. دیوان ناصر علی صفحہ [illegible]

۸. میر ملک حسین جن کا لقب خان جہاں بہادر ظفر جنگ کوکلتاش تھا اورنگ زیب کے رضاعی بھائی تھے اور میر ابو المعالی خوافی کے لڑکے تھے۔ انھوں نے جانشینی کی جنگ اور [illegible] کے خلاف [illegible] داراشکوہ کو قید کر کے دلی لائے۔ اس کے بعد ان کو بہت زیادہ نوازا گیا۔ وہ اورنگ زیب کی تمام جنگی مہموں میں شریک رہے اور سلطنت کی توسیع میں نمایاں رول ادا کیا۔ ان کا انتقال [illegible] میں ہوا۔ ان کی لاش [illegible] لے جائی گئی اور وہیں دفن کیا گیا۔ ان کے لڑکوں میں ہمت خاں اور [illegible] خاں بھی [illegible] میں تھے (ماثر الامرا جلد [illegible])

۹. خوشگو صفحہ [illegible]

۱۰. کلمات الشعرا صفحہ [illegible]

۱۱. شکر اللہ خان خوافی [illegible] کا [illegible] اور عاقل خان رازی کا داماد تھا۔ وہ خود شاعر تھا اور خاکسار تخلص تھا۔ وہ سرہند کا فوجدار تھا جہاں سے [illegible] ۱۱۰۷ھ میں [illegible]

لیکن اسی سال اس کو شاہجہاں آباد کا فوجدار بنا دیا گیا۔ دو سال بعد اس کو سکندرآباد کا اور ۱۱۰۵ھ میں نواحی جہان آباد کا فوجدار بنایا گیا۔ خوشگو کے بیان کے مطابق [illegible] میں اس کا انتقال ہوا۔ ایک مختصر دیوان اور مثنوی مولوی پر تفسیر ان کی یادگار ہے (خوشگو صفحہ [illegible]، ماثر الامرا [illegible]، مرآت الاقبال [illegible])

۱۲. دیوان ناصر علی صفحہ [illegible]

۱۳. مرآت الاقبال صفحہ ۲۵۹

۱۴. خزانۂ عامرہ صفحہ ۳۳۰ تاریخ الاذکار صفحہ [illegible] نے شیخ احمد سرہندی کا نام لکھا ہے جبکہ ان کا انتقال ناصر علی کی پیدائش سے پہلے ۱۰۳۴ھ میں ہو چکا تھا۔

۱۵. خزانۂ عامرہ صفحہ ۳۲۹

۱۶. خوشگو صفحہ ۳۰۲

۱۷. خوشگو صفحہ ۳

۱۸. خزانۂ عامرہ صفحہ ۳۲۹ (خواجہ معصوم [illegible])

۱۹. مثنوی ناصر علی ص ۴۵

۲۰. خزانۂ عامرہ ص ۳۳۰

۲۱. خوشگو ص [illegible]

۲۲. بہارستان ص [illegible] ۲۳. سرو آزاد ص [illegible]

۲۴. ذوالفقار خاں جس کا اصلی نام اسمٰعیل تھا وزیر اعظم اسد خاں کا لڑکا تھا۔ [illegible] کے عہد کا مشہور امیر اور ادیبوں و شاعروں کا مربی و محسن تھا۔ فرخ سیر نے ان کو ۱۱۲۴ھ میں قتل کرا دیا۔ اس کے والد نے مندرجہ ذیل شعر اس کے ماتم میں کہا

باتف بچشم خونبار بادہ و چشم خونفشان — گفت ابراہیم اسمٰعیل را قربان کرد

(ماثر الامرا [illegible]، روز روشن ص [illegible])

۲۵. خوشگو ص ۳، خزانہ عامرہ ص ۳۴۳، تاریخ الاکابر (ص ۵۰) نے ایک ہاتھی اور تیس ہزار روپیہ لکھا ہے۔ مآثر الامرا کے مطابق ایک ہاتھی اور پانچ ہزار روپیہ دیا گیا۔ سیرت [illegible] (ورق ۰۰۰) جلد دوم) اس رقم کو بڑھا کر ایک لاکھ بتاتا ہے۔ خزانہ عامرہ (ص ۳۴۳) نے یہ رقم (تیس ہزار روپے) مرزا کا قم اورنگ آباد کی مثنوی پر لکھی ہے مگر یہ عنایت خان کے اشعار سے اس کی تصدیق کرتی تھی۔

۲۶. [illegible] سے بارہ کروہ کے فاصلے پر ایک مشہور شہر ہے۔

۲۷. سرو آزاد ص ۱۰۵-۱۰۶۔ دیوان ناصر علی ص ۵

۲۸. مثنوی ناصر علی ورق ۴۹ (نسخہ [illegible] میوزیم دہلی)

۲۹. دیوان ناصر علی ص ۳

۳۰. اورنگ زیب کے عہد کے اسکالر (ص [illegible])

۳۱. سرو آزاد ص ۱۰۵

۳۲. بہارستان ص [illegible]

۳۳. دیوان ناصر علی نمبر [illegible] Descriptive Catalogue [illegible]

۳۴. کلمات الشعرا ص ۹۹ بہارستان سخن [illegible]

۳۵. سرو آزاد ص ۱۰۶ ید بیضا ورق ۲۰۰، کلمات الشعرا ۹۹۔ خزانہ عامرہ ص ۳۴۳ خوشگو ص ۳

لیکن سرخوش کے دونوں تذکرے [illegible] سال برآمد ہوتا ہے اگرچہ سرخوش نے کلمات الشعرا میں انتقال [illegible] لکھا ہے۔ خوشگو کا ایک اور بیان (ص [illegible]) اور سرخوش (ص [illegible]) کا بیان کہ مرزا [illegible] ناصر علی کے انتقال کے ایک ہفتہ بعد ۲۶ رمضان [illegible] کو فوت ہوئے۔ ناصر علی کی تاریخ وفات یعنی ۵ رمضان [illegible]

متعین کرتا ہے۔

[illegible] نے جلد اول پارٹ II ص ۸۹۵ نمبر ۱۶۳۹ میں ناصر علی کی تاریخ وفات ۵ رمضان ۱۱۰۸ھ لکھی ہے جو درست نہیں ہے۔

۳۶. خوشگو ص ۳۰

۳۷. شیخ اکرام الحق نے شعر العجم فی الہند (ص ۱۰۰) میں لکھا ہے کہ ناصر علی نے تجرد کی زندگی گزاری، جو درست نہیں ہے۔ انھوں نے مندرجہ ذیل شعر سے یہ نتیجہ اخذ کیا:

چو گل از ریزشِ بال و پرم پرواز می آید

تجرد مشربم ترک علاقہ ساختِ اسبابم

۳۸. خوشگو [illegible]

۳۹. خوشگو ص ۴۴ شاہ محمد افضل، شاہ محمد ابوالمعالی کی اولاد سے تھے۔

۴۰. مقالات الشعرا (ص ۸۰۰) و دیوان ص ۵۰ پر اسی غزل کی پہلی لائن کے مطابق ہے لیکن دیگر اشعار قطعی مختلف ہیں۔

۴۱. دیوان ناصر علی ص ۱۱۰

۴۲. [illegible] ص ۱۰۶

۴۳. " ص ۱۰۷

۴۴. " ص ۳۴۳

۴۵. " ص ۸۱

۴۶. " ص ۵۷

۴۷. " ص ۹

۴۸. " ص ۳۹

۴۹. " ص ۱۵

۵۰. " ص ۱۰۱

www.mujaddidway.com

۸۹۔ بہارستان ص ۹۰۸، دیوان ص ۴۸

۹۰۔ تذکرہ بینش ص ۳۰، ۳۱، ۳۲

۹۱۔ قلمی نسخہ دیوان باقی ۰۳.۵۵/۲۰۲۷۴ (نیشنل میوزیم)

۹۲۔ خوشگو ص ۱۶، ۱۷

۹۳۔ تذکرہ بینش ص ۴۲

۹۴۔ ایضاً ص ۴۷

۹۵۔ دیوان ص ۳

۹۶۔ قلمی نسخہ مثنوی ناصر علی ورق ۹

۹۷۔ دیوان ص ۴۲

۹۸۔ خوشگو ص ۳۲

۹۹۔ نتائج الافکار ص ۶۰۰، خوشگو ص ۳۲۔ ۳۳ خزانہ عامرہ۔ ۱۶۸

۱۰۰۔ خوشگو ص ۱۸۹۔ ۱۹۰

۱۰۱۔ روز روشن ص ۳۵۰۔ ۳۵۱

۱۰۲۔ خلاصۃ الافکار (قلمی نسخہ) ورق ۱۰۲ (بی۔ ایم)

۱۰۳۔ کلمات ص ۱۳۸

۱۰۴۔ خوشگو ص ۴

۱۰۵۔ دیوان ص ۲

۱۰۶۔ ریوکیٹلاگ جلد ۲ ص ۶۹۹ نمبر ۳۱۵

اِتھے جلد ۱ پارٹ ۲ ص ۵۹۹ نمبر ۱۰۳۹

۱۰۷۔ دیوان ص ۱۷

۱۰۸۔ قلمی نسخہ دیوان ناصر علی ۰۳.۵۵/۲۰۰۹ (نیشنل میوزیم)

۱۰۹۔ قلمی نسخہ ایضاً

۱۱۰۔ ریو جلد ۲، صفحہ ۶۹۹

۱۱۱۔ ریو جلد ۲، ص ۷۰۰

۱۱۲۔ ریو جلد ۲، ص ۷۰۰

۱۱۳۔ اِتھے جلد اول پارٹ III، ص ۵۹۸

۱۱۴۔ خلاصۃ الکلام بانکی پور VIII، ص ۱۴۲

۱۱۵۔ خزانہ عامرہ ص ۳۲۸

۱۱۶۔ سرو آزاد ص ۲۷۰

۱۱۷۔ اِتھے جلد اول پارٹ ۲ ص ۸۹۸ مخطوطہ نمبر ۱۷۲۰

۱۱۸۔ مثنوی ناصر علی ص ۱۳

۱۱۹۔ " " ص ۲

۱۲۰۔ " " ص ۳

۱۲۱۔ " " ص ۱۶

۱۲۲۔ " " ص ۷

۱۲۳۔ " " ص ۷

۱۲۴۔ " " ص ۸

۱۲۵۔ سرو آزاد ص ۲۷۱

۱۲۶۔ مثنوی ناصر علی ص ۹

۱۲۷۔ " " ص ۴۰

۱۲۸۔ " " ص ۶۵

۱۲۹۔ تذکرہ مردم دیدہ ص ۴۲

۸۹۔ بیاض ... ص ۹۔۱۰، دیوان ص ۲۰

۹۰۔ تذکرہ بینظیر ص ۲۰۔۲۳

۹۱۔ قلمی نسخہ دیوان باقی ص ۵۵، ۲۰ (برٹش میوزیم)

۹۲۔ خوشگو ص ۱۰

۹۳۔ تذکرہ بینظیر ص ۲۲

۹۴۔ ایضاً ص ۲

۹۵۔ دیوان ص ۳

۹۶۔ قلمی نسخہ مثنوی ناصر علی ورق ۹

۹۷۔ دیوان ص ۲

۹۸۔ خوشگو ص ۲۳

۹۹۔ نتائج الافکار ص ۳۰۰، خوشگو ص ۲۰۰، خزانہ عامرہ ۱۴۰

۱۰۰۔ خوشگو ص ۱۰۹۔۱۹۰

۱۰۱۔ روز روشن ص ۳۵۰۔۳۵۱

۱۰۲۔ خلاصۃ الافکار (قلمی نسخہ) ورق ۱۰۲ (برٹش میوزیم)

۱۰۳۔ کلیات ص ۲۰

۱۰۴۔ خوشگو ص ۲

۱۰۵۔ دیوان ص ۲

۱۰۶۔ ریو کیٹلاگ جلد ۲ ص ۶۹۹ نمبر ۲۰۵
(ایتھے جلد ۱ پارٹ ۲ ص ۵۹۵ نمبر ۱۰۳۶)

۱۰۷۔ دیوان ص ۱۰

۱۰۸۔ قلمی نسخہ دیوان ناصر علی ص ۵۵، ۲۰۶ (برٹش میوزیم)

۱۰۹۔ قلمی نسخہ ایضاً

۱۱۰۔ ریو جلد ۲، صفحہ ۶۹۹

۱۱۱۔ ریو جلد ۲، ص ۷۰۰

۱۱۲۔ ریو جلد ۲، ص ۷۰۰

۱۱۳۔ ایتھے جلد اول پارٹ III، ص ۵۹۸

۱۱۴۔ خلاصۃ الکلام رامپور VIII، ص ۱۳۲

۱۱۵۔ خزانہ عامرہ ص ۳۲۸

۱۱۶۔ سرو آزاد ص ۲۳۰

۱۱۷۔ ایتھے جلد اول پارٹ ۲ ص ۵۹۸ مخطوطہ نمبر ۱۰۴۰

۱۱۸۔ مثنوی ناصر علی ص ۱۳

۱۱۹۔ " " ص ۴

۱۲۰۔ " " ص ۳

۱۲۱۔ " " ص ۱۰

۱۲۲۔ " " ص ۷

۱۲۳۔ " " ص ۷

۱۲۴۔ " " ص ۸

۱۲۵۔ سرو آزاد ص ۲۰۱

۱۲۶۔ مثنوی ناصر علی ص ۹

۱۲۷۔ " " ص ۴۰

۱۲۸۔ " " ص ۴۵

۱۲۹۔ تذکرہ مردم دیدہ ص ۲۳

www.mujaddidway.com

۱۳۰۔ خواجہ محمد عاقل پہلے شہزادہ اعظم کی سروس میں تھے پھر آزادانہ زندگی بسر کی۔ ہندی میں بصورت تخلص سے شعر کہے ہیں۔ ۱۱۳۴ھ میں انتقال ہوا۔

۱۳۱۔ کلیات ۱۳۲ ، ۱۳۳

۱۳۲۔ مثنوی ص ۴۵ ، ۴۶

۱۳۳۔ قلمی نسخہ مثنوی دفتر دوم ورق نمبر ۵۵۔۱۳/ ۱۹۶۹ (نیشنل میوزیم)

۱۳۴۔ ایضاً ورق ۴ ۔ ایضاً

۱۳۵۔ ایضاً ورق ۶ ایضاً

۱۳۶۔ ۱۳۷ ایضاً ورق ۲۲ ایضاً

۱۳۸۔ " ورق ۲۷ ایضاً

۱۳۹۔ " ورق ۳۲۳ ایضاً

۱۴۰۔ " ورق ۲۷ ایضاً

۱۴۱۔ قلمی نسخہ مثنوی دفتر سوم ورق ۵۵ (نیشنل میوزیم)

۱۴۲۔ ایضاً ورق ۶۰

۱۴۳۔ " دفتر چہارم ورق ۱

۱۴۴۔ " ایضاً ورق ۲

۱۴۵۔ " " ورق ۸۵

۱۴۶۔ " " ورق ۹۰

۱۴۷۔ مقدمہ عین الحیوٰۃ نمبر ۱۵۔۶۲ (نیشنل میوزیم)

۱۴۸۔ قلمی نسخہ عین الحیوٰۃ ورق ۲/۱

۱۴۹۔ ایضاً ورق ۲، ۸، ۹، ۱۲، ۱۵

۱۵۰۔ ایضاً ورق ۲۹، ۳۰

(یہ خط سید لطیف کے نام ہے)

۱۵۱۔ ریاض الافکار ورق ۴۹

۱۵۲۔ مجمع الافکار (دیکھئے نمبر ۱۲۲) اس مجموعے میں مختلف مصنفین کے انشا کے نمونے ہیں اس کو محمد امین نے جو نظام الملک کے ایک امرا کے یہاں چند کے منشی تھے تالیف کیا تھا۔

۱۵۳۔ صحایف شرایف ۔ ورق ۱۹۱

۱۵۴۔ مرات اقبال ص ۲۵۰ ۔ ۲۵۹

۱۵۵۔ ایضاً ص ۲۶۱

۱۵۶۔ ایضاً ص ۲۶۲

۱۵۷۔ ایضاً ص ۳۱۹

۱۵۸۔ مرات الخیال ص ۱۸ ، ۱۳۴ ، ۲۵۸

۱۵۹۔ نو شگو ص ۱۸

۱۶۰۔ تذکرہ نتائج الافکار ص ۱۶

۱۶۱۔ کلمات الشعرا ص ۵۳

۱۶۲۔ نو شگو ص ۲۷۹

۱۶۳۔ دیوان ناصر علی ص ۶

۱۶۴۔ ایضاً ص ۵

۱۶۵۔ ایضاً ص ۷۷

۱۶۶۔ ایضاً ص ۲۶

۱۶۷۔ شعر العجم فی الہند ص ۱۱۶

۱۶۸۔ دیوان ناصر علی ص ۲

۱۶۹۔ ایضاً ص ۲۷

www.mujaddidway.com

۱۳۰. محمد محمد عاقل پہلے شہزادہ اعظم کی سروس میں تھے پھر آزادانہ زندگی بسر کی۔ ہندو ہیں
بصورت تخلص سے شعر کہے ہیں۔ ۱۱۴۹ھ میں انتقال ہوا۔

۱۳۱. کلیات ۱۳۲، ۱۳۳

۱۳۲. مثنوی ص ۲۵، ۲۶

۱۳۳. قلمی نسخہ مثنوی دفتر دوم ورق ۱ نمبر ۵۵.۰۳.۱۹۰۹ (نیشنل میوزیم)

۱۳۴. ایضاً ورق ۴ ۔ ایضاً

۱۳۵. ایضاً ورق ۹ ایضاً

۱۳۶. ۱۳۷ ایضاً ورق ۲۲ ایضاً

۱۳۸. " ورق ۲۰ ایضاً

۱۳۹. " ورق ۳۳،۳۲ ایضاً

۱۴۰. " ورق ۲۶ ایضاً

۱۴۱. قلمی نسخہ مثنوی دفتر سوم ورق ۵۹ (نیشنل میوزیم)

۱۴۲. ایضاً ورق ۶۰

۱۴۳. " دفتر چہارم ورق ۱

۱۴۴. " ایضاً ورق ۴۲

۱۴۵. " " ورق ۸۵

۱۴۶. " " ورق ۹۰

۱۴۷. مقدمہ عین الحیٰوۃ نمبر ۱۵-۲۰۰ (نیشنل میوزیم)

۱۴۸. قلمی نسخہ عین الحیٰوۃ ورق ۱، ۲

۱۴۹. ایضاً ورق ۱۲، ۸، ۹، ۱۰، ۱۵

۱۵۰. ایضاً ورق ۲۹، ۳۰

۱۵۱. ریاض الافکار ورق ۳۶ (یہ خط سید لطیف کے نام ہے:)

۱۵۲. مجمع الافکار (دیکھیے نمبر ۲۱۲۲) اس مجموعے میں مختلف مصنفین کے اس زمانے کے نثری
نمونے ہیں اس کو محمد امین نے جو نظام الملک کے ایک افسر رائے بدھ چند کی خدمت میں
تھے تالیف کیا تھا۔

۱۵۳. صحایف شرایف ۔ ورق ۱۹۱

۱۵۴. مرات اقبال ص ۲۵۸ - ۲۵۹

۱۵۵. ایضاً ص ۲۶۱

۱۵۶. ایضاً ص ۲۶۲

۱۵۷. ایضاً ص ۳۱۹

۱۵۸. مرات الخیال ص ۱۸، ۱۳۴، ۲۵۷

۱۵۹. خوشگو ص ۱۰

۱۶۰. تذکرہ نتائج الافکار ص ۱۴

۱۶۱. کلمات الشعرا ص ۵۳

۱۶۲. خوشگو ص ۲۶۹

۱۶۳. دیوان ناصر علی ص ۲

۱۶۴. ایضاً ص [illegible]

۱۶۵. ایضاً ص ۴۴

۱۶۶. ایضاً ص ۴۶

۱۶۷. شعر العجم فی الہند ص ۱۱۴

۱۶۸. دیوان ناصر علی ص ۲

۱۶۹. ایضاً ص ۳

www.mujaddidway.com

۱۶۰ - دیوان ناصر علی ص ۵

۱۶۱ - ایضاً ص ۴۰

۱۶۲ - ایضاً ص ۲

۱۶۳ - ایضاً ص ۴،۵

۱۶۴ - ایضاً ص ۷

۱۶۵ - ایضاً ص ۲۸

۱۶۶ - ایضاً ص ۵۸

۱۶۷ - ایضاً ص ۲۵

۱۶۸ - ایضاً ص ۵

۱۶۹ - قلمی نسخہ دیوان ناصر علی نیشنل میوزیم نمبر ۲۰۰۶/۴۳، ۵۵

۱۷۰ - قلمی نسخہ مقامات معصومی ورق ۲۲۲، ۲۲۳ مصنف راسخ کا ہمعصر تھا اس کے بیان سے راسخ کے والد کے نام کے بارے میں اختلاف ختم ہو جاتا ہے نیز میر عادت سے ان کا رشتہ بھی متعین ہو جاتا ہے۔

۱۷۱ - بہارستان ص ۱۰۵

۱۷۲ - مقامات معصومی ورق ۲۲۲

۱۷۳ - خزانہ عامرہ ص ۴۴۳

۱۷۴ - بہارستان ص ۱۰۵

۱۷۵ - ان کا انتقال ۱۱۰۷ھ میں ہوا اور مقامات معصومی ورق ۲۴۳ کے بیان کے مطابق انھوں نے چالیس سال کی عمر پائی لہٰذا ان کی تاریخ پیدائش غالباً ۱۰۶۷ھ ہوگی۔

۱۷۶ - خزانہ عامرہ ص ۲۲۳۔ میر مظفر حسین نواب شاہی ملازمت میں تھے۔ آخر زندگی میں تائب ہو کر سرہند میں زندگی گزاری ۱۱۰۸ھ میں انتقال ہوا (کلمات ص ۴۱)

۱۸۷ - سرو آزاد ص ۱۲۰، ید بیضا ورق ۱۰۳

۱۸۸ - خوشگو ص ۸۰، بیدل اورنگ زیب کے عہد کا مشہور شاعر ۱۰۵۴ھ میں پیدا ہوا اور ۱۱۳۳ھ میں انتقال ہوا۔ حاجی اسلم کشمیر میں پیدا ہوئے اور شیخ محسن فانی کے وسیلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ وہ اعظم شاہ کی ملازمت میں تھے اور ایک اچھے شاعر تھے۔ ۱۱۱۹ھ میں انتقال ہوا۔ حکیم شہرت طبیب اور شاعر تھے اعظم شاہ کی ملازمت میں تھے ۱۱۴۹ھ میں انتقال ہوا۔

۱۸۹ - خزانہ عامرہ ص ۳۰۴

۱۹۰ - خوشگو ص ۸

۱۹۱ - خزانہ عامرہ ص ۴۴۴

۱۹۲ - خزانہ عامرہ ص ۴۴۴، خوشگو ص ۸

۱۹۳ - خزانہ عامرہ ص ۴۴۴

۱۹۴ - کلمات ص ۱۱

۱۹۵ - کلمات ص ۱۰، ۱۱

۱۹۶ - خوشگو ص ۸

۱۹۷ - غنیمت پنجاب کے شیخ زادگان میں سے تھے راسخ کے شاگرد اور ایک اچھے شاعر تھے۔

۱۹۸ - واضح، عالمگیر کے دور کے شاعر تھے ان کو ارادت خاں کا لقب ملا تھا وہ خانخاناں منعم خاں کے دوست تھے جس نے ان کو استاد کا احترام بھی دیا۔ انھوں نے غزل، قصیدہ، مثنوی اور رباعیات پر مشتمل دیوان چھوڑا۔ ان کا انتقال فرخ سیر کے عہد میں ہوا۔ (خوشگو ص ۱۰۲، ۱۰۵)

۱۹۹ - محمد علی ماہر تبریز کے سید اور سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے ایک کانونگو

www.mujaddidway.com

۲۳۹۔ بہارستان ص ۳۰۰

۲۴۰۔ بدیعہ ورق ۱۰۱ نمبر ۱/۲۰۹۰ (علی گڑھ)

۲۴۱۔ قرۃ الغریب ورق ۱۰۱ نمبر ۵/۱۰۵ (علی گڑھ)

۲۴۲۔ سرو آزاد ص ۱۲۰

۲۴۳۔ کلیات ص ۱۰

۲۴۴۔ خوشگو ص ۲۰۶

۲۴۵۔ مرآت الخیال ص ۳۰۳

۲۴۶۔ خوشگو ص ۱۰، کلیات ص ۳۶۳، افضل الملک زمانہ سے اس کی [illegible] جو
جو کہ اسے مولوی [illegible] سے درخواست کر کے لیا تھا۔ خوشگو (ص ۱۰۲) نے [illegible]
کے اس بیان کی تردید کی ہے کہ مرزا قزلباش لاہور میں پیدا ہوا تھا۔

۲۴۷۔ عبد اللہ خاں [illegible] شاہجہاں کا بہت جید منصب دار تھا اور شاعروں و ادیبوں کا
مربی تھا۔

۲۴۸۔ بیاض اشعار نمبر ۲۰۹ میں لکھا ہے کہ وہ قزلباش قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔
(نیشنل میوزیم)

۲۴۹۔ مرآت الخیال ص ۲۷۳ ریو جلد اول ص ۳۶۹

۲۵۰۔ کلیات ص ۱۸۰

۲۵۱۔ کلیات ص ۱۲۰

۲۵۲۔ شعرائے پنجاب ص ۴۳

۲۵۳۔ سفینہ خوشگو ص ۱۱

۲۵۴۔ خزانہ عامرہ ص ۲۰۳

۲۵۵۔ کلیات ۲۰۳

۲۵۶۔ مرآت الخیال ص ۳۰۳

۲۵۷۔ کلیات ص ۵

۲۵۸۔ خوشگو ص ۶۲

۲۵۹۔ بیاض اشعار نمبر ۲۰۔ ۵۴ (نیشنل میوزیم)

۲۶۰۔ مجمع النفائس ورق ۲۰۰، خوشگو ۱۸، ۳۱۷

۲۶۱۔ خوشگو ص ۵۰

۲۶۲۔ خوشگو ص ۶۰، لالہ سکھ راج سبقت لکھنؤ کے باشندے اور بیدل کے شاگرد تھے۔ وہ
امیر الامرا سید حسین علی خاں کی سرکار میں ملازم تھے۔ ان کا انتقال ۱۱۳۳ھ میں ہوا۔
لالہ ملکھ چند ندرت ویش تھے۔ مرزا قزلباش کے شاگرد اور [illegible] کے [illegible] تھے۔

۲۶۳۔ خوشگو ص ۶۲

۲۶۴۔ کلیات ص ۱۸۱، ۱۸۵

۲۶۵۔ کلیات ص ۱۲۲

۲۶۶۔ خوشگو ص ۱۱

۲۶۷۔ کلیات ص ۱۹۳

۲۶۸۔ کلیات ص ۱۹۲/۱۹۳

۲۶۹۔ کلیات ص ۱۹۰

۲۷۰۔ کلیات ص ۳۰۳-۳۰۴

۲۷۱۔ خوشگو ص ۹۰

۲۷۲۔ کلیات ص ۱۹۲

۲۷۳۔ کلیات ص ۵۲

۲۷۴۔ کلیات ص ۱۶۲

www.mujaddidway.com

[illegible]۔ کلمات، ص [illegible] [illegible]
[illegible]
[illegible]۔ کلمات، ص [illegible]
[illegible]۔ کلمات، ص [illegible] توزک، ص [illegible] [illegible]
[illegible]
[illegible]۔ توزک، ص [illegible] [illegible]
[illegible]۔ کلمات، ص [illegible]
[illegible]۔ کلمات، ص [illegible] [illegible]
[illegible]
[illegible]۔ توزک، ص [illegible] [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]۔ کلمات، ص [illegible]
[illegible]۔ کلمات، ص [illegible]
[illegible]۔ توزک، ص [illegible]
[illegible]۔ توزک، ص [illegible]
[illegible]۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]۔ [illegible]
[illegible]۔ توزک، ص [illegible]
[illegible]۔ توزک، ص [illegible]

۲۹۰۔ توزک، ص [illegible]
۲۹۱۔ توزک، ص [illegible]
۲۹۲۔ کلمات، ص [illegible]
۲۹۳۔ توزک، ص [illegible]
۲۹۴۔ کلمات، ص [illegible]
۲۹۵۔ کلمات، ص [illegible]
۲۹۶۔ توزک، ص [illegible]
۲۹۷۔ توزک، ص [illegible]
۲۹۸۔ کلمات، ص [illegible]
۲۹۹۔ کلمات، ص [illegible]
۳۰۰۔ [illegible]
۳۰۱۔ ایضاً [illegible]
۳۰۲۔ [illegible]
۳۰۳۔ کلمات، ص [illegible]
۳۰۴۔ [illegible]
۳۰۵۔ کلمات، ص [illegible]
۳۰۶۔ کلمات، ص [illegible]
۳۰۷۔ کلمات، ص [illegible]
۳۰۸۔ توزک، ص [illegible]
[illegible]
[illegible]
۳۰۹۔ توزک، ص [illegible]

۳۱۰ - فارسی ادب ص ۳۵۱

۳۱۱ - خوشگو ص ۹۰ ، فورستش خاں اسلام خاں رومی (وفات ۱۱۰۰ھ) کے لڑکے تھے ۔ اورنگ زیب کے عہد کے چوبیسویں سال ۱۰۹۱ھ میں ان کو یہ خطاب عطا ہوا ۔ وہ سندھ ، سہرند اور مراد آباد کے فوجدار رہے ۔ عہد میں ۱۱۱۵ھ میں ان کو کشمیر کا گورنر بنایا گیا ۔ وہ ایک اچھے شاعر بھی تھے اور تعالیٰ تخلص تھا ۔ ان کا انتقال بہادر شاہ اول کے عہد میں ہوا (خوشگو ص ۸۹)

۳۱۲ - قلمی نسخہ دیوان ایجاد ورق ۵ نمبر ۱۰۵۰/۳ - ۵۵ (نیشنل میوزیم)

۳۱۳ - خوشگو ص ۹۰

۳۱۴ - ایضاً ص ۹۰

۳۱۵ - ایضاً ص ۹۰ ، خزانۂ عامرہ ص ۱۰۰ ، اسٹوری جلد اول ص ۷۰۰ کا بیان کہ ایجاد (اٹاوہ کے فوجدار تھے) درست نہیں ہے ۔ میر شکر اللہ کے [illegible] خطاب [illegible] خاں کو ایک ہزاری منصب اور اٹاوہ کے علاوہ [illegible] کی فوجداری ۱۱۱۳ھ میں عطا ہوئی تھی (مآثر الامرا ص ۸۰۹)

۳۱۶ - خوشگو ص ۹۰ ، خزانۂ عامرہ ص ۴۰

۳۱۷ - قلمی نسخہ دیوان ایجاد ورق ۵۴

۳۱۸ - خوشگو ص ۹۰ ، تذکرہ بے نظیر ص ۹ ، منتخب [illegible] اور اسٹوری جلد اول ص ۷۰۰ سے [illegible] بتاتے ہیں ۔

۳۱۹ - خوشگو ص ۹۰ ، ہمیشہ بہار ورق ۵

۳۲۰ - خوشگو ص ۹۰ ، خزانۂ عامرہ ص ۴۰ ، ہمیشہ بہار ہندی ص ۳

۳۲۱ - ہمیشہ بہار ورق ۵ ، دیوان ایجاد میں تحریر ہے [illegible] اوائل عہد محمد شاہی (۱۱۳۱ھ) فوت شد ۔ خوشگو ص ۹۰ کا بیان ہے کہ ایجاد اکبر آباد میں ۱۱۳۰ھ میں فوت ہوئے ۔

جب شاہی لشکر شہزادہ بیدار بخت پسر شہزادہ اکبر کی بغاوت کو دبانے کے لیے وہاں پہنچا لیکن یہ تاریخی اعتبار سے درست نہیں معلوم ہوتا کیونکہ شہزادہ مذکور ۲۰ رمضان ۱۰۹۳ھ کو گرفتار ہوا تھا ۔ خزانۂ عامرہ ص ۴۰ ، [illegible] جلد اول ص ۷۰۳ اور ہمیشہ بہار ہندی ص ۱۳ ان کی تاریخ وفات ۱۱۳۳ھ بتاتے ہیں ۔ سپرنگر ص ۱۴۹ بھی دیوان منتخب ایجاد کی بنیاد پر اس تاریخ کی تصدیق کرتے ہیں ۔

۳۲۲ - خوشگو ص ۹۰

۳۲۳ - ایضاً ص ۹۰

۳۲۴ - قلمی نسخہ دیوان ایجاد نمبر ۶۳/۱۹۰۲ - ۵۵ (نیشنل میوزیم)

۳۲۵ - دیوان ایجاد ورق ۳۲

۳۲۶ - دیوان ایجاد ورق ۳

۳۲۷ - دیوان ایجاد ورق ۴۲

۳۲۸ - ایضاً ورق ۴۹

۳۲۹ - ایضاً ورق ۱۹

۳۳۰ - ایضاً ورق ۴۰

۳۳۱ - ایضاً ورق ۴۴

۳۳۲ - ایضاً ورق ۷

۳۳۳ - ایضاً ورق ۳

۳۳۴ - ایضاً ورق ۱۲ ، ۲

۳۳۵ - ایضاً ورق ۲۲

۳۳۶ - ایضاً ورق ۵۰

۳۳۷ - ایضاً ورق ۴۱

www.mujaddidway.com

۳۳۸۔ [illegible] ورق ۴۱

۳۳۹۔ ایضاً ورق ۸

۳۴۰۔ ایضاً ورق ۸

۳۴۱۔ ایضاً ورق ۲

۳۴۲۔ ایضاً ورق ۳

۳۴۳۔ ایضاً ورق ۳۰

۳۴۴۔ [illegible] جلد اول ص ۳۰۲، یہ نسخہ [illegible] صفر ۱۲۲۵ھ [illegible]۔ خزانۂ عامرہ ص ۲۰
میں [illegible] لکھتا ہے [illegible] سفینۂ ہندی ص ۳۳ کو بیان [illegible] منظوم تاریخ ہے
بہر حال اس بیان کی کوئی بنیاد معلوم نہیں ہوتی۔

۳۴۵۔ التصنیف جلد ۳، ص ۹، نمبر ۲۴۳

۳۴۶۔ [illegible] التصنیف نمبر ۲۴۳ ورق ۱۰۰

۳۴۷۔ [illegible] ملفوظات [illegible] التصنیف ۲۴۷، ص ۳۹ تا ۴۵

۳۴۸۔ [illegible] ص ۹

۳۴۹۔ کلیات ص ۱۱

۳۵۰۔ سعادت یار خاں رنگین ص ۳۵

۳۵۱۔ ایضاً ص ۳۵

۳۵۲۔ ایضاً ص ۳۰۹

۳۵۳۔ ایضاً ص ۳۵

۳۵۴۔ ایضاً ص ۳۹

۳۵۵۔ ایضاً ص ۳۹

۳۵۶۔ ایضاً ص ۴۰

۳۵۷۔ سعادت یار خاں رنگین ص ۴۳

۳۵۸۔ ایضاً ص ۴۲-۴۴

۳۵۹۔ ایضاً ص ۴۰

۳۶۰۔ ایضاً ص ۲۰۲

۳۶۱۔ ایضاً ص ۱۰۳

۳۶۲۔ ایضاً ص ۲۰۲

۳۶۳۔ ایضاً ص ۲۰۳

۳۶۴۔ ایضاً ص ۲۰۴

۳۶۵۔ ایضاً ص ۲۹۰

۳۶۶۔ ایضاً ص ۳۰۰، بحوالہ حدیقۂ رنگین

۳۶۷۔ ایضاً ص ۲۹۸

۳۶۸۔ ایضاً ص ۳۰۱

۳۶۹۔ ایضاً ص ۳۳۴

۳۷۰۔ مجالس اول (مجالس رنگین) ص ۳

۳۷۱۔ سعادت یار خاں رنگین ص ۳۳۱

۳۷۲۔ ایضاً ص ۳۳۳

۳۷۳۔ ایضاً ص ۳۳۲

۳۷۴۔ ایضاً ص ۳۳۷

۳۷۵۔ ایضاً ص ۳۴۰-۳۴۷

۳۷۶۔ ایضاً ص ۳۴۱

۳۷۷۔ ایضاً ص ۲۵۳

۳۷۸۔ ایضاً ص ۳۴۳

٣٣٨۔ دیوان انگیختہ ورق ٣١
٣٣٩۔ ایضاً ورق ٥
٣٤٠۔ ایضاً ورق ٥
٣٤١۔ ایضاً ورق ٦
٣٤٢۔ ایضاً ورق ١٢
٣٤٣۔ ایضاً ورق ٣٠
٣٤٤۔ ریختہ جلد اول ص ٣٠٠۔ یہ نسخہ بہرحال ٧٠ صفحہ (١١١) تک ہے۔ ادارۂ ماہرہ ص ٤٠ اس کو شائستہ لکھتا ہے جبکہ سفینۂ ہندی ص ٨٣ کا بیان ہے کہ شاعر ... بہرحال اس بیان کی کوئی بنیاد معلوم نہیں ہوتی۔
٣٤٥۔ تصنیف جلد ٣، ص ٩٠، نمبر ٢٩٢
٣٤٦۔ شاہ پسند رکن تصنیف نمبر ٢٩٣ ورق ١٠٠
٣٤٧۔ شاہ پسند رکن مخطوطات تصنیف ٢٩٢ ص ٣٨، ٤٠، ٤٥
٣٤٨۔ خوش معرکہ ص ٥٩
٣٤٩۔ کلیات ص ١٠
٣٥٠۔ سعادت یار خاں رنگین ص ٣٥
٣٥١۔ ایضاً ص ٣٥
٣٥٢۔ ایضاً ص ١٠٣
٣٥٣۔ ایضاً ص ٣٥
٣٥٤۔ ایضاً ص ٣٨
٣٥٥۔ ایضاً ص ٣٩
٣٥٦۔ ایضاً ص ٤٠

٣٥٧۔ سعادت یار خاں رنگین ص ٤٣
٣٥٨۔ ایضاً ص ٤١، ٤٢
٣٥٩۔ ایضاً ص ٤٠
٣٦٠۔ ایضاً ص ٢٠٢
٣٦١۔ ایضاً ص ١٠٣
٣٦٢۔ ایضاً ص ٢٠٢
٣٦٣۔ ایضاً ص ٢٠٣
٣٦٤۔ ایضاً ص ٢٠٣
٣٦٥۔ ایضاً ص ٢٩٠
٣٦٦۔ ایضاً ص ٢٠٠ بحوالہ حدیقۂ رنگین
٣٦٧۔ ایضاً ص ٢٩٧
٣٦٨۔ ایضاً ص ٣٠١
٣٦٩۔ ایضاً ص ٣٣٣
٣٧٠۔ مجلس اول (مجالس رنگین) ص ٣
٣٧١۔ سعادت یار خاں رنگین ص ٣٣١
٣٧٢۔ ایضاً ص ٣٣٣
٣٧٣۔ ایضاً ص ٣٣٢
٣٧٤۔ ایضاً ص ٣٣٠
٣٧٥۔ ایضاً ص ٣٤٠، ٣٤١
٣٧٦۔ ایضاً ص ٣٤١
٣٧٧۔ ایضاً ص ٤٥٢
٣٧٨۔ ایضاً ص ٣٠٣

www.mujaddidway.com

باب دوم (ب)

دیگر شعرا

سرہند ہمیشہ سے علم و ادب کا گہوارہ رہا۔ مغل دور میں اس کو خصوصی اہمیت حاصل ہوئی۔ اور یہ ایک مردم خیز خطہ بن گیا۔ شعر و ادب اور روحانیت کا ایک عظیم مرکز ہونے کا فخر اس شہر کو حاصل رہا۔ اسی شہر سے حضرت مجدد الف ثانی اور ان کے صاحبزادگان نے تبلیغ اور احیائے دین کا عظیم کام شروع کیا جس نے صرف عوام بلکہ حکومت وقت کا ذہن بھی لادینیت سے دین کی طرف موڑ دیا اور شاہجہاں و اورنگزیب جیسے راسخ العقیدہ بادشاہ تخت نشین ہوئے۔

چند معروف شعرا کے علاوہ جن کا ذکر اس سے قبل ہوا اس شہر میں اور بھی بے شمار شعرا اور ادیب پیدا ہوئے جن کا کام اور کلام اگرچہ معروف شعرا سے کسی طرح کم نہ تھا لیکن زمانہ کی دستبرد سے ان کی تصنیفات محفوظ نہ رہ سکیں اور تاریخ نگاروں میں بھی ان کا ذکر محض زیب داستان و تذکرہ ہو کر رہ گیا ہے۔ جہاں سے اور جس قدر بھی ان کے حالات معلوم ہو سکے تلاش کیے گئے اور یہاں اختصار کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں۔

عیشی حصاری سرہندی

عیشی اکبر کے دور کا شاعر تھا۔ کسی تذکرہ نویس نے اس کا مفصل ذکر نہیں کیا ہے۔ وہ اپنی تعلیم مکمل نہیں

کرسکا اور دہلی کے ایک مدرسے میں درس دینے لگا۔ بعد میں اس کو اکبر کے دربار میں رسائی حاصل ہوئی اور اس کو سرہند کا قاضی مقرر کر دیا گیا۔ شروع میں اس کا تخلص "محتشم" تھا جس کو اکبر کے اشارہ پر بدل کر عیشی کر دیا گیا۔

اس تبدیلی کا ذکر کرتے ہوئے صبح گلشن کے مصنف لکھتے ہیں۔

"روزے رفتہ بحضور جلال الدین محمد اکبر بادشاہ رسیدہ و از حضور شاہی بعہدۂ قضائے سہرند مامور گردید و بادشاہ ارشاد فرمود کہ بار محنت از دوش تو برداشتم و عیشی تخلص گزاشتم" اس نے اپنی باقی زندگی سرہند میں گزاری اور وہیں فوت ہوا۔ مختلف تذکرہ نویسوں نے اس کے مندرجہ ذیل اشعار نقل کیے ہیں۔

بفکر موئے میانت دل کساں گم شد — دل شکستہ ما ہم درآں میاں گم شد

سحر چو روی خود آئینہ در نقاب گرفت — فغاں ز خلق بر آمد کہ آفتاب گرفت

زمین عدم شود از رہ کتابت نقش — بجنگ ساختن صفحہ خاک بر داند

سید جعفر سرہندی

کسی تذکرہ نویس نے ان کا ذکر نہیں کیا ہے شاعر مورخ اور لغت نویس واقع ہوا۔ فیضی سرہندی نے اپنی لغت مدار الافاضل میں ان کا صرف ایک شعر نقل کیا ہے غالباً یہ ملا فیضی کے ہمعصر تھے۔

احوال [illegible] کی در چہ عجب روزگار

دیدن چار [illegible] کو یافت

شیری سرہندی

اکبر کے دور کے شاعر تھے۔ ان کے والد مولانا یحییٰ بھی شاعر تھے۔ سوانح نگاروں نے ان کا درج ذیل شعر نقل کیا ہے۔

ہست از یاد ان لطف ای کریم کارساز — در دل دانا ہر یک قطرہ [illegible]

www.mujaddidway.com

شیری ایک پرگو شاعر تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے دعویٰ کیا تھا کہ ایک رات میں انھوں نے بیس غزلیں کہی ہیں۔ قصیدہ اور قطعہ لکھنے میں وہ اپنے پیشروؤں سے کافی آگے تھے۔

شیری کا انتقال ۹۹۴ھ/۸۶۔۱۵۸۵ء میں کوہستان یوسف زئی میں ہوا۔ ان کے پرگو شاعر ہونے کے دعویٰ کے باوجود ان کا کلام مفقود ہے اور وہ غیر معروف شعرا کی فہرست میں آگئے ہیں اور کسی تذکرہ نویس نے ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔ درج ذیل قطعہ کے چند دیگر اشعار ملاحظہ ہوں:

ای کہ از شعر شیریم برسی گویم از در میانہ انصاف است
نہ ہمہ شعر شاعران سرواست نہ ہمہ بادہ گسار کلاف است
شیری ارزال داکن دعدی کہ مناسب بحال اشراف است
غزل و مثنوی اش ہمہ سقط وین سخن بی ستیزہ بی لاف است
لیک بیت قصیدہ و قطعہ رفتہ از وی زقاف تا قاف است

بستم بنامہ تار سپید و اشارتیست
کز دوری تو در رگ جان خون نماندہ است

مولانا صفائی سرہندی

مولانا صفائی اکبر کے عہد کے غیر معروف شاعر تھے۔ وہ سرہند میں پیدا ہوئے۔ شاعر ہونے کے علاوہ وہ ایک اچھے خوشنویس بھی تھے اور نسخ و نستعلیق بہت اچھا لکھتے تھے۔ ان کے اشعار لطیف اور نازک ہوتے تھے وہ صاف دل اور پاک فطرت انسان تھے۔ ان کے چند اشعار درج ذیل ہیں:-

مہر تو بجان و دل بی کینہ ماست عکس تو ہنوز اندر آئینہ ماست
تو شمع بدرد کہ من مرد عرصہ دردم حدیث عشق بنامرد گو کہ من مردم

ملا محمد یوسف صوفی سرہندی

ملا محمد یوسف صوفی سرہندی جہانگیر کے دور کے ادیب اور شاعر تھے۔ روز روشن کے مصنف نے لکھا ہے کہ وہ مازندران کے رہنے والے تھے۔ جہانگیر کے عہد میں کشمیر میں آکر آباد ہوگئے۔ جہانگیر نے ان کو کشمیر سے بلا کسی سبب سے سخت سست کہا۔ نتیجۃً وہ بھاگ کر سرہند میں آکر آباد ہوئے اور یہیں ان کا انتقال ہوا۔ ایک جملہ "بجرداں بکی شد بحق محمد صوفیؒ" سے ان کی تاریخ وصال ۱۰۲۵ھ/۱۷۔۱۶۱۶ء برآمد ہوتی ہے۔

برمن بنہاد گردش گردوں مدار ما بیکاری و گدائی و سستی ست کار ما
تو ای آہ سحر گاہی در آن دل مکن کاری کہ کار از دست من رفت
شگاف برزمینی در کر بینی گریبان پارہ ای یا سینہ چاک است

ملا محب علی محب سرہندی

ملا محب علی محب ادیب شاعر اور صوفی تھے۔ وہ جامع العلوم تھے اور ان کا شمار علما اور شعرا میں ہوتا تھا۔ وہ امر معروف اور نہی منکر کی پیروی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ صاحبقران ثانی (شاہجہاں) ان کو بہت پسند کرتے اور ان کی بات مانتے تھے۔ اس کے علاوہ شاہجہاں نے حکم دیا تھا کہ جو بھی مسلمان ہونا چاہے وہ ملا محب کے ذریعہ اسلام اختیار کرے۔ انھوں نے بہت لوگوں کو حلقہ بگوش اسلام کیا اور ان کے لیے بادشاہ سے عطیات منظور کرائے۔ ان کے چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں جس سے شعر کے میدان میں ان کی حیثیت واضح ہوگی۔

عشق را خانہ ایست بر سر دار نی در شش بستہ کسی را بار
دل بصورت مدہ کہ کس نشود غنی از نقش درہم و دینار

www.mujaddidway.com

فایض سرہندی

میر شرف الدین حسین فایض ولد میر عماد سرہندی اورنگزیب عالمگیر کے منصبدار تھے۔ وہ ایک مشہور شاعر میر مفاخر حسین ثاقب کے بھائی اور راسخ سرہندی کے چچا تھے۔ میر عماد کا پورا خاندان مجددیہ سلسلے کے صوفیوں کا معتقد اور خواجہ معصوم سرہندی کا مرید تھا۔ میر شرف الدین نے خواجہ معصوم کے مکتوبات کی دوسری جلد ترتیب دی۔ وہ ایک صوفی تھے اور تصوف و سلوک کے تمام مراحل طے کیے تھے۔ ان کے دوسرے بھائی میر منظر حسین بھی خواجہ معصوم کے خلیفہ تھے۔

ان کے چند اشعار درج ذیل ہیں

تراتا دیدم از خود رفتم ای غارت گر دلہا — بہ بیہوشی کشیدا ز مستی چشمت فغان دل
قسمت جگر کردہ چشم سیاہ کیست — شور جنون صدای شکست کلاہ کیست
ای دل پی مال و جاہ سرگشتہ مدام — طبع تو ز فکر بیش و کم تیرہ چو شام
رمزیست لطیف بشنو و خوش دلباش — بیش از قسمت مخواہ بیش از ہنگام

فضل اللہ خوشتر

میاں فضل اللہ، محمد افضل سرخوش کے دوسرے لڑکے اور مشہور شاعر تھے۔ خوشگو لکھتے ہیں کہ انھوں نے بارہ سال کی عمر میں ایک غزل کہی اور اپنے والد کو سنائی وہ اپنے والد کے ہی شاگرد رہے اور انھوں نے ہی ان کا تخلص خوشتر اور ان کے بڑے بھائی کا خوش قلم اور چندراس داس کا خوشگو تخلص رکھا تھا۔ وہ رحمت النساء کوکہ کے بھائی علی احمد خاں کی ملازمت میں تھے اور ان کی نوازش سے ان کو پانصدی منصب اور مغرور خاں کا خطاب ملا تھا۔ خوشتر شاعر بھی تھے اور خوشنویس بھی۔ ایک مرتبہ وہ ایک شکر فروش کے لڑکے قاسم کی محبت میں گرفتار ہو گئے لیکن بعد میں اس سے کسی وجہ سے ناراض ہو گئے

اور ایک دوسرے لڑکے یوسف پر فریفتہ ہو گئے۔ اس سلسلے میں ان کا یہ شعر بھی ہے۔

از بسکہ ز عشق اقتباست مرا — ہر دم بشکر بسی مدارست مرا
از قاسم قند در گذشتم خوشتر — با یوسف مصری سروکاریست مرا

انھوں نے بعد میں خوشتر کے بجائے وجیہ تخلص اختیار کر لیا اور اسی مناسبت سے ان کو جبرور خاں کا خطاب ملا۔ خوشتر کا انتقال ۱۱۴۱ھ/۱۷۲۸ء میں ہوا۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

فتنہ عیش تو از خندہ گل تھا خوشتر — گر بہ ناز تو از گریہ مینا خوشتر
بسکہ سرگرم فن آگہ دیدہ ام ... — قطع راہ زندگانی را بیکپا می کنم
می شود وا ہمچو گل از رشتہ کارم گرہ — غنچہ چند قبا یشں را اگر واہی کنم

میاں علی رضا حقیقت سرہندی

سرہند کے میر خاندان سے اور میر مفاخر حسین ثاقب کے لڑکے تھے۔ انھوں نے طالب علمی کے زمانے سے ہی شعر گوئی شروع کر دی تھی۔ انھوں نے یوسف زلیخا کی بحر میں ایک مثنوی بھی لکھی تھی۔

میاں احمد حسین خالص

سرہند کے سادات میں سے میر محمد حسین کے لڑکے تھے اور سرہند کے ناظم اور اورنگزیب کی فوج کے فوجدار وزیر علی خاں کے رشتہ دار تھے۔ لالہ بھوانی پنڈت نے ان کو تربیت دی وہ ہر گرگر زادگان سے وابستہ تھے۔ وہ مزاحیہ طبیعت کے مالک تھے اور دلچسپ شعر کہتے تھے ایک شعر ملاحظہ ہو۔

ہر سر دفتری را نہ رسد دعوی بالا
یاد ... من سلمہ اللہ تعالیٰ

www.mujaddidiway.com

میرزا نازی شہید سرہندی

وہ میرزا ... کے عزیزوں میں اور ناصر علی کے بھتیجے اور شاگرد تھے۔ شعر و شاعری کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ دیوان اور ایک مثنوی 'طور جنون' اور دوسری دلال کی مثنوی 'سبحۂ سیارہ' کے جواب میں 'ہفت اختر' کے نام سے ان کی تصنیف بیان کی جاتی ہے۔ مثنوی 'طور جنون' کا ایک شعر ہے:

[illegible] — ایں قوالی ... است سبحۂ سلوں

ان کی غزلیات کے چند شعر جو خوشگو نے نقل کیے ہیں، درج ذیل ہیں:

اے نسیم گل ز ... آرزوست — یک گریباں وار چاک ... آرزوست

وصف دامان ... — [illegible]

شہید ... — تنگ ... [illegible]

میر مفاخر حسین ثاقب

میر مفاخر حسین ثاقب میر خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اس خاندان کے دیگر شعرا میر محمد زمان راسخ، میر علی رضا تجلی، میر سید علی جولان، میر احمد حسین تخلص ... بھی مشہور شاعر گزرے ہیں۔ وہ میر عماد کے لڑکے تھے۔ ان کے دوسرے بھائی میر شرف الدین فائض اور میر مظفر حسین تھے۔ یہ تینوں بھائی خواجہ محمد معصوم سرہندی کے مرید تھے۔ میر مفاخر حسین کو شاہجہاں کے عہد میں پانصدی منصب ملا ہوا تھا جس کو انھوں نے ترک کر دیا اور درویشانہ زندگی کا انتخاب کیا اور بقیہ زندگی سرہند میں گزاری تھی۔ ... عہد ... ہجری کے اواخر میں ان کا انتقال ہوا۔

وہ ایک عالی فطرت اور خوشگو شاعر تھے۔ ان کے اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک مقبول شاعر تھے اور دیوان بھی ترتیب دیا تھا مگر

اس کا اب کوئی سراغ نہیں ملتا۔ چند شعر یہاں درج کیے جاتے ہیں:

رنگ ... قامت ... — بسکہ ... گلشن ... [illegible]

... چشم ... — شام ... [illegible]

... — ... [illegible]

... — ... [illegible]

... — ... [illegible]

یہ برگزیدہ سادات سرہند کے قاضیوں میں سے

میر سید علی جولان

تھے۔ خوشگو لکھتے ہیں کہ وہ ... گئے اور ایک غزل پڑھی ... اور کہا کہ انھوں نے کوئی مضمون اور موضوع باقی نہیں چھوڑا ہے۔ تذکروں سے ان کے متعلق زیادہ تفصیلات نہیں ملتی ہیں۔ خوشگو نے ان کے چند شعر نقل کیے ہیں:

... — ... [illegible]

... — ... [illegible]

... — ... [illegible]

سر آمد سرہندی

یہ ناصر علی سرہندی کے شاگرد تھے اور شاعری میں ان کے طرز کی پیروی کرتے تھے۔ ایک شعر درج ہے جس میں ناصر علی کو خراج عقیدت پیش کیا ہے:

... — ... [illegible]

شیخ محمد فاضل جویا سرہندی

محمد فاضل جویا سرہند میں پیدا ہوئے لیکن بعد میں دکن چلے گئے اور شاعری میں کمال حاصل کیا مگر بعد میں مجذوب ہو گئے۔ جب ہوش و حواس

میرزا نازی شہید سرہندی

وہ میرزا روشن ضمیر جن کے عزیزوں میں اور راسخ کے بھتیجے اور شاگرد تھے۔ شعر و شاعری کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ دیوان اور ایک مثنوی 'شور جنون' اور دوسری مثنوی 'اسعد سیارہ' کے جواب میں 'ہفت پیکر' کے نام سے ان کی تصنیف ہیں۔ مثنوی 'شور جنون' کا ایک شعر ہے۔

بیخ دالی پیوست ازین شور جنون	این قوامی [illegible] ست [illegible] سخن

ان کی غزلیات کے چند شعر بھی جو خوشگو نے نقل کیے ہیں درج ذیل ہیں۔

نے نسیم گل نہ سیر لالہ زارم آرزوست	یک گریباں وار چاکے از دل [illegible] آرزوست
وسعت دامان صحرا [illegible] آرزوست	خون شوی ای دل گریہ [illegible]
شہیدم [illegible] کشتی [illegible] سر قلم	تن قتل [illegible] بہ عہد [illegible]

میر مفاخر حسین ثاقب

میر مفاخر حسین ثاقب میر خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اس خاندان کے دیگر شعرا میر محمد زمان راسخ، میر علی رضا حقیقت، میر سید علی جولان، میر احمد حسین مخلص، میر محمد کاظم رتبی بھی مشہور شاعر گزرے ہیں۔ وہ میر عماد کے لڑکے تھے۔ ان کے دوسرے بھائی میر شرف الدین فائض اور میر مظفر حسین تھے۔ یہ تینوں بھائی خواجہ معصوم سرہندی کے مرید تھے۔ میر مفاخر حسین کو شاہ جہاں کے عہد میں پانصدی منصب ملا ہوا تھا جس کو انھوں نے ترک کر دیا اور درویشانہ زندگی کا انتخاب کیا اور بقیہ زندگی سرہند میں گزار دی۔ جہاں گیارہویں صدی ہجری کے اواخر میں ان کا انتقال ہوا۔

وہ ایک عالی فطرت اور خوشگو شاعر تھے۔ ان کے اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک مقبول شاعر تھے اور دیوان بھی ترتیب دیا تھا مگر

اس کا اب کوئی سراغ نہیں ملتا۔ چند شعر جہاں درج کیے جاتے ہیں۔

بسکہ طاعت آلودہ با گناہ کنیم	بسجدہ [illegible] تسکین [illegible]
اشک چشم سرمہ آلودم [illegible]	شام غربت [illegible] بزم [illegible]
راہ دور [illegible] افتادگیہا می شود	ہر کجا پائی [illegible] پیدا می شود
این خرابیہا [illegible]	[illegible] دیوار ما [illegible]
می کند گر [illegible]	[illegible]

میر سید علی جولان

یہ پرگنہ ستام (سرہند) کے قاضیوں میں سے تھے۔ خوشگو لکھتے ہیں کہ وہ پایہ تخت گئے کر ایک غزل پڑھی نیز دعوی کیا کہ 'استاد فقیری' اور کہا کہ انھوں نے کوئی سخن اور موضوع باقی نہیں چھوڑا ہے۔ تذکروں سے ان کے متعلق زیادہ تفصیلات نہیں ملتی ہیں۔ خوشگو نے ان کے چند شعر نقل کیے ہیں۔

حسن سبز او زخط گردیدہ سیر [illegible]	این قدر [illegible] کسی کم دیدہ [illegible]
[illegible] گردد شد سر [illegible]	جامہ زیب [illegible]
[illegible] و فانوس از مردگاں [illegible]	در جہاں [illegible]

سرآمد سرہندی

یہ ناصر علی سرہندی کے شاگرد تھے اور شاعری میں ان کے طرز کی پیروی کرتے تھے۔ ایک شعر درج ہے جس میں ناصر علی کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

[illegible] سرآمد [illegible]	گر [illegible] علی [illegible]

شیخ محمد فاضل جویا سرہندی

محمد فاضل جویا سرہند میں پیدا ہوئے لیکن بعد میں دکن چلے گئے اور شاعری میں کمال حاصل کیا مگر بعد میں مجذوب ہو گئے۔ جب ہوش و حواس

درست ہوئے تو وہ ہندوؤں کے لڑکوں کو تعلیم دیتے تھے۔ ان کے اشعار حسنِ اظہار اور پروازِ تخیل کے آئینہ دار ہیں ؎

ندانم تا چہ دارد با نقاب آں شوخیِ مژگاں
کہ دل شد پردۂ زنبور از یادش چو فرہام

چناں از خانماں آوارگی دارم زبیتابی
کہ نتواں دیدہم در خانۂ آئینہ تمثالم ۳۳

کامگار خاں عالی اورنگ آبادی نے اس کی تعریف اس شعر میں کی ہے ؎

سخن فہمی بجو یا ختم شد چو حسن بر یوسف
کہ پیش از جنبش لب یافت معنی طبع حیرانش ۳۴

شیخ محمود حیران

شیخ محمود حیران عہد اورنگ زیب کے شاعر تھے انھوں نے مشہور شاعر ناصر علی کے طرز کی تقلید کرنے کی کوشش کی لیکن سرخوش کے بیان کے مطابق ازراہ اصلی خود را ہم گم کردہ ۳۵ حیران ناصر علی کے ہمعصر تھے اور دونوں باہم مشق سخن کرتے تھے۔ حیران ایک اچھے خوشنویس تھے اور نستعلیق اور ثلث بہت اچھا لکھتے تھے۔ اس میدان میں ان کی مہارت اور استادی کا ثبوت یہ ہے کہ وہ خوشنویسی میں اورنگزیب کی دختر شہزادی زیب النساء کے استاد تھے۔ ۳۶ حیران کو تصوف سے بھی شغف اور دلچسپی تھی۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

بخلوت خانۂ دل رفت و پیدا کرد عالمہا
درین آئینہ خود دشت بروں ما تماشا

برآں لبہا ز انداز تبسم حال میگردد
زبس نازک گلی کز رنگ خود پامال میگردد ۳۷

اَن نہال شعلہ پروردم کہ ذوقِ سوختن
چوں رگ یاقوت در آتش دواند ریشہ ام ۳۸

جہاں از جلوۂ یکتائی تو شد حیران
چو بعد صرف یک آئینہ گشت تماشا ۳۹

شاہ عبدالاحد وحدت

شیخ عبدالاحد وحدتؒ معروف بہ میاں شاہ گل ۱۰۵۰ھ/۱۶۴۰ء میں سرہند میں پیدا ہوئے۔ وحدت حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے پوتے اور شیخ محمد سعید کے لڑکے تھے۔ وہ ایک درویش تھے اور شریعت و طریقت کی سختی سے پیروی کرتے تھے انھوں نے عربی و فارسی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور حرمین کی زیارت کے دوران عرب و عجم کے علماء سے استفادہ کیا۔ اس عہد کے مشہور صوفی شاہ عبدالرحیم سے بھی ان کے قریبی تعلقات تھے۔ شاہ عبدالرحیم کے نام ان کے خطوط شاہ صاحب کے مجموعہ مکاتیب انفاس رحیمیہ میں شامل ہیں۔ وحدت دہلی میں کوٹلہ فیروز شاہ میں رہتے تھے اور وہیں ان کا انتقال فرخ سیر کے عہد میں ۱۱۲۶ھ/۱۷۱۴-۱۵ء میں ہوا۔ ۴۰ وحدت کو اگرچہ صوفیانہ مشاغل سے دلچسپی تھی مگر فارسی شاعری سے دلی شغف ہونے کی وجہ سے وہ شعر بھی کہتے تھے۔ چالیس سال کی عمر کے بعد انھوں نے شعرگوئی سے توبہ کر لی۔ ۴۱ ان کے دیوان میں غزلیات، قصاید، رباعیات اور قطعات شامل ہیں۔ قصاید اس شعر سے شروع ہوتے ہیں ؎

زہی ز نگہ کمالت کلیم ناطقہ لال
بر آستان جلالت امین پر و بال

غزلیں اس شعر سے شروع ہوتی ہیں ؎

خبر از کعبۂ جاں میرسد در وادی دلہا
بود در جلوہ رشتہ گوہر عیاں ایں رہ صحرا ۴۲

www.mujaddidway.com

ان کے دیوان کے ایک نسخہ میں چند عربی اشعار بھی شامل ہیں۔ مثلاً ؎

الٰہی بحق [illegible] سوختہ [illegible]

محمد [illegible] قمر [illegible]

سوختہ [illegible] کیا [illegible]

[illegible] ایمان را [illegible] [illegible]

ربوبیت [illegible] ایک شعر میں امام اعظم کا ذکر کیا ہے؟

وحدت نے اشعار خاندان کے بزرگوں مثلاً شیخ محمد معصوم [illegible] اور ان کے والد شیخ محمد سعید کی وفات پر [illegible] وحدت کی [illegible] حضرت [illegible] کی [illegible] ہے۔ ان کے [illegible] کی [illegible] میں [illegible] جو ان کو [illegible] ہے انہوں نے [illegible] [illegible] ہے جس سے [illegible] ہے۔ مثلاً [illegible] کے شعر ملاحظہ ہوں۔

[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]

وحدت نے چند [illegible] بھی لکھے ہیں۔ ان [illegible] میں [illegible] [illegible] اشارہ ہے۔ انہوں نے [illegible] [illegible] ہیں جو [illegible] کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

[illegible] محمد	[illegible] محمد
[illegible] محمد	[illegible] محمد
[illegible] محمد	[illegible] محمد
[illegible] محمد	[illegible]
[illegible] محمد	[illegible]
[illegible] محمد	[illegible]

وحدت نے حضرت مجدد الف ثانی [illegible] کی [illegible] میں [illegible]

چند اشعار [illegible] اشعار سے لکھا ہے۔

[illegible] یافتہ ایم

[illegible] یافتہ ایم

[illegible]

[illegible] یافتہ ایم

[illegible] وحدت

[illegible]

[illegible] وحدت کی چند تصانیف کا ذکر ملتا ہے۔

(۱) [illegible] شیخ احمد سرہندی کے نظریہ [illegible] کے متعلق [illegible] ایک [illegible] اس رسالہ میں [illegible] ہے۔

(۲) [illegible] شیخ محمد سعید کی زیارت کے دوران [illegible] [illegible] اس رسالہ میں جمع کئے گئے ہیں۔

(۳) [illegible]

(۴) رسالہ [illegible]

(۵) چار چمن وحدت (یہ غالباً وہی مثنوی ہے جس کا دیو نے ذکر کیا ہے)
(۶) گو یہ نامہ

مشرقی تذکرہ نویسوں نے ان کے جو اشعار نقل کئے ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

بر روز واقعہ تا لو تم از نیاز کشید	کز بردہ الم ز باغ جہاں گل گلی
دل وحدت عشق از غلط کہ شود	گر ستا بلی تو بود ورقی اثر نشود
نقاد گوہر ساز رفت یافت ام	دو قدم بیش نہ بود رفتن تا گلی
بجوان رخش مطلع صبح کجاست	بجوان خطش مصرع فصیح کجاست
بو بجو س ازین بہ تفحص بجست	نسخہ عافیت صحیح کجاست
از تیغ کز زندگی از دو درد خلاست	آتش فگن خرمن طوفان بلاست
ہم تشنہ خون خلق دوام جو ن بلاست	ہم دست قضا دوام زبان اجل است

شیخ سعد اللہ گلشن ان کے نامور شاگرد اور مرید تھے۔ ان کا دیوان ایک لاکھ بیس ہزار اشعار پر مشتمل تھا۔ ان کا انتقال جمادی الآخر ۱۱۴۰ھ/۱۷۲۸ء ۷۰ سال کی عمر میں دہلی میں ہوا۔ گلشن ولی دکنی کے استاد تھے انہوں نے گل کی مناسبت سے اپنا تخلص گلشن رکھا تھا۔

میر معصوم تخلص بہ وجدان ملقب بہ عالی نسب خان

میر معصوم وجدان فرخ سیر کے عہد کے شاعر اور راسخ سرہندی کے بیٹے تھے۔ وہ فرخ سیر کے عہد میں میر جملہ کے ہمراہ لاہور چلے گئے تھے اور وہاں شاہ آفرین سے مثنوی معنوی کے ایک یا دو دفتر پڑھے۔ آفرین نے ان کے اشعار پر اصلاح بھی کی۔ انہوں نے تذکرہ مردم دیدہ کے مصنف کے سامنے اقرار کیا کہ وہ شاہ آفرین کے شاگرد ہیں۔ چند سال

لاہور میں قیام کے بعد وہ جہاں آباد واپس آ گئے لیکن یہاں ان کو محمد شاہ کے عہد میں کوئی کام نہیں ملا لہٰذا وہ مایوس ہو کر واپس لاہور چلے گئے وہاں وہ خواجہ سنگین غلام محی الدین سے وابستہ ہو گئے۔ بعد میں مولوی شرف الدین کشمیری کی سفارش سے نواب عبد الصمد خاں کی ملازمت میں آئے۔ نواب موصوف شعر و شاعری کا دلدادہ تھا اس نے ان کی ضروریات کے لیے ایک معقول رقم مقرر کر دی وہ ان پر بہت مہربان تھا۔ قبل از ظہر اکثر مشاعرے منعقد کرتا تھا اور خود ان مشاعروں کا صدر نشین ہوتا تھا۔ لاہور اور ملتان کے حاکم نواب سیف الدولہ عبد الصمد خاں کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے ذکریا خاں نے اگرچہ ان کی مدد جاری رکھی لیکن اس کو شعر و شاعری کا ذوق نہیں تھا۔ ان ہی مشاعروں میں وجدان کی ملاقات عبد الحکیم حاکم مصنف تذکرہ مردم دیدہ سے ہوئی۔ نور العین واقف، میر زین العابدین عاطر اور وجدان اکٹھے شعر گوئی کرتے تھے۔ وجدان ایک زندہ دل اور حاضر جواب شاعر تھے۔ دربار سے ان کو عالی نسب خاں کا خطاب بھی ملا تھا۔

ان کا انتقال لاہور میں ذکریا خاں کے لڑکوں میر یحییٰ خاں اور شاہنواز خاں کی جنگ کے دوران جمادی الثانی ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء میں ہوا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۷۰ سال سے زیادہ تھی۔ نتائج الافکار کے مصنف نے انتقال کے وقت ان کی عمر ۷۰ سال لکھی ہے۔ ان کے ایک لڑکے میر شمس الدین مستعد بھی شاعر تھے اور دہلی میں رہتے تھے۔

وجدان ایک سخی انسان تھے۔ جو کچھ ان کو ملتا اس کو خرچ کر دیتے اور اکثر مقروض رہتے تھے۔ وہ اپنے دور کے معروف شعرا میں شمار ہوتے تھے اور کسی طرح اپنے والد راسخ سے کم نہ تھے۔ ان کا ضخیم دیوان بیس ہزار

www.mujaddidway.com

اشعار پر مشتمل تھا قصیدے اور مثنویاں اس کے علاوہ ہیں[٩٢]۔

شاعری میں وہ مسلّم استاد تھے۔ انھوں نے نئے موضوعات پر طبع آزمائی کی۔ ان کے اشعار سادہ اور دل نشین تھے وہ مشکل سے مشکل بحر میں شعر کہتے تھے۔ مثلاً نواب موصوف کی مدح میں قصیدہ کا مطلع ملاحظہ ہو

مرادلی است کہ باشد بدرد کاوش و خندہ
چو غنچہ ای کہ بود جا بہ نیش خارش و خندہ[٩٣]

ان کی کچھ غزلیں، مرزا مظہر جانجاناں اور دوسرے شعرا کی غزلوں میں مل گئی ہیں۔ اس سلسلے میں خزانۂ عامرہ میں درج ذیل بیان قابل لحاظ ہے۔

"خان آرزو در مجمع النفائس این رباعی را کہ در ذیل نوشتہ شود بنام میرزا مظہر جانجاناں گزرشتہ شدہ، عبد الحکیم حاکم کہ از یاران ہم طرح عالی نسب خاں (وجدان) است گفت کہ رباعی مذکور بلاشبہ از خان مذکور است مکرر از زبان او شنیدم۔

ہرچند کہ خاکی بظہور آمدہ ایم — از قدسی محفل حضور آمدہ ایم
معذوری گر نمی شناسی ما را — گردی است بر و برہ دور آمدہ ایم

اس مطلع غزل وجدان سے

دامن شہرت تمنا دارم و نے نام میخواہم — فلک گرد گذارد یک نفس آرام میخواہم

در نسخۂ از دیوان شیخ حسین شہرت دیدم و از انجا در سرو آزاد نقل کردم حالا تحقیق پیوست کہ از وجدان است[٩٤]۔ تذکرہ نویسوں نے ان کے اشعار کا کافی انتخاب تذکروں میں دیا ہے۔ چند اشعار یہاں نقل کیے جاتے ہیں

زاہد بروں چوں رخت خود از بزم بادہ
او خیر باد گوید و رندان خدا برد[٩٥]

جان ما فراست بستان دل ایکن طلب نیست
یک شیشہ بود بشکست ہیولی من طلب نیست

لمیر باغ میروم اکثر ان طفل می ترسم
بگل از بسکہ ہم رنگ است در گلزار گم گردد

پس از مردن مرا آں سرو قامت بر مزار آمد
قیامت آمد اما بعد چندین انتظار آمد[٩٦]

ز دربند فقیری شو نہ میل دولت کے کن
سفر در پیش داری ساعتی بنشین و رہ طی کن

یکشند اظہار فقر و فاقہ زرداران وقت
بر شکم ہا سنگ مانند نگیں دامان بستہ اند[٩٧]

میر زین العابدین عاطر میاں نور العین واقف ان کے شاگردوں میں تھے عاطر بخاری سید تھے اور ایمان آباد لاہور میں رہتے تھے۔ اچھے شاعر تھے جوانی عمری میں انتقال ہوا۔ نور العین واقف قاضی امانت اللہ کے لڑکے تھے، ان کا دیوان دس ہزار اشعار پر مشتمل تھا[٩٨]۔

عبد الحکیم حاکم، شاہ آفرین اور میر محمد علی رائج ان کے دوستوں میں تھے[٩٩]۔

میر شمس الدین سند، میر معصوم وجدان کے لڑکے

میر شمس الدین سند تھے اور والد کے ساتھ لاہور میں رہتے تھے اور اپنے اشعار پر ان سے ہی اصلاح لیتے تھے۔ حاکم لکھتے ہیں کہ وہ شاہجہان آباد میں گمنامی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ خوشگو نے ان کے چند شعر نقل کیے ہیں

چہ کند کسی چہا از طالع ناسازی آید — دعا از چرخ چوں تیر ہوائی باز گردد
عاشقی را بر زمین زد محشر فریاد من — سر بسر در راہ فغانم خاکساری میکند[١٠٠]

اشعار پر مشتمل تھا قصیدے اور مثنویاں اس کے علاوہ ہیں۔[۲۲]

شاعری میں وہ مسلم استاد تھے۔ انھوں نے نئے موضوعات پر طبع آزمائی کی۔ ان کے اشعار سادہ اور دل نشین تھے وہ مشکل سے مشکل بحر میں شعر کہتے تھے۔ مثلاً نواب موصوف کی مدح میں قصیدہ کا مطلع ملاحظہ ہو۔

مراد دل است کہ باشد بدرد کاوش وقندہ

چو غنچہ کہ بود بپا بہ نیش خارش و خندہ[۲۳]

الغرض کچھ غزلیں، مرزا مظہر جانجاناں اور دوسرے شعرا کی غزلوں سے مل گئی ہیں۔ اسی سلسلے میں خزانہ عامرہ میں درج ذیل بیان قابل ملاحظہ ہے۔ خان آرزو در مجمع النفائس این رباعی را کہ در ذیل نوشتہ شود بنام میرزا مظہر جانجاناں گرفتہ شدہ، عبد الحکیم حاکم کہ از یاران ہم طرح عالی نسب خاں (وجدان) است گفت کہ رباعی مذکور بلا شبہ از خان مذکور است مکرر از زبان او شنیدم۔

ہر چند کہ خاکی بحضور آمدہ ایم — از قدسی محفل حضور آمدہ ایم
معذوری گر نمی شناسی ما را — گر دل است بعذر راہ دور آمدہ ایم

دس مطلع غزل وجدان سے

دس شہرت تمنا دارم ونے نام می خواہم — فلک گر وا گذارد یک نفس آرام می خواہم

در نسخہ از دیوان شیخ حسین شہرت دیدم و از انجا در سرو آزاد نقل کردم حالا تحقیق پیوست کہ از وجدان است۔[۲۴] تذکرہ نویسوں نے ان کے اشعار کا کافی انتخاب تذکروں میں دیا ہے۔ چند اشعار یہاں نقل کیے جاتے ہیں

زاہد بروں چوں رخت خود از بزم بادہ
او خیر باد گوید و رنداں خدا برد[۲۵]

جاں حاضر است بستاں، دل بیکراں طلب نیست
یک شیشہ بود شکستہ پہلوی من طلب نیست

بسیر باغ میرود اکثر آں طفل می ترسم
بگل از بسکہ ہم رنگ است در گلزار گم گردد

پس از مردن مرا آں سرو قامت بر مزار آمد
قیامت آمد اما بعد چندیں انتظار آمد[۲۶]

ز در بند فقیری شود نہ میل دولت کے کن
سفر درویش داری ساعتی بنشین و دعا می کن

یکند اظہار فقر و فاقہ زرداران وقت
بر شکم ہا سنگ مانند نگیں دادن بستہ اند[۲۷]

میر زین العابدین عاکر میاں نور العین واقف ان کے شاگردوں میں تھے۔ عاکر بخاری سید تھے اور امین آباد لاہور میں رہتے تھے۔ اچھے شاعر تھے جوانی ہی میں انتقال ہوا۔ نور العین واقف قاضی امانت اللہ کے لڑکے تھے۔ ان کا دیوان دس ہزار اشعار پر مشتمل تھا۔[۲۸]

عبد الحکیم حاکم، شاہ آفرین اور میر محمد علی رائج ان کے دوستوں میں تھے۔[۲۹]

میر شمس الدین سند: میر معصوم وجدان کے لڑکے **میر شمس الدین سند** تھے اور والد کے ساتھ لاہور میں رہتے تھے اور اپنے اشعار پر ان سے ہی اصلاح لیتے تھے۔ حاکم لکھتے ہیں کہ وہ شاہجہاں آباد میں گمنامی کی زندگی بسر کرتے تھے۔[۳۰] خوش گو نے ان کے چند شعر نقل کیے ہیں

بہ کند کسی چو بہ از طالع ناسازی آید — دعا از چرخ چوں تیر ہوائی باز می گیرد
خامشی را برزمین زد ہمہ فریاد من — سرمہ در راہ فغانم خاکساری می کند[۳۱]

www.mujaddidway.com

میاں علی عظیم ناصر علی سرہندی کے لڑکے اور محمد شاہ کے عہد کے شاعر تھے۔ ان کا پورا نام عظیم الدین محمد تھا جیسا کہ خود ناصر علی نے کہا ہے ؎

عظیم الدین محمد صاحب ہوش　　　　من و تو ہر دو یک خواب فراموش

ان کے دوسرے دو بھائی علی علیم اور علی کریم بھی شاعر تھے۔ "مخزن الغرائب کے مصنف کے مطابق انھوں نے معقول تعلیم حاصل کی" وہ تیر اندازی، شطرنج اور خاتم بندی میں بھی ماہر تھے "علی عظیم نے محمد شاہ کی ملازمت میں آرام و اطمینان اور عزت کی زندگی بسر کی۔" حاکم تذکرہ مردم دیدہ میں لکھتے ہیں کہ "نادر شاہ کی واپسی کے بعد میں ان سے جہان آباد میں باغ بیگم میں ملا اور میں نے ان کو ایک قابل احترام شخص پایا۔ جب میں نے ان سے ان کے والد (ناصر علی) کا ذکر کیا تو انھوں نے بڑے اشتیاق سے سنا۔ اپنا دیوان نکالا اور کچھ شعر سنائے۔ اگرچہ وہ استاد کے بیٹے اور خود ماہر فن ہیں لیکن اپنے والد کی سی مقبولیت حاصل نہیں کر سکے۔ ان کے اشعار بھی زیادہ مشہور نہیں ہوئے جب میں نے ان سے ذکر کیا کہ میرے پاس ناصر علی کا ایک خط ہے جو انھوں نے حاجی فرید دین شایق کو لکھا تھا تو انھوں نے کہا کہ وہ تحریر مجھ کو بھیج دیں کیونکہ شہر میں والد کی کوئی تحریر ان کے پاس نہیں ہے۔ میں نے وہ خط ان کو بھیج دیا جو انھوں نے نقل کر کے واپس کر دیا۔"

خوشگو لکھتے ہیں:

میاں ناصر علی در وقت احتضار ایشاں را (علی عظیم) کہ یازدہ سالہ بود نزد طلب فرمودہ بہ نگاہ حسرت آلود دید و ایں بیت خواند:

"عظیم الدین محمد صاحب ہوش　　　　من و تو ہر دو یک خواب فراموش"

معلوم ہوتا ہے کہ ناصر علی ان کے ذریعہ معاش کے سلسلہ میں پریشان

تھے۔ ذوالفقار خاں کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

"خدمتی برای او معین باید کرد کہ از دست او بر آید۔"

اسی امیر کے نام ایک اور خط میں ناصر علی ان کے لیے مدد معاش کی درخواست کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لہٰذا در خدمت گرامی معروض کہ قطعہ زمین . . . . در قصبہ پانی پت بنام ملاحظہ"

اسی کے نتیجہ میں غالباً علی عظیم کو جاگیر اور چار بیس منصب ملا تھا۔

علی عظیم پیدائشی شاعری تھے اور اپنے والد کے شاگرد تھے۔" ان کے اشعار میں احساسات کی شدت اور گرمی پائی جاتی ہے۔ ان کے زیادہ اشعار سوز و گداز سے بھرے ہوتے ہیں۔ حاکم کی تحریر کے مطابق وہ صاحب دیوان تھے علی عظیم کا انتقال بارہویں صدی ہجری کے وسط میں محمد شاہ کے عہد کے آخری دور میں ہوا۔ شاہ سعد اللہ گلشن، میرزا حاتم بیگ حاتم، میاں عصمت اللہ لائق اور سراج الدین علی خاں آرزو ان کے دوستوں میں تھے۔" ان کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

از نوایں عدم تا سر بازار وجود　　　　بتلاش کفنی آمدہ عریانی چند

اشارت کشتہ ام تا چون رقیب ماتو آگاہ شد　　　　خدا او تماچہ پیش آمد دل دیوانہ ما

بروں از شہر و وحشت گرد دشت و یرانہ دارم　　　　چو مژگان در سواد چشم آہو خانہ دارم

ہر کہ شد محو تو از قید بدار و خبری　　　　چو گہر رشتہ جہت افتادہ بیگانہ را دل

کسی تذکرہ نویس نے ان کا ذکر نہیں کیا ہے صرف

اجابت سرہندی روز روشن نے ان کے متعلق ایک جملہ لکھا ہے کہ وہ ایک اچھے شاعر تھے۔ دو شعر انھوں نے ان سے نقل کیے ہیں۔

نالہ ای کہ گشادہ دل تنگ است ایجا　　　　پیچ تا مہ زمرمہ بال خدنگ است ایجا

www.mujaddidway.com

طفلاز مزاجی کمن ای اشک رواں باش
چون گرد بدامن منشین آب رواں باش

مولانا حاکی سرہندی حاکی ایک اچھے شاعر اور اچھے خوشنویس تھے اس سے زیادہ تفصیل ان کے متعلق معلوم نہیں ہفت اقلیم کے مصنف نے ان کا ایک شعر نقل کیا ہے :۔

چنان با نعم دارد زلطفی نسبت خویشی
کہ مقراض اجل نتواند این پیوند ببریدن

میر محمد کاظم رافعی یہ دراصل ترمذ کے نجیب گھرانے سے تھے۔ ان کے والد عبدالقاسم خاں، حکومت ... کے پیشکار خان سامان احمد حسین کے بھائی تھے۔ وہ سرہند کے نزدیک "راجگی کوٹلا" میں اکبر آباد جیسے جو ان کے والد نے راجپوتوں سے حاصل کیا تھا۔ یہاں انھوں نے ایک قلعہ بھی بنایا۔ رافعی ایک باصلاحیت شاعر تھے اور علوم متداولہ میں مہارت رکھتے تھے۔ ان کو کوئی استاد نہیں ملا لہٰذا اچھے برے ہر قسم کے اشعار موجود ہیں۔

بہار تازہ دیدم ز حسن نیم رنگ امشب
کہ می زد آتشی صد رنگ در شہر فرنگ امشب

ہم نیاید دل صد چاک بکام تا دم محشر
ز مژگان درازی خوردہ ام زخم خدنگ امشب

وسعت سرہندی ان کے متعلق تمام تذکرے خاموش ہیں۔ صرف صبح گلشن نے ایک سطر میں ان کا تعارف کرایا ہے

"وسعت سہرندی از شعرای وسیع المشرب ہندی است"

ان کے درج ذیل شعر نقل کئے جاتے ہیں:

سپند آتشی نازم کسی نشنید آوازم
اسیر چنگل بازم بلاک چشم مخمورم

جنون حیرتم آئینہ دار گلشن طورم
چمن پروردہ عشقم بہار خون منصورم

شرارم شعلہ ام داغم کبابم آتشم دودم

تپیدنہای زخم اضطراب جنس مجروم
دلم در دم غمم آزاد عشقم بندہ حسنم

نمک پروردہ بحران جذام صد بیان محرومم

عزت ارباب معنی نیست از نام پدر
بی نیاز از بحر گردد قطرہ چون گوہر شود

اہل ہمت را نشاید تکیہ بر بازوی کس
خیمہ افلاک بی چوب و طناب استادہ است

ناصر علی سرہندی

www.mujaddidway.com

طفلان مزاجی کمن ای اشک روان باش   چون گرد بدامن منشین آب روان باش

مولانا حاکی سرہندی حاکی ایک اچھے شاعر اور اچھے خوشنویس تھے اس سے زیادہ تفصیل ان کے متعلق معلوم نہیں ہفت اقلیم کے مصنف نے ان کا ایک شعر نقل کیا ہے۔

چنان با غم دارد ربطی نسبت خویشی   کہ معراض اجل نتواند این پیوند ببریدن

میر محمد کاظم رافعی یہ دراصل ترمذ کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد عبدالقاسم خاں، حکومت کے نامی شکار خان سامان احمد حسین کے بھائی تھے۔ وہ سرہند کے نزدیک رانگی کو تعلقہ میں آ کر آباد ہوئے جو ان کے والد نے راجپوتوں سے حاصل کیا تھا۔ یہاں انھوں نے ایک قلعہ بھی بنایا۔ رافعی ایک با صلاحیت شاعر تھے اور علوم متداول میں مہارت رکھتے تھے۔ ان کو کوئی استاد نہیں ملا لہٰذا اچھے برے ہر قسم کے اشعار موجود ہیں۔

بہار تازہ دیدم ز حسن نو رنگ امشب
کسی زد آتشی صد رنگ در شہر فرنگ امشب

ہم نباید دل صد چاک بکام تا دم حشر
ز مژگان درازی خوردہ ام زخم خدنگ امشب

وسعت سرہندی ان کے متعلق تمام تذکرے خاموش ہیں۔ صرف صبح گلشن نے ایک سطر میں ان کا تعارف کرایا ہے

"وسعت سرہندی از شعرای وسیع المشرب ہندی است"

ان کے درج ذیل شعر نقل کئے جاتے ہیں۔

سپند آتش نازم کسی نشنید آوازم   اسیر چنگل بازم ہلاک چشم مخمورم
جنون جیرم آئینہ دار گلشن طورم   چمن پروردۂ عشقم بہار خون منصورم

شرارم شعلہ ام داغم کبابم آتشم چو شمعم
تپیدنہای زخم اضطراب جنس مخمورم
دلم دردم غمم آزادِ عشقم بندۂ حسنم
نمک پروردۂ سبز الم ہندم صد چیان مخمورم

عزت ارباب معنی نیست از نام پدر
بی نیاز از بحر گردد قطرہ چون گوہر شود

اہل ہمت را نشاید تکیہ بر بازوی کس
خیمہ افلاک بی چوب و طناب استادہ است

ناصر علی سرہندی

www.mujaddidway.com

باب دوم (ب)
دیگر شعرا
حواشی

۱۔ مجمع النفائس ص ۲۰۹، قران الغرائب سے بھی یہی تحقیق ہوتا ہے۔ روز روشن سے بھی
کلمات بیضا سے منتخب التواریخ جلد سوم ص ۲۰۰، روز روشن میں لکھا ہے کہ اس کو
فقیر کلیں ہے سے واقف۔

۲۔ منتخب التواریخ جلد سوم ص ۲۰۰

۳۔ مجمع النفائس ص ۲۹۹

۴۔ مآثر الامرا جلد ۱ ص ۲

۵۔ طبقات شاہجہانی ورق ۲۰۰

۶۔ طبقات شاہجہانی ورق ۲۰۱

۷۔ ہفت اقلیم جلد ۱ ص ۲۲۴، روز روشن ص ۲۵۱ نے اس کا تخلص صادق لکھا ہے۔

۸۔ روز روشن ص ۲۰۱

۹۔ روز روشن ص ۵۰۴

۱۰۔ طبقات شاہجہانی ورق ۲۵

۱۱۔ مقالات معصومی ورق ۲۲۴

۱۲۔ روضات التقیہ جلد ۱ ص ۲۲۴

۱۳۔ روز روشن ص ۵۹

۱۴۔ کلمات الشعرا ص ۱۰۷

۱۵۔ شمع انجمن ص ۳۰۰

۱۶۔ خوشگو ص ۱۰۱

۱۷۔ قران الغرائب ورق ۳۰

۱۸۔ خوشگو ص ۲۰۱

۱۹۔ خوشگو ص ۲۰۱، قران الغرائب ورق ۲۰۱، سفینۂ ہندی ص ۹۰

۲۰۔ قران الغرائب ورق ۲۰، روز روشن ۲۲۹

۲۱۔ خوشگو ص ۳۴

۲۲۔ ایضاً ص ۳۹

۲۳۔ ایضاً ص ۵۹

۲۴۔ قران الغرائب ورق ۲۰ نے اس کا نام میر تقی حسین لکھا ہے۔

۲۵۔ مقالات معصومی ورق ۲۲۴

۲۶۔ ید بیضا ورق ۲۰۱، بے نظیر ص ۵۵

۲۷۔ نتائج الافکار ص ۴۴

۲۸۔ ید بیضا ورق ۴۱

۲۹۔ شمع انجمن ص ۴۲

۳۰۔ کلمات ص ۴۱

۳۱۔ خوشگو ص ۲۰۰

۳۲۔ روز روشن ص ۳۵۰، ۳۵۱

۳۳۔ بہارستان سخن ص ۶۲، ۲۰۱

۳۴۔ مجمع النفائس ص ۱۱۰

۳۵۔ کلمات ص ۵۳

۱۵۔ شمع انجمن ص ۳۴۰

۱۶۔ خوشگو ص ۱۰۱

۱۷۔ مخزن الغرائب ورق ۱۳۷

۱۸۔ خوشگو ص ۱۰۳

۱۹۔ خوشگو ص ۱۰۲، مخزن الغرائب ورق ۱۳۶، سفینۂ ہندی ص ۹۰

۲۰۔ مخزن الغرائب ورق ۱۳۰، روز روشن، ۲۴۹

۲۱۔ خوشگو ص ۳۲

۲۲۔ ایضاً ص ۳۱۱

۲۳۔ ایضاً ص ۹۵

۲۴۔ مخزن الغرائب ورق ۱۰۰ نے ان کا نام میرزا فخر حسین لکھا ہے۔

۲۵۔ مقالات معصومی ورق ۲۲۴

۲۶۔ ید بیضا ورق ۱۹۱، بے نظیر ص ۵۲

۲۷۔ نتائج الافکار ص ۱۳۲

۲۸۔ ید بیضا ورق ۹۱

۲۹۔ [illegible] ص ۱۰۳

۳۰۔ کلمات ص ۴۱

۳۱۔ خوشگو ص ۲۰۰

۳۲۔ روز روشن ص ۳۵۰، ۳۵۱

۳۳۔ بہارستان سخن ص ۹۷، ۱۶۹

۳۴۔ صبح گلشن ص ۱۱۰

۳۵۔ کلمات ص ۵۳

باب دوم (ب)
دیگر شعرا
حواشی

۱۔ صبح گلشن ص ۲۹۹، مخزن الغرائب نے محمد جعفر تخلص لکھا ہے، روز روشن نے عجیب لکھا ہے۔ بدایونی نے منتخب التواریخ جلد سوم ص ۳۰۰، روز روشن میں لکھا ہے کہ اس کو [illegible] تخلص اکبر کے دربار سے وابستہ تھا۔

۲۔ منتخب التواریخ جلد سوم ص ۳۰۰

۳۔ صبح گلشن ص ۲۹۷

۴۔ مآثر الامرا جلد ۱، ص ۹۰

۵۔ طبقات شاہجہانی ورق ۲۰۰

۶۔ طبقات شاہجہانی ورق ۱۹۱

۷۔ ہفت اقلیم جلد ۱، ص ۲۲۰، روز روشن ص ۴۵ نے اس کا تخلص [illegible] لکھا ہے۔

۸۔ روز روشن ص ۴۰۱

۹۔ روز روشن ص ۵۰۴

۱۰۔ طبقات شاہجہانی ورق ۳۵۰

۱۱۔ مقالات معصومی ورق ۲۲۴

۱۲۔ روضۃ القیومیہ جلد ۲، ص ۲۲۰

۱۳۔ روز روشن ص ۵۹۰

۱۴۔ کلمات الشعرا ص ۱۰۴

۳۶۔ ید بیضا ورق ۹۰

۳۷۔ قرۃ الغرائب ورق ۱۱۳، کلمات ص ۳۵، ید بیضا ورق ۹۰

۳۸۔ کلمات ص ۳۵، ید بیضا ورق ۹۰

۳۹۔ خوشگو ص ۱۵

۴۰۔ قرۃ الغرائب (ورق ۲۵) نے ان کا نام عبداللہ لکھا ہے۔

۴۱۔ خوشگو ص ۹۵، روضۃ القیومیہ جلد اول ص ۱۰ نے ان کی تاریخ وفات ۹ رجب ۱۱۲۰ھ / ۱۷ - ۱۷۰۸ء لکھی ہے۔

۴۲۔ قرۃ الغرائب ورق ۲۰۵، وحدت کا ایک ضخیم دیوان ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں ہے۔

۴۳۔ بیاض وقف ص ۳۰۰

۴۴۔ دیوان وحدت آصفیہ نمبر ۱۳۸۳ ورق ۲۵۰

۴۵۔ ریو جلد سوم ص ۱۰۵۰، روضۃ القیومیہ ص ۳۰ نے بھی اس مثنوی کا تذکرہ کیا ہے اور اس کا چہار چمن نام دیا ہے۔

۴۶۔ دیوان ورق ۲۰۳

۴۷۔ دیوان ورق ۲

۴۸۔ روضۃ القیومیہ جلد اول ص ۳۰۰

۴۹۔ ایضاً ص ۳۰۰

۵۰۔ ریو جلد سوم ص ۱۰۵۰

۵۱۔ سفینہ خوشگو ص ۲۹۹، قرۃ الغرائب ورق ۲۰۵، ید بیضا ورق ۳۰۹

۵۲۔ ید بیضا ورق ۳۰۹، خوشگو (ص ۲۹۹) ... [illegible]

۵۳۔ خوشگو ص ۱۹۰

۵۴۔ فرخ سیر عہد حکومت ۱۱۲۴ھ / ۱۷۱۳ء – ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ – ۲۰ء

۵۵۔ خوشگو (ص ۲۰۰) لکھتے ہیں کہ مرزا بیدل نے ان کے اشعار [illegible]

۵۶۔ مردم دیدہ ص ۱۰۶

۵۷۔ ایضاً ص ۱۰۶ – ۱۰۷

۵۸۔ ایضاً ص ۱۰۶

۵۹۔ تذکرۃ الشعراء (ص ۱۴۳) کے مطابق ان کا انتقال سرہند میں ہوا۔
مردم دیدہ ص ۱۰۷، خزانۂ عامرہ ص ۲۴۲۔

۶۰۔ نتائج الافکار ص ۳۹۰

۶۱۔ مردم دیدہ ص ۱۰۷، خوشگو ص ۱۰۵

۶۲۔ مردم دیدہ ص ۱۰۷، خزانۂ عامرہ ۲۴۲

۶۳۔ مردم دیدہ ص ۱۰۶

۶۴۔ خزانۂ عامرہ ۲۴۵

۶۵۔ مردم دیدہ ص ۱۰۹

۶۶۔ مردم دیدہ ص ۱۱۰

۶۷۔ خزانۂ عامرہ ۲۴۴ – ۲۴۵

۶۸۔ مردم دیدہ ص ۱۰۵ – خوشگو ص ۲۹۸

۶۹۔ سفینۂ ... ۲۳۱

۷۰۔ مردم دیدہ ۱۰۷

۷۱۔ ایضاً ص ۱۰۶

۷۲۔ خوشگو ص ۱۰۵

۷۳۔ محمد شاہ عہد حکومت ۱۷۱۹ – ۱۷۴۸ء

۷۴۔ مردم دیدہ ص ۵۱

www.mujaddidway.com

۷۵ - مخزن الغرائب ورق ۲۰۸

۷۶ - خوشگو ص ۲۷۲

۷۷ - ید بیضا ورق ۱۹۷

۷۸ - مردم دیدہ ص ۹۲

۷۹ - خوشگو ص ۲۷۳

۸۰ - فارسی ادب ص ۹۹ (بحوالہ صحائف شرائف ورق ۱۹۱)

۸۱ - سفینۂ ہندی ۱۳۲

۸۲ - شمع انجمن ص ۲۹۳، مردم دیدہ ص ۸۲

۸۳ - نتائج الافکار ص ۵۹۵، شمع انجمن ص ۲۹۳، مخزن الغرائب ورق ۲۸۸

۸۴ - خوشگو ص ۳۱۲

۸۵ - مخزن الغرائب ورق ۲۸۸، مردم دیدہ ۸۱، ریاض الشعراء ورق ۲۵۹ نے
پہلا مصرع اس طرح لکھا ہے "بغارت رفت یا خون گشت یا محو تماشا شد"

۸۶ - ید بیضا ورق ۱۹۷

۸۷ - روز روشن ص ۳۰

۸۸ - جنت اقلیم جلد ۱، ص ۳۰۸

۸۹ - خوشگو ص ۳۲۲

۹۰ - صبح گلشن ص ۵۹۰

۹۱ - صبح گلشن ص ۵۹۱

باب سوم

مورخین و نثر نگار

یحییٰ بن احمد بن عبداللہ سرہندی

تاریخ مبارک شاہی کے مؤلف یحییٰ بن احمد بن عبداللہ کو معروف تاریخ نگاروں میں ہیں
افسوس کی بات ہے کہ نہ خود انھوں نے اور نہ کسی دوسرے تذکرہ نویس نے ان کے متعلق
اطلاعات فراہم کی ہیں۔ وہ غالباً سید دور کے مؤرخ تھے۔ اگر یہ عظیم مورخ سید دور کے واقعات
قلم بند نہ کرتا تو اس دور کے متعلق ہم مکمل تاریکی اور عدم واقفیت میں رہتے۔ انھوں نے دربار
میں اپنے مرتبہ اور اپنے مربی و سرپرست کے بارے میں بھی کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ ان کی زندگی
کے متعلق صرف اسی قدر کہا جا سکتا ہے کہ وہ سرہند میں پیدا ہوئے وہاں تعلیم حاصل کی اور
دربار شاہی سے وابستہ ہو کر قابل احترام جگہ حاصل کی۔ ان کا انتقال غالباً [illegible]
[illegible] میں ہوا کیونکہ اس تاریخ کے بعد واقعات کے بیان کا سلسلہ منقطع ہوتا ہے۔

تاریخ مبارک شاہی: تاریخ نویسی میں یہ کتاب مؤلف کا قابل ذکر کارنامہ ہے۔ یہ دہلی کے
سلاطین کی تاریخ ہے جو معز الدین محمد بن سام کے عہد سے شروع ہوتی ہے اور محمد شاہ بن فرید
شاہ (۱۴۳۴ء–۱۴۴۳ء) کے عہد پر ختم ہوتی ہے۔ پہلے ان کا ارادہ اس کتاب کو مبارک شاہ کے دور
پر ختم کرنے کا تھا چنانچہ فرماتے ہیں۔

"رایات اقبال پانزدہم ماہ شعبان سنہ [illegible] ہجری ... درون شہر در آمد ... [illegible]
[illegible] کہ برسم اصحاب انشا و ارباب املا سخنی چند در [illegible] کتاب گوید، و ختم بعہد [illegible]

۶۵۔ مخزن الغرائب ورق ۲۰۰

۶۶۔ خوشگو ص ۲۰۳

۶۷۔ ید بیضا ورق ۱۰۱

۶۸۔ مردم دیدہ ص ۹۲

۶۹۔ خوشگو ص ۲۰۳

۸۰۔ فارسی ادب ص ۹۹، ریحان العارف شریف ورق ۱۹۱)

۸۱۔ سفینۂ ہندی ۱۳۲

۸۲۔ شمع انجمن ص ۲۹۳، مردم دیدہ ص ۸۲

۸۳۔ نتائج الافکار ص ۵۹۹، شمع انجمن ص ۲۹۳، مخزن الغرائب ورق ۲۸۸

۸۴۔ خوشگو ص ۳۱۳

۸۵۔ مخزن الغرائب ورق ۲۰۰، مردم دیدہ ۸۱، ریاض الشعراء ورق ۲۵۹ نے
پہلا مصرع اس طرح لکھا ہے۔ بشارت رفت یا خون گشت یا خود تماشا شد"

۸۶۔ ید بیضا ورق ۱۰۹

۸۷۔ روز روشن ص ۳۰

۸۸۔ ہفت اقلیم جلد ۱، ص ۳۰۳

۸۹۔ خوشگو ص ۳۴۰

۹۰۔ صبح گلشن ص ۵۰

۹۱۔ صبح گلشن ص ۵۵

باب سوم

مؤرخین و نثر نگار

یحییٰ بن احمد بن عبداللہ سرہندی

تاریخ مبارک شاہی کے مؤلف یحییٰ بن احمد بن عبداللہ کم معروف نویسندگان میں ہیں افسوس کی بات ہے کہ نہ خود انہوں نے اور نہ کسی دوسرے تذکرہ نویس نے ان کے متعلق اطلاعات فراہم کی ہیں۔ وہ غالباً سید دور کے مؤرخ تھے۔ اگرچہ فرشتہ نظام الدین اور بدایونی نے سید دور کے واقعات قلم بند کرتے ہوئے اس دور کے متعلق اہم حقائق بیان کئے لیکن ان کے بارے میں وہ خاموش ہیں انہوں نے دربار میں اپنے مرتبہ اور اپنے مربی و سرپرست کے بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ ان کی زندگی کے متعلق صرف اس قدر کہا جا سکتا ہے کہ وہ سرہند میں پیدا ہوئے وہاں تعلیم حاصل کی اور دربار شاہی سے وابستہ ہو کر قابل احترام جگہ حاصل کی۔ ان کا انتقال غالباً تاریخ اختتام ۸۳۸ھ / ۱۴۳۴ء میں ہوا کیونکہ اس تاریخ کے بعد واقعات کے بیان کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔

تاریخ مبارک شاہی ۔ تاریخ نویسی میں یہ کتاب مؤلف کا قابل ذکر کارنامہ ہے۔ یہ دہلی کے سلاطین کی تاریخ ہے جو معز الدین محمد بن سام کے عہد سے شروع ہوتی ہے اور محمد شاہ بن فرید شاہ (۸۳۷ھ تا ۸۴۹ھ / ۱۴۳۴ء تا ۱۴۴۵ء) کے عہد پر ختم ہوتی ہے۔ پہلے ان کا ارادہ اس کتاب کو سلطنت کے وقت برہم کرنے کا تھا جیسا کہ فرماتے ہیں۔

"رایات اقبال پانزدہم ماہ شعبان سنہ ۸۳۸ھ ہجری ۔۔۔ در دار الملک دہلی رسید ۔۔۔ این دعا گوی را دولت کرد بر رسم اصحاب انشا و ارباب املا شمه چند در وقت مراتب کتاب گوید۔ و ختم بعہد اعلیٰ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

www.mujaddidway.com

اطلاعات کی وضاحت کو نقل کیا ہے۔

اس طرح تاریخ مبارک شاہی ایک بیش بہا معلومات کا ذریعہ ہے جو سید دور کے حالات پوری وضاحت کے ساتھ ہم تک پہنچاتی ہے۔ کتاب کی زبان سادہ اور آسان ہے لیکن کہیں کہیں خاص طور سے خضر خاں، مبارک شاہ اور محمد شاہ کا ذکر کرتے ہوئے اس کا انداز بدائع سے آراستہ اور مزین ہو جاتا ہے۔ مثلاً مبارک شاہ کی فوج کے ہاتھوں شیخ علی کی شکست کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے:

"۔۔۔ یعنی کہ کدام شہسوار ان میدان مملکت و پادشاہان سریر سلطنت را [illegible] دم زند تخت به تخته چوب تابوت تخت بند [illegible] خنده باقی [illegible] باغ فراغت [illegible] ثمار لطافت را [illegible] آوان بهار جوانی [illegible] باد خزانی [illegible] خاک فنا [illegible]"

شیخ الہداد فیضی سرہندی:

الہداد فیضی [illegible] علی شیر سرہندی کے لڑکے تھے جو ایک فاضل و عالم شخص تھے اور جن کے شاگردوں میں طبقات اکبری کے مصنف نظام الدین احمد بھی ہیں۔ شیخ الہداد سرہند کے باشندے تھے اور مدد معاش کے طور پر ان کو اس ضلع میں ایک گاؤں ملا ہوا تھا۔ وہ نواب مرتضیٰ خاں فرید بخاری سے وابستہ ہوئے جو ان دنوں [illegible] کے منصب پر تھا۔ شیخ الہداد ان کے ساتھ کئی مہموں پر گئے۔ ان کی زندگی کے بارے میں [illegible] تذکرہ یا تاریخ میں نہیں ملتیں البتہ ان کی تصانیف اور ان کے کلام سے ان پر تھوڑی سی روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔

الہداد فیضی شاعر بھی تھے اور مورخ بھی۔ انھوں نے ایک لغت بھی تصنیف کی۔ اکبری دور کے ایک شاعر کی حیثیت سے ان کا تذکرہ بہت کم ملتا ہے اس کی

وجہ غالباً یہ ہے کہ ان کی دیگر تصنیفات خاص طور پر ان کی فرہنگ کی وجہ سے ان کی شاعرانہ حیثیت نمایاں نہ ہو سکی۔

وہ فیضی تخلص کرتے تھے۔ انھوں نے "مدار الافاضل" کے اختتام پر ایک رباعی لکھی جس کا آخری شعر یہ ہے ۔

بنام ایزد عجب دلکش شد این
کہ گنجینہ است اندر کوزہ دریا[1]

تذکرہ قرون الغرائب کے مصنف نے شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے اور ان کی تعریف میں ان کے چند شعر نقل کیے ہیں:

زہر رشحہ اش چو نقش آگاہ — [illegible] آمد آیت اللہ
چو آمد گل بود معنی بگفتار — [illegible]
نگویم شیرہ [illegible] نبات است — کہ [illegible] آب حیات است

مندرجہ ذیل شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ فیضی سے ان کے تعلقات تھے اور شعر و شاعری میں انھوں نے فیضی سے فیض حاصل کیا تھا۔

کہ یار ای شعر [illegible] بود [illegible] عشق
اگر فیضی [illegible] رشید اللہ [illegible] فیضی را[1]

جب انھوں نے اپنی لغت مدار الافاضل مکمل کی تو فوری اس کا قطعہ تاریخ لکھا۔

چو دید این نامہ [illegible] تیز رو — [illegible] سر [illegible]
پی سال تاریخ او از قضا — فرو گفت فیضی [illegible]

حافظ [illegible] سرہندی کے انتقال پر انھوں نے قطعہ تاریخ وفات لکھا:

زباغ جہاں رفت نواب حافظ — [illegible]

الفاظ میں واقعات کو نقل کیا ہے۔

اس طرح تاریخ مبارک شاہی ایک بیش بہا معلومات کا ذریعہ ہے جو سید دور کے حالات پوری دیانت کے ساتھ ہم تک پہنچاتی ہے۔ کتاب کی زبان سادہ اور آسان ہے لیکن کہیں کہیں خاص طور سے خضر خان، مبارک شاہ اور محمد شاہ کا ذکر کرتے ہوئے اس کا انداز صنائع بدائع سے آراستہ اور مزین ہو جاتا ہے۔ مثلاً مبارک شاہ کی فوج کے ہاتھوں شیخ علی کی شکست کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے:

"ز بینی کہ کدام شہسواران میدان مملکت و پادشاہان سریر سلطنت را از تختہ تخت بہ تختہ چوب تابوت تختہ بند مو بد کرد و خندہ ہای نوجوانان باغ ظرافت و نوعروسان راغ لطافت را بزہ آوان بہار جوانی بہ لطمہ تند باد خزانی اسیر خاک فنا گردانید"[۱۴]

شیخ الہداد فیضی سرہندی:

الہداد فیضی صدر العلماء ابوالمعالی شیر سرہندی کے لڑکے تھے جو ایک فاضل و عالم شخص تھے اور جن کے شاگردوں میں طبقات اکبری کے مصنف نظام الدین احمد بھی ہیں۔
شیخ الہداد سرہند کے باشندے تھے اور مدد معاش کے طور پر ان کو اس ضلع میں ایک گاؤں ملا ہوا تھا۔ وہ نواب مرتضیٰ خاں فرید بخاریؒ سے وابستہ رہے اور ان کو بخشی الملک کا منصب ملا ہوا تھا۔ شیخ الہداد ان کے ساتھ کئی مہموں پر گئے۔ ان کی زندگی کے بارے میں زیادہ معلومات کسی تذکرہ یا تاریخ میں نہیں ملتی ہیں۔ البتہ ان کی تصانیف اور ان کے کارناموں پر روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔

الہداد فیضی شاعر بھی تھے اور مورخ بھی۔ انھوں نے ایک لغت بھی تصنیف کی۔ اکبر کے دور کے ایک شاعر کی حیثیت سے ان کا تذکرہ بہت کم ملتا ہے۔ اس کی

وجہ غالباً یہ ہے کہ ان کی دیگر تصنیفات خاص طور پر ان کی فرہنگ کی وجہ سے ان کی شاعرانہ حیثیت نمایاں نہ ہو سکی۔

وہ فیضی تخلص کرتے تھے انھوں نے 'ناز و نیاز' کے عنوان سے ایک رومانی مثنوی لکھی جس کا آخری شعر ہے ؎

بنام ایزد عجب دلکش شد انشا
کہ گنجینہ است اندر کوزہ دریا[۱۳]

تذکرہ مخزن الغرائب کے مصنف نے شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے اور آم کی تعریف میں ان کے چند شعر نقل کیے ہیں:

ز اسرار خدا شو نغز آگاہ   بشان انبہ آمد آیت اللہ
چو آرد گل بود مولی بگفتار   بگویند انبیا چوں آورد بار
نگویم شیرہ اش آب نبات است   کہ او ہمشیرہ آب حیات است[۱۴]

مندرجہ ذیل شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ فیضی سے ان کے تعلقات تھے اور شعر و شاعری میں انھوں نے فیضی سے فیض حاصل کیا تھا ؎

کجا یارای شعر و شاعری بود است در عشق
اگر فیضی نمی بخشید اللہ داد فیضی را[۱۵]

جب انھوں نے اپنی لغت مدار الافاضل مکمل کی تو خود ہی اس کا قطعہ تاریخ لکھا ؎

چون این نامہ را خامہ تیز رو   بپایان رسانید از سر اختتام
پی سال تاریخ او از قضا   خرد گفت فیضی بگو فیض عام

حافظ سادان رخنہ سرہندی کے انتقال پر انھوں نے قطعہ تاریخ وفات لکھا ؎

زباغ جہاں رفت نواب حافظ   کز ان رفتنش خلق بی تاب شد

www.mujaddidway.com

چو دہ کوتہ با شعار را رہ نیافت — رخ گل از نی ور دو خو شتاب شد

کشید دہ از بیلش بزد شمرہ — بخفتا بجو با تا کی آب شد

مدار الافاضل میں انھوں نے الفاظ کی توضیح اور ان کی استعمال کرنے کی غرض سے جہاں دوسرے اساتذہ کے شعر نقل کیے ہیں وہاں خود اپنے شعر بھی خاصی تعداد میں دیے گیا۔ اس وجہ سے بھی ان کا کچھ کلام ادھر ادھر ہونے سے محفوظ ہو گیا۔ ہر فاذی شعر ملاحظہ ہو

اپنی شرح میں دیکھی کرو سعد آسمان ہو

چو وزدان نیم شب از پاسبان ابر بجست

نیست یا مطلق تر دیار سینہ تا کی — گرفتہ مرا بی اسب ادب انجمن

نیلی پلاس ... ما ت تا کی — رخش مدد پیر رہا ت تا کی

تا ابد کی ... — شد مری سفید این وقت تا کی

نیلی مری ات کمی ہر چند گشتی پر زنی

گر ود میان قول اسس از خوبی گفتار با

مدار الافاضل: یہ عربی فارسی اور ترکی الفاظ کی لغت ہے جو جلال الدین محمد اکبر کے عہد میں شیخ فیضی سرہندی نے ۱۰۰۰ھ میں ... سال تکمیل ... تاریخ سے برآمد ہوتا ہے۔ اس لغت کے مقدمہ میں مصنف اس کی تالیف کی وجہ لکھتے ہوئے لکھتا ہے کہ اگرچہ ایرانی زبان کی بہت سی لغت موجود ہیں لیکن وہ فارسی طلبا کی تمام ضروریات کو پورا نہیں کرتیں لہذا دستورالکاتب کی ترتیب پر میں نے ایک جامع لغت تیار کرنے کا بیڑا اٹھایا اور اس لغت کی ترتیب میں فلاں فلاں دوسری لغات سے استفادہ کیا۔ انھوں نے الفاظ اور ان کے استعمال کی سند میں مشہور شعرا اور خود اپنے اشعار کے علاوہ اساتذہ کے نام سے بھی بہت سے شعر دیے ہیں لیکن ان کا نام نہیں ظاہر کیا۔

اس لغت کے بہت سے قلمی نسخے موجود ہیں لیکن سب سے قدیم نسخہ پشاور یونیورسٹی لائبریری میں ہے جو ۱۰۰۹ھ/۱۶۰۰ء کو لکھا ہوا ہے۔ ایک اور نسخہ بانکی پور نمبر ۱۰۰۵ میں ہے جو غالباً خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ انڈیا آفس لائبریری میں اس کا اردو ترجمہ تین جلدوں میں قلمی نسخہ کی شکل میں ہے۔

مدار الافاضل کی پہلی جلد کو محمد باقر نے ترتیب دیا ہے اور یہ ۱۹۵۹ء میں پنجاب یونیورسٹی پریس لاہور سے چھپ چکی ہے۔ یہ اس شعر کے ساتھ شروع ہوتی ہے

اے نام تو ورد ہر زبانی دگر است — وز ہر دہنی کلام و بیانی دگر است

نام تو مدار عالم آمد بر حق — زان نام ترا نام و نشانی دگر است

انھوں نے اس کی ترتیب میں بہت محنت کی:

بعد از شروع در آن تحقیق الفاظ و اوزان آن و تصحیح اعراب و بیان آن سنگ راہ بگردید و در تشخیص آن چندان محنت کشید و کوشید و چندان جان کندید کہ ...

جان کندہ ام گر گشت میسر وصال دوست

بیداد اقبال کہ آسان برآمدہ است

موسوم گشت مدار الافاضل روزگار برآن دید این کتاب را مدار الافاضل نامیدہ و ترتیب حروف تہجی بر بیست و ہشت باب و در ہر باب بترتیب جاں حروف مرتب گردانیدہ۔

پہلی جلد حرف ... پر ختم ہو جاتی ہے۔

اصل کتاب میں عربی اور ترکی الفاظ فارسی الفاظ کے ساتھ دیے گئے ہیں جس کی وجہ سے اس کو استعمال کرنے میں دشواری ہوتی ہے۔ مطبوعہ نسخہ میں ان الفاظ کو دور کر کے عربی فارسی و ترکی الفاظ کو ملا کر حروف تہجی کے حساب سے ترتیب دیا گیا ہے۔

مصنف خود اس کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"بخاطر فاتر ایں قاصر خطور کردہ کہ کتابی دریں فن کہ محتوی السنہ مشروحہ باشد تالیف یابد بنوعیکہ جامع تاریخ جمیع کتب مشہورہ و ناسخ تمام نسخ معروفہ باشد"(۲۲)

کتاب کے آخر میں فیضی اس کی تاریخ تکمیل کو بیان کرتا ہے:

"و بعد آں بعہد تسوید بحسنہ بیاض جلوہ گر گردید بید احقر الطلاب مؤلف ایں کتاب العبد فیضی سرہندی اصلح اللہ علیہ سحاب غفرانہ المتعالی در عہد سلطان السلاطین جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی ...... در روز جمعہ بیست و نہم شہر رجب المرجب سنہ قعدہ در شہور سنہ الف الف"(۲۳)

اکبر نامہ (تاریخ اکبر شاہی)(۲۴)

اللہ داد فیضی نے شیخ فرید بخاری کے حکم سے اکبر نامہ کی تصنیف شروع کی۔ شیخ فرید نے فیضی سرہندی سے کہا کہ واقعات مشتاقی، ہمایوں کے دور پر ختم ہو جاتی ہے اور اس میں اکبر کے دور کا کوئی ذکر نہیں ہے لہٰذا انہوں نے تجویز کیا کہ اس کمی کو پورا کیا جائے۔ فیضی نے ۴۰ سال کی عمر میں اس کام کو شروع کیا اس وقت تک وہ عیش و نشاط کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ یہ اکبر کے چھیالیس سالہ دور حکومت کی تاریخ ہے جو ۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء سے اکبر کی تخت نشینی سے شروع ہوتی ہے اور ۱۰۱۰ھ / ۱۶۰۲ء کے واقعات کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ فیضی نے اس کو ۴۶ فصلوں میں تقسیم کیا ہے۔ ہر فصل میں ایک سال کے واقعات شامل ہیں۔ ان فصلوں کو پھر فرعی فصلوں میں تقسیم کر کے ہر واقعہ کو ایک الگ عنوان کے تحت اور تاریخی تشریح کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اس کا ماخذ زیادہ تر طبقات اکبری ہے اور اس کی زبان بھی طبقات اکبری کی طرح سادہ ہے لیکن کہیں کہیں مصنف ابوالفضل کا مرصع و مسجع طرز بیان اختیار کر لیتا ہے۔ اتکہ خاں کا قتل اور گڑھا کٹنگا کی فتح کے واقعات ابوالفضل سے لیے گئے ہیں۔ فیضی نے اپنے مربی اور محسن شیخ فرید بخاری کی

خدمات کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ باقی کتاب اشعار اور عجیب و غریب داستانوں کے علاوہ کے ساتھ طبقات اکبری اور ابوالفضل کے اکبر نامہ کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ فیضی کا اکبر نامہ اسیری کی گرفتاری اور اکبر کی ماہ صفر ۱۰۱۰ھ میں آگرہ واپسی کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ ایلیٹ نے اس کے چند اقتباسات دیے ہیں۔(۲۵) فیضی کا اکبر نامہ ان اشعار کے ساتھ شروع ہوتا ہے:

بنام حضرت دادار اکبر — کہ کنہ او ز فہم ماست برتر
کنم آغاز در ذکر گرامی — کہ از نامش شود ایں نامہ نامی(۲۶)

اکبر نامہ یا تاریخ اکبر شاہی اگرچہ طبقات اکبری، منتخب التواریخ اور اکبر نامہ ابوالفضل کی طرح ہی تاریخ کی کتاب ہے لیکن اس میں اکبر کے زمانے کے تاریخی واقعات کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ . . . یہ بات اس کو ابوالفضل کے اکبر نامہ سے ممتاز کرتی ہے۔ مؤلف اکبر بادشاہ کا ہمعصر رہا اور بہت سے واقعات خود اس کے چشم دید ہیں اس لحاظ سے اس کی تاریخی قدر و قیمت اور اہمیت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

فیضی سرہندی کا اکبر نامہ ۱۰۱۱ھ / ۱۶۰۲ء میں جس سال ابوالفضل کا قتل ہوا ختم ہو جاتا ہے۔ "بیبلیوگرافی آف مغل انڈیا" میں سری رام شرما نے لکھا ہے کہ ابوالفضل کے قتل کے بعد کے واقعات کو شیخ فیضی سرہندی نے جاری رکھا۔"(۲۷) یہ بیان اس لیے قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ شیخ فیضی نے خود اپنا اکبر نامہ ابوالفضل کے قتل کے بعد لکھنا بند کر دیا کیونکہ وہ ابوالفضل کے اکبر نامہ کو جاری رکھنے میں مصروف ہو گیا ہوگا۔ لیکن تاریخ نویسی کے مصنف لکھتے ہیں کہ ابوالفضل نے عہد اکبری کے ۴۶ سال جلوس ۱۰۱۰ھ تک کے واقعات قلمبند کیے تھے کہ ۱۰۱۱ھ میں جہانگیر کے اشارے پر اس کا قتل ہوا۔ ۱۰۳۰ھ میں شاہ جہاں نے عنایت اللہ مؤلف تکملۂ اکبر نامہ کو عہد اکبری کے باقی چار سال کے واقعات لکھنے پر مامور کیا اور اس طرح اکبر کے پچاس سالہ دور کی تاریخ مکمل ہوئی۔(۲۸)

تاریخ ہمایوں شاہی: مہتر جوہر کی یادداشتوں کا جو حصہ تذکرۃ الواقعات

ہمایوں کے نام سے ۹۹۹ھ میں لکھی تھیں، اُن کا نظرثانی شدہ ایڈیشن ہے۔ یہ ہمایوں کے دور ۹۳۷ھ تا ۹۶۳ھ کے واقعات پر مشتمل ہے جسکو مہتر جوہر آفتابچی نے دیانت اور امانت کے ساتھ جمع کیا تھا۔ مقدمہ میں فیضی سرہندی لکھتے ہیں کہ اس کے مصنف مہتر جوہر نے جو ایک عرصہ سے اس کا مسودہ تیار کر رکھا تھا اس سے درخواست کی کہ اس کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لائق بنا دے۔ چنانچہ فیضی نے اس کو مرصع و مسجع عبارت میں تبدیل کیا۔ تاریخ ہمایوں شاہی اور تذکرۃ الواقعات کے مندرجات عام طور پر مطابقت رکھتے ہیں۔ فیضی نے صرف اس کے طرز تحریر کو بدلنے پر اکتفا کیا ہے۔ لیکن کہیں کہیں اس نے جزوی طور پر اضافہ بھی کیا ہے۔ علاوہ ازیں ہمایوں کے بعد کے واقعات بھی اضافہ کر دیے ہیں۔ تذکرۃ الواقعات میں واقعات بے ترتیب تھے لیکن تاریخ ہمایوں شاہی کی تدوین کے دوران نظم و ترتیب کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے۔

یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب ہمایوں کی تخت نشینی سے اکبر کے سال پیدائش تک ہے۔ اس کو مزید نو فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ آخری یعنی پانچواں باب اکبر کی تخت نشینی اور کتاب کے خاتمہ پر مشتمل ہے۔[۲۲] تذکرۃ الواقعات کا طرز تحریر سادہ اور عام فہم ہے لیکن تاریخ ہمایوں شاہی کا طرز تحریر عبارت پردازی، منشیانہ، مغلق نویسی اور دوسری قدیم کتب کی مانند الفاظ کا طلسم ہے جس میں اصل مطلب تک پہنچنے میں دشواری ہوتی ہے۔ مؤلف نے اس کو شاہی دربار میں تقرب اور منصب حاصل کرنے کے مقصد کو سامنے رکھ کر لکھا ہے۔ لہٰذا یہ تملق و مداہنت اور عبارت آرائی سے بھری ہوئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کی تاریخی اہمیت خاص طور پر اکبری دور کے آغاز کے تاریخی واقعات کے لحاظ سے مسلّم ہے۔

بلوگرافی آف مغل انڈیا میں ایک اور کتاب زبدۃ التواریخ "الہداد فیضی" سے منسوب کی گئی ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ یہ کتاب شیخ فرید بخاری کی درخواست پر لکھی گئی اور ۱۰۱۰ھ میں مکمل ہوئی اور الہ آباد میں موجود اس کا نسخہ ۹۰ صفحات پر مشتمل ہے۔[۲۳] معلوم ہوتا ہے مصنف

بلوگرافی آف مغل انڈیا کو غلط فہمی ہوئی ہے اور انھوں نے اکبرنامہ کو زبدۃ التواریخ لکھا ہے جو ۱۰۱۰ھ میں ختم ہوا اور فرید بخاری کی درخواست پر لکھا گیا۔ زبدۃ التواریخ[۲۴] ایک اور مصنف شیخ نورالحق پسر شیخ عبدالحق کی تصنیف ہے، جو ۱۰۱۴ھ یا اس کے بعد مکمل ہوئی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی غلطی سے زبدۃ التواریخ کا ٹائیٹل اکبرنامہ پر لگ گیا ہو۔ بہرحال یہ امر تحقیق طلب ہے

حاجی ابراہیم سرہندی:

حاجی ابراہیم سرہندی فقہ اور حنفی مسلک کے زبردست عالم تھے وہ سرہند میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم مفتی ابوالفتح بن عبدالغفور تھانیسری اور دوسرے علماء سے حاصل کی۔ بعد میں وہ مقامات مقدسہ کی زیارت اور حج کے لیے روانہ ہوئے۔ اسی دوران انھوں نے شیخ شہاب الدین احمد بن حاجی تیابانی المکی سے علم حدیث پڑھا اور تفسیر و حدیث میں درجہ کمال حاصل کیا۔[۲۵] کچھ عرصہ بعد وہ ہندوستان واپس آ کر اکبر کی ملازمت میں آئے اور جلدی اتنی ترقی کی کہ اکبر ان کو اپنی خاص مجلس میں ساتھ رکھتا تھا۔ رفتہ رفتہ ان کو اس قدر شہرت حاصل ہو گئی کہ کوئی بھی بحث و مباحثہ میں ان کو شکست نہیں دے سکتا تھا۔ اسی دوران جب ۹۸۱ھ میں مُلا عبدالقادر بدایونی دربار میں پیش ہوئے تو بادشاہ نے اعلان کیا کہ شاید بدایونی کا یہ آدمی ابراہیم سرہندی کو شکست دے سکے گا۔[۲۶]

وہ ایک قابل اور ذہین شخص تھے اور اپنی دلیلوں سے مخالف کا منہ بند کر دیتے تھے ایک مرتبہ بادشاہ کی مجلس خاص میں مرزا مفلس کی تفسیر حافظہ پیش کیے جانے کے موقع پر حاجی ابراہیم نے مرزا سے پوچھا کہ موسیٰ لفظ کی اصل کیا ہے؟ مرزا اس کا جواب نہ دے سکے اور لوگوں پر حاجی ابراہیم کی قابلیت کی دھاک بیٹھ گئی۔ جب بادشاہ نے حضرا کے تماشی شکر سے کہا کہ تم نے اس مباحثہ میں حصہ کیوں نہیں لیا تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر حاجی ابراہیم مجھ سے عیسیٰ کی اصل معلوم کر لیتے تو میں کیا جواب دیتا؟[۲۷]

www.mujaddidway.com

حاجی ابراہیم سرہندی:

www.mujaddidway.com

ہمایوں کے نام سے ۹۹۵ھ میں لکھی تھیں، نظر ثانی شدہ ایڈیشن ہے۔ یہ ہمایوں کے دور ۹۳۷ھ
۹۶۳ھ کے واقعات پر مشتمل ہے۔ جسکو مہتر جوہر آفتابچی نے دیانت اور امانت کے ساتھ جمع کیا
تھا۔ مقدمہ میں فیضی سرہندی لکھتے ہیں کہ اس کے مصنف مہتر جوہر نے جو ایک عرصہ سے
اس کا مسودہ تیار کر رہا تھا اس سے درخواست کی کہ اس کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنے
کے لائق بنا دے۔ چنانچہ فیضی نے اس کو مرصع و مسجع عبارت میں تبدیل کیا۔ تاریخ ہمایوں
شاہی اور تذکرۃ الواقعات کے مندرجات عام طور پر مطابقت رکھتے ہیں۔ فیضی نے صرف
اس کے طرز تحریر کو بدلنے پر اکتفا کیا ہے۔ لیکن کہیں کہیں اس نے جزوی طور پر اضافہ بھی
کیا ہے۔ علاوہ ازیں ہمایوں کے بعد کے واقعات بھی اضافہ کر دیے ہیں۔ تذکرۃ الواقعات
میں وقائع بے ترتیب تھے لیکن تاریخ ہمایوں شاہی کی تدوین کے دوران نظم و ترتیب
کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے۔

یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب ہمایوں کی تخت نشینی سے اکبر کے سال پیدائش
تک ہے۔ اس کو مزید نو فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ آخری یعنی پانچواں باب اکبر کی تخت نشینی
اور کتاب کے خاتمہ پر مشتمل ہے۔[۳۲] تذکرۃ الواقعات کا طرز تحریر سادہ اور عام فہم ہے لیکن
تاریخ ہمایوں شاہی کا طرز تحریر عبارت پردازی، منشیانہ مغلق نویسی اور دوسری قدیم تاریخوں کی طرح
الفاظ کا طلسم ہے جس میں اصل مطلب تک پہنچنے میں دشواری ہوتی ہے۔ مؤلف نے اس کو
شاہی دربار میں تقرب اور منصب حاصل کرنے کے مقصد کو سامنے رکھ کر لکھا ہے۔ لہٰذا یہ
تملق و مداہنت اور عبارت آرائی سے بھری ہوئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کی تاریخی
اہمیت خاص طور پر اکبری دور کے آغاز کے تاریخی واقعات کے لحاظ سے مسلم ہے۔

ببلوگرافی آف مغل انڈیا میں ایک اور کتاب زبدۃ التواریخ ۱۰۱۰ھ فیضی سے منسوب
کی گئی ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ یہ کتاب شیخ فرید بخاری کی درخواست پر لکھی گئی اور ۱۰۱۰ھ
میں مکمل ہوئی اور الہ آباد میں موجود اس کا نسخہ ۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔[۳۳] معلوم ہوتا ہے مصنف

ببلوگرافی آف مغل انڈیا کو غلط فہمی ہوئی ہے اور انھوں نے اکبرنامہ کو زبدۃ التواریخ لکھا ہے
جو ۱۰۱۰ھ میں ختم ہوا اور فرید بخاری کی درخواست پر لکھا گیا زبدۃ التواریخ[۳۴] ایک اور مصنف
شیخ نور الحق پسر شیخ عبدالحق کی تصنیف ہے جو ۱۰۱۴ھ یا اس کے بعد مکمل ہوئی۔ یہ بھی ممکن ہے
کہ کسی غلطی سے زبدۃ التواریخ کا ٹائیٹل اکبرنامہ پر لگا دیا ہو۔ بہرحال یہ امر تحقیق طلب ہے

حاجی ابراہیم سرہندی:

حاجی ابراہیم سرہندی فقہ اور حنفی مسلک کے زبردست عالم تھے وہ سرہند میں
پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم مفتی ابو الفتح بن عبدالغفور تھانیسری اور دوسرے علماء سے
حاصل کی۔ بعد میں وہ مقامات مقدسہ کی زیارت اور حج کے لیے روانہ ہوئے۔ اسی دوران
انھوں نے شیخ شہاب الدین احمد بن حاجی تیابی المکی سے علم حدیث پڑھا اور تفسیر و حدیث میں
درجہ کمال حاصل کیا۔[۳۵] کچھ عرصہ بعد وہ ہندوستان واپس آ کر اکبر کی ملازمت میں آئے اور
بعد میں اتنی ترقی کی کہ اکبر ان کو اپنی خاص مجلس میں ساتھ رکھتا تھا۔ رفتہ رفتہ ان کو اس
قدر شہرت حاصل ہو گئی کہ کوئی بھی بحث و مباحثہ میں ان کو شکست نہیں دے سکتا تھا۔
اکبر جب ۹۸۰ھ میں ملا عبدالقادر بدایونی دربار میں پیش ہوئے تو بادشاہ نے
اعلان کیا کہ شاید بدایونی ہی وہ آدمی ہے جو ابراہیم سرہندی کو شکست دے سکے گا۔[۳۶]

وہ ایک قابل اور عالم شخص تھے اور اپنی دلیلوں سے مخالف کا منہ بند کر دیتے تھے
ایک مرتبہ بادشاہ کی مجلس خاص میں مرزا مفلس کی تفسیر حافظ پیش کیے جانے کے موقع
پر حاجی ابراہیم نے مرزا سے پوچھا کہ موسیٰ لفظ کی اصل کیا ہے؟ مرزا اس کا جواب نہ
دے سکے اور لوگوں پر حاجی ابراہیم کی قابلیت کی دھاک بیٹھ گئی۔ جب بادشاہ نے تھرا
کے قاضی شکر سے کہا کہ تم نے اس مباحثہ میں حصہ کیوں نہیں لیا تو انھوں نے جواب دیا
کہ اگر حاجی ابراہیم مجھ سے عیسیٰ کی اصل معلوم کر لیتے تو میں کیا جواب دیتا؟[۳۷]

www.mujaddidway.com

اپنی تمام تر قابلیت و لیاقت اور علمی صلاحیتوں کے باوجود حاجی ابراہیم اکبر کے دور
میں ... ہو گئے تھے وہ ہمیشہ بادشاہ کی مدحت یا غلط طریقوں سے خوشامد کی کوشش کرتے
ایک مرتبہ انھوں نے فتویٰ دیا جس کی رو سے سرخ اور پیلے کپڑے پہننا ناجائز قرار دیا
گیا اور اپنے فتوے کی تائید میں حدیث بھی لے آئے۔ یہ سن کر بادشاہ کی موجودگی میں
میر عدل نے ان کو بہت برا بھلا کہا اور مارنے کے لیے چھڑی اٹھائی لیکن ملا کسی طرح
وہاں سے جان بچا کر بھاگ نکلے۔

بادشاہ اکبر نے ان کو ۹۸۷ھ/۱۵۷۹ء میں گجرات کا صدر مقرر کیا۔ انھوں نے
سونا چاندی اور دولت ناجائز طریقوں سے بہت زیادہ مقدار میں جمع کر لی۔ جب یہ خبر
بادشاہ تک پہنچی تو ملا نے دکن میں ... کی درخواست کی۔ بعد میں بادشاہ نے
ان کو نجات کے قبر میں طلب کیا اور ان کو حکیم عین الملک کی تحویل میں دے دیا۔

ایک مرتبہ انھوں نے کسی پرانی کرم خوردہ کتاب میں شیخ ابن عربی کی طرف سے
یہ عبارت اضافہ کر دی کہ خلیفہ وقت کی کئی بیویاں ہوں گی وہ اپنی داڑھی صاف کرے گا
اور دوسری بہت سی خصوصیتیں جو بادشاہ میں تھیں اس میں شامل کر دیں۔ اس سے
بادشاہ ان سے دوبارہ راضی ہو گیا اور ان کو درباریوں میں شامل کر لیا۔

ایک مرتبہ انھوں نے شاہ فتح اللہ شیرازی اور ابوالفضل اور حکیم ابوالفتح سے جھگڑا کیا تو بادشاہ
نے ان کو رنتھمبور کے قلعہ میں بھیج دیا اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ قید کی
گراں باری داشت نہ کر سکے اور ... یہ خبر مشہور ہو گئی کہ انھوں نے
خود کو بلندی سے نیچے گرا کر خودکشی کر لی۔ یہ واقعہ ۹۹۴ھ میں پیش آیا۔

ان اختلافات سے قطع نظر وہ عربی فارسی کے عالم تھے اور سنسکرت پر بھی ان کو
عبور حاصل تھا اسی لیے ان کو ۹۸۳ھ/۱۵۷۵ء میں اتھروید کے ترجمہ کا کام دیا گیا۔
۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء میں بادشاہ نے اسلامی بادشاہوں کی تاریخ لکھنے کا حکم دیا

اور کہا اس کو ایسا نام دیا جائے جس سے سال تصنیف پیدا ہو۔ چنانچہ تاریخ الفی اس
کا نام تجویز ہوا۔ اس نے سات عالموں کو اس کام پر مامور کیا۔ ان سات علما میں حاجی
ابراہیم سرہندی بھی تھے۔

میاں عبداللہ نیازی سرہندی

میاں عبداللہ نیازی افغانوں کے نیازی قبیلہ سے ۹۰۰ھ/۱۴۹۵ء میں سرہند میں
پیدا ہوئے۔ شروع میں وہ شیخ سلیم چشتی کے مرید تھے اور اپنا تمام وقت شیخ موصوف کے
حجرہ کے نزدیک مذہبی امور کی انجام دہی میں گزارتے تھے۔ بعد میں وہ شیخ سلیم چشتی کی
اجازت سے حج کے لیے روانہ ہوئے۔ شیخ موصوف نے تعارفی خطوط ان کو دیے۔ حج کے
دوران میاں نیازی کو سید محمد جونپوری سے ملنے کا اتفاق ہوا جو مہدی موعود ہونے کا
دعویٰ کرتے تھے۔ ان کے اصول اور طریقہ کار ان کو پسند آیا اور وہ ان کے مرید ہو گئے۔
مکہ معظمہ سے واپسی پر وہ گجرات اور دکن گئے اور سید محمد کی تعلیمات کی تبلیغ کی۔ سلیم شاہ
کے عہد میں وہ بیانہ میں گوشہ نشین ہو گئے۔ شیخ علائی جب عبداللہ نیازی سے ملے تو
ان سے بہت متاثر ہوئے اور اپنے پیروکاروں سے کہا کہ صحیح دین اور عقیدہ وہی ہے
جس کی عبداللہ نیازی تبلیغ کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ عبداللہ کے مرید ہو گئے اور خود کو مہدوی
طبقوں کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔

میاں نیازی بیانہ میں بڑی خاموشی اور گمنامی کی زندگی بسر کر رہے تھے اسی دوران
سلیم شاہ نیازی فرقہ کے خلاف مقاصد کو ختم کرنے کے لیے آگرہ سے پنجاب کی طرف روانہ
ہوا۔ بیانہ کے نزدیک ملا عبداللہ سلطانپوری نے اس سے کہا کہ شیخ علائی کے شر سے
تو کچھ دن کے لیے نجات مل گئی ہے لیکن عبداللہ نیازی جو نیازی فرقہ کا روحانی پیشوا ہے
بیانہ میں رہتا ہے اور چار سو مسلح آدمی اس کے پاس رہتے ہیں۔ سلیم شاہ نے بیانہ کے

گزر میاں بہوا لودھی سے ان کو پیش کرنے کے لیے کہا۔ میاں بہوا عبداللہ نیازی کے بہی خواہ تھے۔ انھوں نے ان کو صلاح دی کہ وہ اسلام شاہ کے غیظ و غضب سے بچنے کے لیے بیانہ چھوڑ کر چلے جائیں لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوئے اور بادشاہ کے پاس جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ جب بادشاہ کے پاس پہنچے تو السلام علیکم کہہ کر اس کو مخاطب کیا۔ میاں بہوا نے ان کی گردن نیچے جھکا کر کہا کہ بادشاہ کو تسلیم اس طرح کرتے ہیں۔ عبداللہ نیازی نے جواب دیا سنت طریقہ وہی ہے اور کوئی طریقہ میں نہیں جانتا۔ اسلام شاہ نے دریافت کیا کہ کیا یہی شیخ علائی کا استاد ہے؟ عبداللہ سلطان پوری نے جواب دیا، جی ہاں یہی ہے۔ اس پر اسلام شاہ کے حکم سے ان کو پکڑ کر لکڑیوں اور لاتوں سے بری طرح زد و کوب کیا گیا۔ یہ قرآن شریف کی آیت تلاوت کرتے تھے کہ خدا ہمیں معاف کرے اور کافروں کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے کی توفیق دے۔ اسلام شاہ نے معلوم کیا کہ کیا کہہ رہا ہے؟ عبداللہ سلطان پوری نے بتایا کہ مجھے اور آپ کو کافر کہہ رہا ہے۔ اسلام شاہ کو اور غصہ آیا اور مزید ایک گھنٹہ تک ایذا رسانی کو جاری رکھا۔ جب یہ یقین ہو گیا کہ یہ بے دم ہو گئے تو وہاں سے [illegible] کا حکم دیا۔

شیخ میں زندگی کی رمق باقی تھی۔ معتقدین ان کو اٹھا کر لے گئے اور خام کھال میں لپیٹ کر دو گھنٹہ تک حرارت پہنچائی تب ان میں جان آئی۔ یہ واقعہ ۹۵۵ھ/۱۵۴۸ء میں پیش آیا۔[۵۴]

صحت مند ہونے کے بعد وہ بیانہ چھوڑ کر کچھ عرصہ افغانستان اور پھر پانی پت میں رہے اور آخر میں سرہند میں مقیم ہو گئے۔ مہدوی فرقہ کے عقائد کو ترک کیا اور صحیح اسلامی تعلیمات پر عمل شروع کیا۔

۹۹۰ھ میں اکبر بادشاہ نے ان کو سرہند سے طلب کیا اور مہدوی فرقہ کے بارے میں سوالات کیے۔ انھوں نے جواب دیا کہ مہدوی فرقہ سے اب ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

بادشاہ نے ان کو عزت کے ساتھ رخصت کیا۔[۵۰] ۱۰۰۰ھ/۱۵۹۱ء میں جب اکبر کشمیر کی مہم کے موقع پر سرہند آیا تو میاں عبداللہ کو دوبارہ طلب کیا اور مدد معاش کے طور پر کچھ زمین پیش کی لیکن انھوں نے قبول نہیں کی۔ بعد میں اصرار پر انھوں نے فرمان لے لیا لیکن اس سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ انھوں نے امام غزالیؒ کی کتاب احیاء العلوم کو اپنے اشغال کے لیے رہنما بنایا۔[۵۱]

میاں عبداللہ نیازی کا انتقال ۱۰۰۰ھ/۹۲-۱۵۹۱ء میں ۹۰ سال کی عمر میں ہوا۔[۵۲] انھوں نے متعدد رسالے تصنیف کیں۔ ان میں سے نور افغانی اور مرآت الصفا کا ذکر کتب میں ہوا ہے۔[۵۳]

شیخ عبدالاحد سرہندی:

محمد مخدوم معروف بہ عبدالاحد سرہندی پسر زین العابدین ۹۲۷ھ/۲۱-۱۵۲۰ء میں سرہند میں پیدا ہوئے۔[۵۴] ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ[۵۵] کے مرید ہوئے اور ان سے خانقاہ میں رہنے کی اجازت چاہی مگر انھوں نے کہا کہ پہلے اپنے علم کو مکمل کریں لہٰذا ان کے لڑکے شیخ رکن الدین (وفات ۹۸۳ھ) کے پاس جا کر [illegible] ہوئے۔ اس کے بعد وہ مردان خدا کی تلاش میں ملک کے گوشہ گوشہ میں گھومے اور بہت سے فاضل حضرات سے ملے اور ان سے استفادہ کیا۔ انھوں نے رہتاس گڑھ میں شیخ الہداد[۵۶] اور جونپور میں سید علی قوامؒ سے بھی فیض حاصل کیا۔ اس کے بعد وہ پھر شیخ رکن الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے جنھوں نے ۹۷۸ھ/۷۱-۱۵۷۰ء میں ان کو خرقہ اور سند خلافت عطا کی۔

اس کے بعد وہ سرہند آ کر رشد و ہدایت اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔

شیخ عبدالاحد ایک عالم و فاضل شخص تھے۔ فقہ اور تصوف کی درسی کتب التعرف اور فصوص الحکم کا درس دیتے تھے۔ وہ ہر مسئلہ کو قرآن اور حدیث کی روشنی میں حل کرتے

www.mujaddidway.com

تھے۔ ان کا انتقال ۸ رجب ۱۰۰۷ھ / ۱۵۹۹ء میں ہوا اور سرہند میں سپرد خاک ہوئے۔
زبدۃ المقامات کے مصنف خواجہ محمد ہاشم کشمی نے قطعہ تاریخ کہا:

آں شیخ کہ بود اعلم اندر ہر فن — جانش گہر سر ازل را معدن
چوں شد شیخ زمانہ بود در علم و عمل — تاریخ وصالش از جو شیخ زمن

انھوں نے ہزاروں مرید چھوڑے اور حضرت شیخ احمد سرہندی کی ذات میں ایسی شمع روشن کی جس نے ہندوستان کو ایک مرتبہ پھر نور اسلام سے منور کر دیا۔ ان کے ایک مرید شیخ برک لاہوری بھی تھے۔

شیخ عبدالاحد کی شادی سکندرہ میں ایک دیندار شخص کی صاحبزادی سے ہوئی جن کے بطن سے سات فرزند متولد ہوئے۔

۱۔ شیخ شاہ محمد ۲۔ شیخ مسعود ۳۔ شیخ عبدالرزاق ۴۔ شیخ احمد سرہندی
۵۔ شیخ غلام محمد ۶۔ شیخ مودود ۷۔ نام معلوم نہ ہو سکا

گلزار ابرار کے مؤلف لکھتے ہیں:

"شرب صوریت و سلیقہ تیج تالیف داشت۔ فراوان رسائل مفیدہ مرقوم کلک اسلام اوست"

محمد ہاشم کشمی لکھتے ہیں:

حضرت مخدوم را در علوم دینی کتب شائستہ است و در اسرار یقینی رسائل خجستہ از جملہ است کتاب کنوز الحقائق و رسالہ اسرار تشہد کہ بسا نکات عالیہ در آں بقلم بیان آمدہ۔"

زبدۃ المقامات میں محمد ہاشم کشمی نے ان کی کتاب رسالہ التشہد کے چند اقتباس بھی دیئے ہیں۔

مولانا امان اللہ سرہندی: مولانا امان اللہ بن غازی سرہندی عربی و فارسی

کے زبردست عالم اور حافظ قرآن تھے۔ انھوں نے شیخ بدرالدین سرہندی سے تعلیم حاصل کی اور اپنے معاصرین میں ممتاز تھے۔ وہ کئی فنون کے بہت خوشنویس، موسیقی داں اور صوفی شاعر تھے۔ وہ اکبر کے عہد میں اس کے یا شیخ فیضی کے دربار سے وابستہ تھے۔ عبدالقادر بدایونی کے مطابق انھوں نے فیضی کی تفسیر بے نقط سواطع الالہام کی حسب ذیل قرآنی آیت سے تاریخ تکمیل اخذ کی:

ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔

اس سے سال ۱۰۰۴ھ / ۹۶-۱۵۹۵ء برآمد ہوتا ہے۔"

مولانا امان اللہ کا انتقال سرہند میں ہوا اور وہیں مدفون ہیں۔

ریاض الشعرا کا مصنف ان کو ہندوستان میں اکبر اور جہانگیر کے دور کے بڑے صوفیوں میں شمار کرتا ہے۔ اس نے ان کے درج ذیل اشعار بھی نقل کیے ہیں:

مدام از حسرت آں لعل میگوں — دلی دارم عراقی وار پر خوں
تو چوں لیلی مقیم خلوت ناز — منم آوارہ عالم چو مجنوں
اگر از تن جاں بصد حسرت برآید — ز دل حسرت نخواہد رفت بیروں
بادا کامراں در بزم عیش است — بعہد خسرو دوراں ہمایوں
بدیہہ ... خواندت دعای عمر جاویداں
جواناں خسرا باقی و پیراں کرامانی

مولانا عبدالقادر سرہندی:

علامہ عبدالقادر سرہندی ہندوستان کے نامور اور معروف اساتذہ و علما میں تھے۔ انھوں نے شیخ الہداد بن صالح سرہندی سے تعلیم حاصل کی اور تمام عمر درس و تدریس اور دیگر علمی مشاغل میں بسر کی۔ وہ اپنے زمانے کے بڑے دانشور شمار ہوتے تھے۔

تھے۔ ان کا انتقال ۸ رجب ۱۰۰۸ھ/۱۵۹۹ء میں ہوا اور سرہند میں سپرد خاک ہوئے۔

زبدۃ المقامات کے مصنف خواجہ محمد ہاشم کشمی نے قطعہ تاریخ کہا:

آں شیخ کہ بود اعظم اندر ہر فن	جانش گہر سر ازل را معدن
چوں شیخ زمانہ بود در علم و عمل	تاریخ وصال او بجو "شیخ زمن" ۵۸

انھوں نے ہزاروں مرید چھوڑے اور حضرت شیخ احمد سرہندی کی ذات میں ایسی شمع روشن کی جس نے ہندوستان کو ایک مرتبہ پھر نور اسلام سے منور کر دیا۔ ان کے ایک مرید شیخ مبارک لاہوری بھی تھے۔

شیخ عبدالاحد کی شادی سکندرہ میں ایک دیندار شخص کی صاحبزادی سے ہوئی۔ جن کے بطن سے سات فرزند متولد ہوئے۔

۱۔ شیخ شاہ محمد ۲۔ شیخ مسعود ۳۔ شیخ عبدالرزاق ۴۔ شیخ احمد سرہندی
۵۔ شیخ غلام محمد ۶۔ شیخ مودود ۷۔ نام معلوم نہ ہو سکا"

گلزار ابرار کے مؤلف لکھتے ہیں:

"شرب صوفیت و سلیقہ تیج تالیف داشت۔ فراواں رسائل مفیدہ مرسوم کلک رسامش اوست"۔۶۱

محمد ہاشم کشمی لکھتے ہیں:

حضرت مخدوم را در علوم دینی کتب شائستہ است و در اسرار یقینی رسائل خجستہ از آنجملہ است کتاب کنوز الحقائق و رسالہ اسرار التشہد کہ بسا نکات عالیہ در آں بنظم بیان آمدہ"۶۲

زبدۃ المقامات میں محمد ہاشم کشمی نے ان کی کتاب رسالہ التشہد کے چند اقتباس بھی دیے ہیں۔

مولانا امان اللہ سرہندی: مولانا امان اللہ بن غازی سرہندی عربی فارسی

کے زبردست عالم اور حافظ قرآن تھے۔ انھوں نے شیخ بدرالدین سرہندی سے تعلیم حاصل کی اور اپنے معاصرین میں ممتاز تھے۔ وہ کئی خطوں کے اچھے خوشنویس، موسیقی دان اور صوفی شاعر تھے۔۶۳ وہ اکبر کے عہد میں اس کے یا شیخ فیضی کے دربار سے وابستہ تھے۔ عبدالقادر بدایونی کے مطابق انھوں نے فیضی کی تفسیر بے نقط سواطع الالہام کی حسب ذیل قرآنی آیت سے تاریخ تکمیل اخذ کی:

ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔

اس سے سال ۱۰۰۴ھ/۹۶-۱۵۹۵ء برآمد ہوتا ہے۔۶۴

مولانا امان اللہ کا انتقال سرہند میں ہوا اور وہیں مدفون ہیں۔

ریاض الشعرا کا مصنف ان کو ہندوستان میں اکبر اور ہمایوں کے دور کے بڑے صوفیوں میں شمار کرتا ہے۔ اس نے ان کے درج ذیل اشعار بھی نقل کیے ہیں:

مدام از حسرت آں لعل میگون	دلی دارم صراحی وار پر خون
تو چوں لیلیٰ مقیم خلوت ناز	منم آوارہ عالم چوں مجنون
گر از تن جان بعید حسرت برآید	ز دل مہرت نخواہد رفت بیرون
امانی کامران در بزم عیش است	بعہد خسرو دوران ہمایون

[illegible] خوانندت دعای عمر جاویدان
جوانان خراسانی و پیران کرمانی ۶۵

مولانا عبدالقادر سرہندی:

علامہ عبدالقادر سرہندی ہندوستان کے نامور اور معروف اساتذہ و علما میں تھے۔ انھوں نے شیخ الہداد بن صالح سرہندی سے تعلیم حاصل کی اور تمام عمر درس و تدریس اور دیگر علمی مشاغل میں بسر کی۔ وہ اپنے زمانے کے بڑے دانشور شمار ہوتے تھے۔

www.mujaddidway.com

شیخ عبداللہ بن شمس الدین سلطانپوری ان کے شاگرد تھے۔

انھوں نے [illegible] کی شرح کافیہ پر حواشی لکھے۔ علامہ عصام الدین اسفرائنی ان کا بیحد احترام کرتے تھے اور اپنی کتاب الشکول ان کو تحفہ میں بھیجی تھی۔ جب [illegible] شیخ [illegible] ہندوستان تشریف لائے تو ان سے ملاقات کے لیے سرہند گئے اور ان کی [illegible]۔"

ولی سرہندی:

نواب [illegible] ولی سرہندی تقریباً [illegible] میں سرہند میں پیدا ہوا اور وہیں پرورش پائی۔ [illegible] سال کی عمر میں جہانگیر کے دربار میں رسائی حاصل کی۔ اسی نے تواریخ جہانگیر شاہی لکھنا شروع کی۔

تواریخ جہانگیر شاہی یا فرہنگ ابدی اللغات جہانگیری:

ولی سرہندی نے جہانگیر کے چودھویں سال [illegible] میں یہ تاریخ لکھی۔ تواریخ جہانگیر شاہی جہانگیر کے پہلے چودہ سال کے دور حکومت کی مختصر تاریخ ہے۔ مصنف نے اپنی تصنیف [illegible] کے نام معنون کی۔

سیف خاں فقیر اسرہندی:

سیف الدین محمد عرف فقیر اللہ معروف بہ نواب سیف خاں عہد شاہجہانی کے [illegible] تھے۔ وہ سرہند میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ [illegible] منصب [illegible] جب اورنگ زیب کے خلاف ہو گیا تو سیف الدین محمد [illegible] بادشاہ سے آملے ان کو اس وفاداری کے انعام

میں یکہزار و پانصدی ذات و سوار کا منصب [illegible] سیف خاں کو خطاب [illegible] کے خلاف جنگ میں بھی شریک رہے۔ [illegible] دو ہزار پانصدی ذات سوار کا منصب دیا گیا۔" [illegible] مقرر کیا گیا۔ اور دوسرے سال سرہند [illegible] ہو گئے۔ [illegible] صوبیدار مقرر ہوئے [illegible] حکومت کے تحت دے دئے۔" [illegible] پھر معزول ہوئے اور سرہند گئے۔ [illegible] الہ آباد [illegible] کا انتقال [illegible] کو ہوا اور سرہند میں دفن ہوئے۔ شاہ نواز خاں لکھتے ہیں:

"متصل سرہند سیف آباد [illegible] آنجا است۔"

سیف خاں ایک دلیر بہادر اور باصلاحیت سپاہی تھے۔ [illegible] مستغنی [illegible] اپنی وفاداری [illegible] کے سبب [illegible]

ان کا [illegible] اورنگ زیب کے عہد [illegible] سیف خاں [illegible] جب [illegible] زبان بھی کاٹ دی گئی۔ [illegible]

راگ درپن:

[illegible]

نے اپنے دربار کے ماہرین موسیقی سے لکھوائی تھی ان میں محمود لوہنگ اور نایک بخشو وغیرہ بھی تھے۔ خود مان سنگھ موسیقی کا شیدائی اور استاد تھا۔ دھرپد کی ایجاد اسی نے کی ہے راجہ کے نام پر اس کا نام مان کتوہل رکھا گیا۔

سیف خاں کو مان کتوہل کا نسخہ ۱۰۷۳ھ/۱۶۶۳ء ۔ ۱۶۶۲ء میں ہاتھ آیا اور انھوں نے اس کو ترجمہ کرنے کا فیصلہ کیا لیکن ۱۰۷۰ھ سے پہلے وہ اس کو مکمل نہیں کر سکے، اس وقت وہ کشمیر کے صوبیدار تھے۔[۴۳] سیف خاں نے جب اس کا ترجمہ شروع کیا تو اس کو کتاب تشنہ اور مبہم نظر آئی۔ اس لیے اس نے مختلف کتابوں کی مدد سے اس میں مزید اضافے کیے تاکہ اس کتاب کے قاری کو کلاسیکی موسیقی کی تینوں قدیم کتابوں بھرت سنگیت، سنگیت درپن اور سنگیت رتناکر کی ضرورت نہ پڑے۔

سیف خاں نے راگ درپن میں لکھا ہے کہ عہد اکبری کے موسیقاروں نے بھی ایک کتاب راگ ساگر کے نام سے لکھی تھی مگر میں نے اسے ترجمے کے لیے منتخب نہیں کیا کیونکہ تان سین اور عہد اکبری کے دوسرے موسیقاروں کو عملی موسیقی پر تو قدرت حاصل تھی لیکن علم موسیقی پر انھیں عبور نہ تھا اس کے برخلاف مان سنگھ کے دربار میں علم موسیقی کے ماہرین جمع ہو گئے تھے۔"

کتاب اگرچہ ترجمہ ہے لیکن اس قدر مکمل اور جامع ہے کہ خود ایک علاحدہ مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی صحیح تاریخ تکمیل معلوم نہیں۔ ۱۰۷۶ھ میں یہ اختتام کے قریب تھی۔[۴۴] لیکن اس میں بعد کے سالوں میں بھی اضافے اصلاح و ترمیم ہوتی رہی۔

سیف خاں نے یہ کتاب اورنگ زیب کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے لکھی تھی مگر مصنف کو یہ سعادت نہیں ملی اور کتاب انتساب سے محروم رہ گئی۔

راگ درپن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیف خاں خود موسیقی کے استاد اور موسیقاروں کے سرپرست تھے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "میں نے مختلف راگوں کو ملا کر

چند نئے راگ نکالے ہیں۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں: میں نے ان ہی مغنیوں اور سازندوں کا ذکر کیا ہے جن کے ساتھ سنگیت میں میں نے خود حصہ لیا ہے یا جو اورنگ زیب کے دربار میں موجود تھے۔" ان کے شوق کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے اس کتاب کی تکمیل میں ہزاروں روپے خرچ کر دیے۔"

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا راگ درپن مان کتوہل کی بنیاد پر ایک مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی اہمیت اس اعتبار سے بھی مسلم ہے کہ اصل مان کتوہل کے وجود کا کوئی علم نہیں۔ اس میں بہت سی ایسی باتوں کا ضمنی طور پر ذکر آگیا ہے جو آج موسیقی کی تاریخ میں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔

راگ درپن دس ابواب پر مشتمل ہے۔

۱۔ کتاب کی تصنیف کے بارے میں
۲۔ راگ
۳۔ مخصوص راگ کے لیے موسم کا تعین
۴۔ سور
۵۔ آلات موسیقی، نایک و سانکھی
۶۔ مغنی کے نقائص
۷۔ گلا اور آواز
۸۔ مکمل استاد کی شناخت
۹۔ ورند کی شناخت
۱۰۔ معاصر موسیقار اور مغنیوں کے بارے میں

۲۔ رسالہ رقص ہندی: سیف خاں نے ہندوستان کے مختلف رقص اور ان کی ترقی کے بارے میں یہ مفصل رسالہ لکھا۔

۳۔ مکتوبات سیف خاں: سیف خاں نے مختلف امرا اور افسران کو بہت سے خطوط لکھے۔ اس مجموعہ میں ۱۰۰ صفحات ہیں اور یہ نامکمل ہے۔

۴۔ نسخہ عیش افزا: یہ رسالہ اورنگ زیب کو ممنون کرنے کے لیے لکھا گیا تھا اس میں سیف خاں نے اپنے سندی طور

نے چند بڑے ماہرین موسیقی سے لکھوائی تھی ان میں محمود لونگ اور نایک بخشو وغیرہ بھی تھے۔ خود مان سنگھ موسیقی کا شیدائی اور استاد تھا۔ دھرپد کی بنیاد اسی نے رکھی ہے جسے بعد میں اس کا نام مان کتوہل رکھا گیا۔

سیف خاں کو مان کتوہل کا نسخہ ۱۰۷۳ھ / ۱۶۶۳ء میں ہاتھ آیا اور انھوں نے اس کا ترجمہ کرنے کا فیصلہ کیا لیکن ۱۰۷۳ھ سے پہلے وہ اس کو مکمل نہیں کر سکے۔ اس وقت وہ کشمیر کے صوبیدار تھے۔ سیف خاں نے جب اس کا ترجمہ شروع کیا تو اس کو کتاب تشنہ اور مبہم لگی۔ اس لیے اس نے مختلف کتابوں کی مدد سے اس کی تشریح اور اضافے کیے تاکہ اس کتاب کے قاری کو کلاسیکی موسیقی کی تینوں قدیم کتابوں بھرت سنگیت، سنگیت درپن اور سنگیت رتناکر کی ضرورت نہ پڑے۔

سیف خاں نے راگ درپن میں لکھا ہے کہ عہد اکبری کے موسیقاروں نے بھی کتاب راگ ساگر کے نام سے لکھی تھی جس میں نے اسے ترجمہ کے لیے منتخب نہیں کیا کیونکہ ان میں عہد اکبری کے دوسرے موسیقاروں کو عملی موسیقی پر تو قدرت حاصل تھی لیکن علم موسیقی پر انھیں عبور نہ تھا۔ اس کے برخلاف مان سنگھ کے دربار میں علم موسیقی کے ماہرین جمع ہو گئے تھے۔"

کتاب اگرچہ ترجمہ ہے لیکن اس قدر مکمل اور جامع ہے کہ خود ایک علاحدہ مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی صحیح تاریخ تکمیل معلوم نہیں۔ ۱۰۷۳ھ میں یہ اختتام کے قریب تھی لیکن اس میں بعد کے سالوں میں بھی مصنف نے اصلاح و ترمیم جاری رکھی۔

سیف خاں نے یہ کتاب اورنگ زیب کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے لکھی تھی مگر مصنف کو یہ سعادت نہیں ملی اور کتاب انتساب سے محروم رہ گئی۔

راگ درپن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیف خاں خود موسیقی کے استاد اور موسیقاروں کے سرپرست تھے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ میں نے مختلف راگوں کو ملا کر

چند نئے راگ نکالے ہیں۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں میں نے ان ہی صفحوں میں ان سازندوں کا ذکر کیا ہے جن کے ساتھ سنگیت میں میں نے خود حصہ لیا ہے یا جو اورنگ زیب کے عہد میں موجود تھے۔" ان کے شوق کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے اس کتاب کی تکمیل میں ہزاروں روپے خرچ کر دیے۔"

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا راگ درپن مان کتوہل کی بنیاد پر ایک مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی اہمیت اس اعتبار سے بھی مسلّم ہے کہ اصل مان کتوہل کے وجود کا علم نہیں۔ اس میں بہت سے ایسی باتوں کا ضمنی طور پر ذکر آگیا ہے جو تاریخ موسیقی کی تاریخ میں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔

راگ درپن دس ابواب پر مشتمل ہے۔

۱. کتاب کی تصنیف کے بارے میں	۲. راگ
۳. مخصوص راگ کے لیے موسم کا تعین	۴. سور
۵. آلات موسیقی اور ایک رسالہ	۶. مغنی کے نقائص
۷. گلا اور آواز	۸. مکمل استاد کی شناخت
۹. سازندہ کی شناخت	۱۰. معاصر موسیقار اور مغنیوں کے بارے میں

۲. رسالہ رقص ہندی: سیف خاں نے ہندوستان کے مختلف رقص اور ان کی ترقی کے بارے میں یہ مفصل رسالہ لکھا۔"

۳. مکتوبات سیف خاں: سیف خاں نے مختلف امرا اور افسروں کو بہت سے خطوط لکھے اس مجموعہ میں ... صفحات ہیں اور یہ نامکمل ہے۔"

۴. نسخہ عیش افزا: یہ رسالہ اورنگ زیب کو معنون کرنے کے لیے لکھا گیا تھا اس میں سیف خاں نے اپنے

اور ماسے کے متعلق بھی بتایا ہے۔

سیف خاں کو شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی اور وہ مخلص خان بخشی کے شاگرد تھے۔ خوشگو نے ان کا یہ شعر نقل کیا ہے:

یار احوال دل از من پرسید
غنچہ لالہ بدستش دادم ۹۳

وہ شعرا کی سرپرستی بھی کرتے تھے۔ ناصر علی ان سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ انھوں نے پانچ ہزار روپے کا انعام جو خان جہاں بہادر کوکلتاش نے پیش کیا تھا، لینے سے انکار کر دیا اور کہا:

"بآں بزرگ (سیف خاں) می باشم ہر گاہ گرسنہ میشوم از مطبخ شوربا میرسد" ۹۴

ناصر علی نے سیف خاں کی تعریف میں پر زور اشعار کہے ہیں:

گفتگوی طوطی از آئینہ می خیزد علی
گر نباشد سیف خاں مارا نفس در کار نیست ۹۵

ای خان وفا نواز و دشمن پرداز
وی سیف تو صبح فتح را خندہ ناز
خواہم کہ چو آفتاب تاباں باشد
در ہر گرہ سال تو صد عمر دراز ۹۶

سیف خاں کے انتقال پر انھوں نے ایک پر درد مرثیہ لکھا:

سیف از سرم گذشت دل من دو نیم شد ۹۷

شیخ عبدالحق سجاول سرہندی: عبدالحق یا عبدالخالق سجاول گیارھویں صدی ہجری میں سرہند میں پیدا ہوئے

وہ عربی و فارسی کے عالم، شیخ معصوم سرہندی کے شاگرد اور اورنگ زیب کے مداح تھے۔ "مقامات معصومی" کے مصنف نے لکھا ہے کہ ان کا آبائی گاؤں سرہند سے چھ سات میل کے فاصلہ پر سوانده کے نام سے مشہور تھا۔ شیخ عبدالحق مجددیہ خاندان کے کئی بزرگوں کے استاد بھی رہے۔ ان کا انتقال سرہند میں ہوا اور خواجہ معصوم کے مقبرے کے قریب دفن ہوئے۔

شیخ عبدالحق کا ایک خاص کام شرح الوقایہ از عبداللہ بن مسعود (وفات ۷۴۷ھ ـ ۱۳۴۶ء) کا فارسی میں ترجمہ اور تفسیر ہے۔ حنفی مسلک سے متعلق اسلامی قوانین پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں ایک معروف کتاب ہدایۃ المبتدی ہے جو شیخ برہان الدین علی المرغینانی (وفات ۵۹۳ھ ـ ۱۱۹۷ء) کی تصنیف ہے۔ انھوں نے خود ہدایۃ الفروع کے نام سے اس کی تفسیر لکھی جو بہت زیادہ مقبول ہوئی۔ اس کے بعد ملی اور بھی بہت سی تفسیریں لکھی گئیں۔ اسلامی قانون شریعت کو اور ہدایہ کو سمجھنے میں مدد دینے کے لیے امام برہان الشریعت محمود بن عبداللہ بن مسعود نے وقایہ یا وقایۃ الروایہ تصنیف کی اور اس کی تفسیر عبداللہ بن مسعود نے لکھی۔ یہ شرح وقایہ بہت مقبول ہوئی اور ہندوستانی مدارس میں کثرت سے نصاب میں شامل کی گئی۔

مسائل شرح وقایہ:

شرح وقایہ کا فارسی ترجمہ اور تفسیر عبدالحق سجاول سرہندی کا کارنامہ ہے۔ سرورق پر متن تصانیف ابراہیم بن محمد بن ابراہیم حلبی تحریر ہے۔ انھوں نے حضرت خواجہ معصوم کی رہنمائی میں اس ترجمہ کو ۱۰۶۰ھ ـ ۱۶۵۰ء میں مکمل کر کے اورنگ زیب کے نام معنون کیا۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ حمد و سلام کے بعد مصنف کتاب کے آغاز میں خواجہ معصوم سے اپنے تعلق کا اظہار کرتا ہے:

"بعد ہذا میگوید احقر عباد اللہ الغنی عبدالحق سجاول سرہندی کہ از ایام

اور سا کے متعلق بھی بتایا ہے۔

سیف خاں کو شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی اور وہ فقص خاں تخلص کرتے تھے۔ تذکرہ نگاروں نے ان کا یہ شعر نقل کیا ہے:

یار احوال دل از من نپرسید

غنچہ نالہ بدستش دادم

وہ شعراء کی سرپرستی بھی کرتے تھے۔ ناصر علی [illegible] بہت کرتے تھے کہ انھوں نے پانچ ہزار روپیہ کا انعام جو خان جہاں بہادر کوکلتاش نے پیش کیا تھا لینے سے انکار کر دیا اور کہا:

"یاں بزرگ سیف خاں کی باشم ہر گاہ از [illegible] مستغنی شدہ باشم"

ناصر علی نے سیف خاں کی تعریف میں چند اشعار کہے ہیں:

گفتگوئی تو می از آتیش [illegible]

گر نباشد سیف خاں ما را نفس در کار نیست

ای فلک وفا تو از [illegible] پرواز

دل سیف تو صبح فتح را باختہ ناز

تو ہم گر چہ آفتاب تاباں باشد

در ہر گرہ سال تو صد عمر دراز

سیف خاں کے انتقال پر انھوں نے ایک پر درد مرثیہ لکھا:

سیف از سرم گذشت دل من دو نیم شد

شیخ عبد الحق سجاول سرہندی:

عبد الحق یا عبد الخالق سجاول گیارہویں صدی ہجری میں سرہند میں پیدا ہوئے

وہ عربی و فارسی کے عالم، شیخ معصوم سرہندی کے شاگرد اور [illegible] تھے۔ مقامات معصومی کے مصنف نے لکھا ہے کہ [illegible] سجاول سیل کے [illegible] کے نام سے مشہور تھا۔ شیخ عبد الحق [illegible] کے استاد بھی ہے ان کا انتقال سرہند میں ہوا اور خواجہ معصوم [illegible]

شیخ عبد الحق کا ایک خاص کام شرح وقایہ از عبد اللہ بن مسعود (وفات ۷۴۷ھ [illegible]) کا فارسی میں ترجمہ و تفسیر ہے۔ [illegible] سے متعلق [illegible] کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں ایک معروف کتاب ہدایہ [illegible] علی المرغینانی (وفات ۵۹۳ھ / ۱۱۹۷ء) کی تصنیف ہے۔ انھوں نے خود [illegible] کے نام سے اس کی تفسیر لکھی جو بہت مقبول ہوئی [illegible] اسلامی قانون شریعت کو [illegible] الشریعۃ محمود بن عبد اللہ بن مسعود نے وقایہ [illegible] تصنیف کی۔ [illegible] تفسیر عبد اللہ بن مسعود نے لکھی۔ یہ شرح وقایہ بہت مقبول ہوئی [illegible] بکثرت سے نصاب میں شامل کی گئی۔

مسائل شرح وقایہ:

شرح وقایہ کی ترتیب و تفسیر عبد الحق سجاول سرہندی کا [illegible] پر [illegible] تصانیف ابراہیم بن محمد بن ابراہیم حلبی [illegible] ہے۔ انھوں نے حضرت خواجہ معصوم کی رہنمائی میں اس ترتیب کو [illegible] میں مکمل کر کے [illegible] کے نام سے معنون کیا۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ [illegible] کے بعد مصنف کتاب کے آغاز میں خواجہ معصوم سے اپنے تعلق کا اظہار کرتا ہے:

"بعد بذا میگوید احقر عباد اللہ الغنی عبد الحق سجاول سرہندی کہ [illegible]

www.mujaddidway.com

[illegible]

کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج،
کتاب النکاح وغیرہ۔

[illegible]

[illegible]

۲- شرح ہدایہ :-

[illegible]

شیخ فضل اللہ سرہندی

[illegible]

حکیم محمد عابد سرہندی :-

[illegible]

شیخ غلام محی الدین سرہندی

[illegible]

www.mujaddidway.com

[illegible]

کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج،

کتاب النکاح وغیرہ۔

[illegible]

[illegible]

شرح ہدایہ

[illegible]

شیخ فضل اللہ سرہندی

[illegible]

حکیم محمد عابد سرہندی

[illegible]

شیخ غلام محی الدین سرہندی

[illegible]

www.mujaddidway.com

زمانہ میں جو بریلی کا حاکم تھا، سرہند سے بریلی ہجرت کر کے چلے گئے۔" ان کی تصانیف میں قرآن شریف کی منظوم تفسیر ۱۰ پارہ تک ہے۔

شیخ قطب الدین سرہندی: شیخ محدث قطب الدین حنفی نقشبندی سرہندی فقہ و حدیث کے زبردست عالم تھے۔ شیخ محمد زبیر بن عابد علی سرہندی سے تحصیل علم کیا اور عرصہ تک ان کے ساتھ رہے۔ ۱۱۷۳ھ میں حجاز شریف لے گئے، فریضہ حج ادا کیا اور مقامات مقدسہ کی زیارت کی اور مدینہ میں رحلت فرمائی۔ ان کی تصانیف میں "ولب الزبیر" اور "ذکر و اشغال" شامل ہیں۔

باب سوم

حواشی

۱۔ تاریخ مبارک شاہی ص ۲۱۱

۲۔ سٹوری جلد ۱، ص ۵۱۳؛ ریو جلد ۳، ص ۱۰۱۱؛ پروفیسر ایشتیاق احمد، ص ۷۰ لکھتے ہیں کہ ان کے پاس جو قلمی نسخہ ہے وہ سلطان سید محمد کے عہد ۸۳۸ھ/۱۴۳۴ء میں اچانک ختم ہو جاتا ہے، جو غالباً درست نہیں ہے۔

۳۔ تاریخ مبارک شاہی ص ۲۰۲

۴۔ ایلیٹ جلد ۴، ص ۶

۵۔ تاریخ مبارک شاہی ص ۴

۶۔ ایلیٹ جلد ۴ ص ۶

۷۔ مبارک شاہی ص ۴

۸۔ ایضاً ص ۱۹۴ — ۲۳۵

۹۔ طبقات اکبری جلد ۱، ص ۵ (انگریزی ترجمہ، مقدمہ)

۱۰۔ منتخب التواریخ جلد ۱، ص ۱۰ (انگریزی ترجمہ)

۱۱۔ تاریخ مبارک شاہی ص ۲۲۲

۱۲۔ شیخ فرید بخاری اکبر و جہانگیر کے عہد کے معزز امیر تھے بہت سی جنگوں میں حصہ لیا جہانگیر کے زمانہ میں ان کو پنج ہزاری کا منصب اور میر بخشی الملک کا عہدہ اور مرتضیٰ خاں کا لقب ملا۔ ان کا انتقال ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء میں ہوا۔ وہ زبدۃ التواریخ کے مصنف شیخ نور الحق کے بھی سرپرست تھے۔

زمانہ میں جو بریلی کا عالم تھا، سرہند سے بریلی ہجرت کر کے چلے گئے۔[۲۳] ان کی تصانیف میں قرآن شریف کی منظوم تفسیر، دس پارہ تک ہے۔

شیخ قطب الدین سرہندی: شیخ محدث قطب الدین حنفی نقشبندی سرہندی فقہ و حدیث کے زبردست عالم تھے۔ شیخ محمد یحییٰ بن عابد علی سرہندی سے تحصیل علم کیا اور عرصہ تک ان کے ساتھ رہے۔ ۱۲۳۳ھ میں حجاز شریف گئے، فریضہ حج ادا کیا اور مقامات مقدسہ کی زیارت کی اور وہیں رحلت فرمائی۔ ان کی تصانیف میں 'وہاب العزیز' اور 'ذکر و اشغال' شامل ہیں۔[۲۴]

باب سوم

حواشی

۱۔ تاریخ مبارک شاہی ص ۲۱۱

۲۔ اسٹوری جلد ۱، ص ۵۴۲، ریو جلد ۳، ص ۱۰۱۰۔ پروفیسر ہیئت خلیقہ، ص ۱۰ لکھتے ہیں کہ ان کے پاس جو قلمی نسخہ ہے وہ سلطان سید محمد کے عہد ۸۳۸ھ/۱۴۳۴ء میں ختم ہوتا ہے جو غالباً درست ترجمہ ہے۔

۳۔ تاریخ مبارک شاہی ص ۲۰۲

۴۔ ایضاً جلد ۲، ص ۶

۵۔ تاریخ مبارک شاہی ص ۴

۶۔ ایضاً جلد ۲ ص ۹

۷۔ مبارک شاہی ص ۴

۸۔ ایضاً ص ۱۹۲–۲۳۵

۹۔ طبقات اکبری جلد ۱، ص ۵ (انگریزی ترجمہ، مقدمہ)

۱۰۔ منتخب التواریخ جلد ۱، ص ۱۰ (انگریزی ترجمہ)

۱۱۔ تاریخ مبارک شاہی ص ۲۲۲

۱۲۔ شیخ فرید بخاری اکبر و جہانگیر کے عہد کے سربرآوردہ امیر تھے۔ بہت سی معرکوں میں حصہ لیا۔ جہانگیر کے زمانہ میں ان کو پنج ہزاری کا منصب اور بخشی الملک کا عہدہ اور مرتضیٰ خاں کا لقب ملا۔ ان کا انتقال ۱۰۲۵ھ مطابق ۱۶۱۶ء میں ہوا۔ وہ حضرت مجدد الف ثانی کے معتقد اور شیخ ... کے سرپرست تھے۔

۱۳۔ مدارالافاضل جلد ۱، ص ۲۲۶

۱۴۔ قرآن شریف کی ایک آیت "انبت اللہ نباتاً حسنا" کی طرف اشارہ ہے۔

۱۵۔ مدارالافاضل ص ۱ (مقدمہ)

۱۶۔ ایضاً ص ۲ (مقدمہ)

۱۷۔ مدارالافاضل ص ۲۲۹، منتخب التواریخ جلد ۲، ص ۳۹۲-۳۹۳ (انگریزی ترجمہ)

۱۸۔ ایضاً ص ۲۰

۱۹۔ ایضاً ص ۴۲

۲۰۔ ایضاً ص ۵۵

۲۱۔ ایضاً ص ۳۶۵

۲۲۔ مدارالافاضل (مقدمہ) ص ۲-۳

۲۳۔ ایچے جلد ۱۱ پارٹ ۱ ص ۱۳۶ نمبر ۷۰، ۱۵۰۵، ۱۵۰۳

۲۴۔ مدارالافاضل جلد ۱، ص ۴

۲۵۔ ایضاً ص ۴

۲۶۔ ایضاً ص ۵ (مقدمہ)

۲۷۔ بانکی پور جلد ۵ ص ۲۰ نمبر ۴۰۵

۲۷ الف۔ تاریخ نویسی فارسی در ہند و پاکستان ص ۱۰، پر اسکو انڈیا آفس ش ۹۰۶ کے حوالے سے تاریخ اکبر شاہی لکھا ہے۔

۲۸۔ ایلیٹ جلد ۶، ص ۱۱۶

۲۹۔ ایچے جلد ۱۱ پارٹ ۱، ص ۱۳

۲۹ الف۔ ایضاً ص ۱۳

۳۰۔ ببلوگرافی آف مغل انڈیا ص ۴۹

۳۰ الف۔ تاریخ نویسی فارسی ص ۱۰۹

۳۱۔ اسٹوری جلد ۱ پارٹ ۱ ص ۵۲۰-۵۴۰ نے اس کو تذکرۃ الواقعات کے نام سے لکھا ہے۔

۳۲۔ ریو جلد ۳ ص ۹۲۶

۳۳۔ ریو جلد ۳ ص ۹۲۸، ۱۰۴۷؛ ایچے جلد ۱ پارٹ ۱، ص ۹۹

۳۴۔ ببلوگرافی آف مغل انڈیا ص ۱۰۷ نمبر ۲۰۲

۳۵۔ زبدۃ التواریخ، محمد غوری سے جہانگیر کے عہد تک ہندوستان کی تاریخ ہے۔

۳۶۔ گلزار ابرار ورق ۱۰۹، نزہت الخواطر جلد ۴ ص ۵

۳۷۔ منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۵۱ (انگریزی ترجمہ)

۳۸۔ ایضاً جلد ۲ ص ۹۱-۱۹۰ (انگریزی ترجمہ)

۳۹۔ ایضاً جلد ۲ ص ۲۱۲ (انگریزی ترجمہ)

۴۰۔ گلزار ابرار کا مصنف (ورق ۱۰۹) لکھتا ہے کہ چونکہ وہ بادشاہ کے حکم کے بغیر گجرات سے آگیا تھا اس لیے اس کو قلعہ بھکر بھیج دیا گیا۔

۴۱۔ منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۲۰۵-۲۰۶ (انگریزی ترجمہ)

۴۲۔ ایضاً جلد ۲ ص ۲۰۶

۴۳۔ اتھروید ہندوؤں کی چار مقدس کتابوں میں سے ایک ہے۔ منتخب جلد ۲ ص ۲۱۲ ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے کہ حاجی ابراہیم سرہندی نے تنہا اتھروید کا ترجمہ کیا آئین اکبری جلد ۱، ص ۱۰۵ (انگریزی ترجمہ) بلاخمین

۴۴۔ منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۳۲۰ (انگریزی ترجمہ)

۴۵۔ غلزائیوں اور خلجیوں کا خاندان، یہ قبیلہ ہندوستان، افغانستان کے درمیان تجارت کرتا تھا۔

۴۶۔ منتخب التواریخ جلد ۱ ص ۹۔۵۰۸۔ سید محمد جونپور کے رہنے والے تھے۔ ۸۴۷ھ/۱۴۴۳ء کو پیدا ہوئے۔ تقویٰ و طہارت میں ان کا کوئی ہم پلہ نہ تھا۔ وہ ہمیشہ روزے سے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے ایک آواز سنی اور اپنے مہدی ہونے کا اعلان کر دیا۔ ان کے چند مخلصین نے ان کو غلط سمجھا اور ان کی غلط ترجمانی کی۔ مہدیوں کا ایک فرقہ پیدا ہو گیا۔ ان کا انتقال ۹۱۱ھ/۰۶۔۱۵۰۵ء میں ہوا۔

۴۷۔ شیخ علائی بیانہ کے پیرزادوں میں سے تھے وہ ایک عالم اور زبردست مقرر تھے۔ اپنی دلیلوں سے بہت سے علما کو خاموش کر دیتے تھے۔ وہ شیخ نیازی کے مرید ہو گئے اور اپنا مسلک چھوڑ کر مہدویت اختیار کر لی ملا عبد اللہ سلطان پوری کا لگے دشمن تھے۔ انھوں نے اسلام شاہ کو اکسایا، جو شیخ کا معتقد تھا۔ نتیجہ میں ان کو مار مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ (تذکرہ اردو ص ۸۱)

۴۸۔ منتخب التواریخ جلد ۱ ص ۵۰۹

۴۹۔ ایضاً جلد ۱ ص ۲۰۔۵۱۹

۵۰۔ ایضاً جلد ۳ ص ۳۰۲

۵۱۔ ایضاً جلد ۳ ص ۵۔۶۰۴

۵۲۔ ایضاً جلد ۳ ص ۷۷

۵۳۔ رود کوثر ص ۳۵۴

۵۴۔ زبدۃ المقامات (اردو ترجمہ) ص ۲۲۷ میں تحریر ہے کہ ان کا انتقال ۱۰۰۷ھ میں ۸۰ سال کی عمر میں ہوا لہٰذا سال ولادت ۹۲۷ ہوا۔

۵۵۔ چشتی سلسلہ کے ایک بزرگ صوفی، ۵۹۰ھ میں وفات پائی۔

۵۶۔ دسویں صدی ہجری کے ایک مقدس صوفی و بزرگ تھے۔

۵۷۔ سید علی قوام چشتی سلسلہ سے تھے اور جونپور میں شیخ بہاء الدین کے مرید تھے۔ ۹۵۰ھ

میں وفات پائی (زبدۃ المقامات ص ۱۱۷)

۵۸۔ زبدۃ المقامات ص ۱۱۸ (اردو ترجمہ)

۵۹۔ ایضاً ص ۱۲۷

۶۰۔ امام ربانی ص ۳۹

۶۱۔ گلزار ابرار ورق ۲۲۳ (علی گڑھ)

۶۲۔ زبدۃ المقامات ص ۱۸۔۱۱۷ (فارسی)

۶۳۔ نزہت الخواطر جلد ۴ ص ۴۴

۶۴۔ اس آیت سے ۱۰۰۴ ہجری برآمد ہوتا ہے جو سواطع الالہام کا سالِ تکمیل ہے۔ منتخب التواریخ کے مترجم نے سہواً اس آیت سے ۱۰۰۹ھ برآمد کیا ہے جو غلط ہے (منتخب جلد ۳ ص ۴۰۷ (انگریزی)

۶۵۔ ریاض الشعرا نمبر ۳۰۲، ۵

۶۶۔ نزہت الخواطر جلد ۴ ص ۱۹۸

۶۷۔ اسٹوری جلد ۱ پارٹ ۱ ص ۵۶۰، بوڈلین پارٹ ۱ ص ۳۸۹، ۱۲۲۱ء قلمی نسخہ نمبر ۱۳۲)

۶۸۔ نزہت الخواطر، جلد ۵ ص ۳۹۱-۳۹۶ نے ان کا پورا نام اس طرح لکھا ہے "امیر کبیر محمود بن احمد سرہندی سیف الدین بن فخر الدین مشہور بہ نواب سیف خاں"

۶۹۔ ماثر الامرا جلد ۲ ص ۴۸۱

۷۰۔ ایضاً جلد ۲ ص ۴۸۲

۷۱۔ ایضاً جلد ۲ ص ۴۸۴

۷۲۔ ایضاً جلد ۲ ص ۴۸۵

۷۳۔ بوڈلین نمبر ۱۸۴۴

۷۴۔ راگ درپن (ب) ورق ۱۵

٧٥۔ رسالۂ دریچہ ورق ٣

٧٦۔ رسالۂ دریچہ ص ٩١

٧٧۔ رسالۂ دریچہ ص ١٢٥ (ہندی ترجمہ)

٧٨۔ ایضاً ص ٥٢ - ١٥٠

٧٩۔ صبح گلشن ص ٢١٥

٨٠۔ قلمی نسخہ نمبر ١٠١/٣٠٢ ریحان کلکشن، علی گڑھ (اس کو انشائی نواب سیف خاں) کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ سیف خاں کے خطوط کا ایک اور قلمی نسخہ مجموعہ منشآت کے نام سے پنجاب یونیورسٹی میں ہے (ببلوگرافی آف مغل انڈیا نمبر ٥١٩ ص ١٠٧)

٨١۔ قلمی نسخہ سرگودھا (ببلوگرافی آف مغل انڈیا صفحہ ٩ نمبر ١٨٧)

٨٢۔ مخلص خاں ایران سے آئے تھے اور اورنگ زیب کے عہد میں تن بخشی کے عہدے پر مامور ہوئے۔ بہادر شاہ اول کے عہد میں انتقال ہوا (خوشگو ص ٩٩)

٨٣۔ خوشگو ص ٩٩ صبح گلشن ص ٢١٥

٨٤۔ کلمات الشعرا ص ١٢٨

٨٥۔ دیوان ناصر علی ص ٢٩

٨٦۔ ایضاً ص ١١٠

٨٧۔ صبح گلشن ص ٢١٥

٨٨-٨٩۔ بمبئی کیٹلاگ ص ٢٢٣ ایوانوف ص ٥٠٧ نے عبدالحق اور ایتھے جلد ١ پارٹ ٢ ص ١٣٩٥ نے عبدالخالق لکھا ہے۔ ایوانوف (ص ٥٠٧) نے سجاول ایتھے نے سکاول اور طبہاول لکھا ہے مگر صحیح عبدالخالق سجاول ہے جیسا کہ کتاب کے مقدمہ سے ظاہر ہے۔

٩٠۔ ایتھے پارٹ ٢ ص ١٣٩٥۔ شیخ معصوم کا انتقال ١٠٧٩ھ میں ہوا۔

٩١۔ پنجاب لائبریری کیٹلاگ ص ٥٠، ایتھے جلد ١ پارٹ ٢ ص ١٣٩٥

٩٢۔ مقامات معصومی ورق ٢١٢

٩٣۔ مقدمہ مسائل شرح وقایہ ص ٢-٣

٩٤۔ مسائل شرح وقایہ ص ٣

٩٥۔ ایتھے جلد ١، پارٹ ٢ ص ١٣٩٥، ایوانوف ص ٥٠٥ نمبر ١٠٣١

٩٦۔ ایتھے نمبر ١٥٩٣

٩٧۔ نزہت الخواطر جلد ٦ ص ٢٢٣

٩٨۔ ایضاً جلد ٦ ص ٢٢٠ - ٢٢٤

٩٩۔ ایضاً جلد ٦ ص ٢١٠

١٠٠۔ ایضاً جلد ٦ ص ٢٢٣

www.mujaddidway.com

باب چہارم

خاندان و سلسلۂ مجددیہ

صوفیا کے کئی سلسلے بامرورِ زمانہ وجود میں آئے جن میں سے کئی سلسلے بہت زیادہ مشہور ہوئے اور اب تک موجود ہیں۔ بہت سے غیر معروف سلسلے منقطع ہو گئے۔ ہر سلسلے کے قواعد و ضوابط اور طریقِ اشغال و اذکار جداگانہ ہیں۔ ان سلسلوں سے مزید شاخیں نکلی ہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے زمانے میں صوفیا کے تین سلسلے مشہور و موجود تھے: عدویہ سلسلہ، قادریہ سلسلہ اور رفاعیہ سلسلہ۔ عدویہ سلسلہ شیخ عدی بن مسافر الاموی (وفات ۵۵۷ھ) کی طرف منسوب ہے۔ قادریہ سلسلے کے بانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۵۶۱ھ) ہیں۔ سلسلۂ رفاعیہ شیخ احمد رفاعی (۵۰۰ھ ۔ ۵۷۸ھ) کی طرف منسوب ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی سلسلے مثلاً سلسلۂ یونسیہ، بداویہ تھے۔ سہروردیہ سلسلے کے بانی شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ (۵۳۹ھ ۔ ۶۳۲ھ) ہیں۔ سلسلۂ چشتیہ کے بانی خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ (وفات ۶۳۳ھ) ہیں۔ ہندوستان کے نامور اور مشہور بزرگوں میں مثلاً شیخ فرید الدین شکر گنجؒ (وفات ۶۶۴ھ) خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ (وفات ۶۳۳ھ) حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ (وفات ۷۲۵ھ) قاضی حمید الدین ناگوریؒ (وفات ۷۰۰ھ) امیر خسرو دہلوی (وفات ۷۲۵ھ) شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ (وفات ۷۵۷ھ) شیخ علاء الدین [illegible] شیخ سلیم چشتیؒ وغیرہ سب ہی سلسلۂ عالیہ سے وابستہ ہیں۔ ہندوستان کے مغل بادشاہوں کو اس سلسلے سے خاص عقیدت رہی ہے۔[1]

سلسلۂ نقشبندیہ: اس سلسلے کے بانی خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ (وفات ۷۹۱ھ) ہیں۔ اس سلسلے کے صوفی حضرات ذکرِ خفی کرتے ہیں۔ ان کے ذکر و فکر کا ایک خاص ضابطہ ہے جو دوسرے سلسلوں سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ اتباعِ سنت اور اجتناب بدعت اس سلسلے کا خاص شعار ہے۔ اس سلسلے کے ماننے والوں کا دعویٰ ہے کہ وہ صحابہ کرام رضوان اللہ کے طریقہ پر ظاہراً و باطناً قائم ہیں۔

طریقۂ نقشبندیہ کے خصائص میں سے ایک چیز یہ ہے کہ اس طریقہ کے بزرگوں نے احوال کو احکام شریعہ کے تابع کیا ہے اور احوال و معارف کو احکام شریعہ کا خادم بنایا ہے۔ یہ سماع و رقص کو پسند نہیں کرتے اور ذکر جہر کی طرف توجہ نہیں کرتے۔[2]

حضرت مجددؒ کے والد محترم مخدوم عبدالاحدؒ[3] شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے صاحبزادے شیخ رکن الدین کے ممتاز خلیفہ اور صاحب علم بزرگ تھے اور چشتیہ قادریہ سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت مجدد چشتیہ اور قادریہ سلسلے میں ان کے مرید ہوئے۔ نقشبندیہ سلسلے کے فروغ سے پہلے قادریہ سلسلے کو دوسرے قدیم سلسلوں پر امتیاز حاصل تھا اور اسی کی وجہ سے علما مثلاً شیخ علی متقیؒ، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس سلسلے میں بیعت کی۔

چشتی، سہروردی اور قادری سلسلوں کی تمام روایات گوشۂ تنہائی میں یادِ خدا کرنے کی تھیں۔ لیکن مسلمانوں میں دگرگوں صورت حال کی دسویں صدی ہجری میں جو بدعات اور دین میں فساد کا بازار گرم تھا اور جس طرح ان اہل [illegible] کار روائیوں کو شاہی سرپرستی حاصل تھی اس کا تقاضا تھا کہ صوفیا گوشۂ تنہائی سے نکل کر ارباب اقتدار سے ربط و ضبط پیدا کریں اور خرابیوں کی اصلاح کریں۔ صوفیا میں اس طریقہ کار کے سب سے بڑے ترجمان نقشبندی حضرات تھے۔ ہندوستان میں جس بزرگ نے اس اصول پر سب سے پہلے کثرت سے عمل کیا اور ہندوستان میں نقشبندی سلسلے کی مستحکم بنیاد رکھی وہ حضرت خواجہ محمد باقی باللہؒ (۹۷۱ھ ۔ ۱۰۱۲ھ) تھے۔ جن کے حلقۂ عقیدت میں حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی جیسی شخصیات

داخل ہوئیں۔ ان کے علاوہ دربار شاہی کے متعدد امیر بھی آپ کے مرید ہوئے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کی بنیاد رکھی جو تمام ہندوستانی طریقوں میں شریعت سے قریب ترین ہے۔ ہندوستان میں اسلام پر شروع سے تصوف کا رنگ اس قدر چڑھا ہوا تھا کہ کوئی شخص صوفیانہ سلسلہ میں داخل ہوئے بغیر اسلام کی برکات سے مستفید ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ایسی حالت میں اسلام کی بڑی خدمت یہ تھی کہ ایسے صوفیانہ سلسلے کو ترقی دی جائے جو بعض دوسرے سلسلوں کی طرح شرع سے آزاد نہ ہو۔ حضرت مجددؒ نے ایسے طریقہ کی اشاعت کی جس میں شریعت کی پیروی پر بہت زیادہ زور ہے۔ اس طریقے میں اتباع سنت سنیہ اور اجتناب بدعت نا مرضیہ پر جو کمال اہتمام ہے نقشبندیہ مجددیہ سلسلے میں اتباع شریعت اور ترویج سنت کا جوش دوسرے سلسلوں سے زیادہ ہے۔ نہ اس میں چلہ کشی کی ضرورت ہے نہ ذکر بالجہر کی اجازت ہے نہ سماع با مزامیر ہے۔ نہ قبوں پر روشنی نہ غلاف و چادر اندازی، نہ سجدہ تعظیمی، نہ پیروں کی قدم بوسی کا حکم، نہ مرید عورتوں کی بے پردگی۔ آپ نے طریقت کا وہ سلسلہ اختیار کیا جس میں احکام شرعی کا سب سے زیادہ پاس تھا اور اس سلسلہ کو ترقی دی بلکہ طریقت کے مقابلے میں شریعت کی اہمیت واضح کر دی۔ شرع کی حمایت اور ترجمانی کے علاوہ آپ نے رد بدعت اور اسلام کے عام احیاء پر بہت زور دیا اور مکتوبات کے ذریعہ بدعت کے دین میں شامل ہونے کے نقصانات کو واضح کیا۔

جو اثرات حضرت مجدد الف ثانیؒ کی بدولت ہندوستان میں مرتب ہوئے وہ ہندوستان کی سرحدوں سے نکل کر باقی عالم اسلام تک پہنچے۔ خواجہ باقی باللہؒ کے خلیفہ شیخ تاج الدین سنبھلی نقشبندیہ طریقہ سلسلے کو لے کر حجاز پہنچے۔ اس سلسلے میں جمالی رنگ زیادہ نمایاں تھا اور اصل زور تزکیہ نفس اور اصلاح حال پر تھا۔ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں جلالی شان غالب تھی اس کا طریق کار احیائی تھا اور اس کی اشاعت

کا ایک اہم ذریعہ حضرت مجدد اور ان کے صاحبزادگان خواجہ محمد معصومؒ، خواجہ محمد سعید اور خواجہ سیف الدین کے مکتوبات تھے۔ دوسرا ذریعہ خلفاء و مریدین تھے جنہوں نے ماوراء النہر، روم، شام و عرب تک پہنچ کر اس طریقہ کی ترویج کی۔ خلافت عثمانیہ میں طریقہ مجددیہ کی سب سے زیادہ اشاعت انیسویں صدی میں ہوئی جب حضرت خالد کردیؒ نے دہلی میں رہ کر شاہ غلام علیؒ سے یہ طریقہ اخذ کیا اور واپس جا کر عرب ممالک میں اس کی اشاعت کی اور انہوں نے اہل شرع کی مدد سے طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کو سلطنت کا سب سے با اثر صوفی طریقہ بنا دیا۔

افغانستان کے علاقوں میں تو مجددیہ سلسلہ کو اس سے بھی بڑھ کر فروغ ہوا۔ حضرت مجددؒ کی حیات ہی میں یہ سلسلہ آپ کے خلفاء کے ذریعہ افغانستان پہنچ چکا تھا۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ خود کابل کے رہنے والے تھے اور ماوراء النہر میں تعلیم پائی تھی اس لیے ان کے خلیفہ اعظم حضرت مجدد کے طریقہ کار کی افغانستان اور ترکستان میں اشاعت قدرتی تھی۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصومؒ کے ذریعہ اس طریقہ کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ آپ کے عقیدت مند ان علاقوں میں بہت ہیں۔ مثلاً افغانستان کے سب سے بڑے روحانی بزرگ حضرت نور المشائخ اس سلسلے سے متعلق رہے۔

نقشبندیہ مجددیہ سلسلہ کی شاخیں ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں آج بھی پھیلی ہوئی ہیں اور اس سلسلے کی تعلیمات کو ہر خاص و عام تک پہنچا رہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلے کی تعلیمات اس قدر سادہ اور پاک صاف ہیں کہ ہر دور میں ان کی ضرورت باقی رہے گی۔ ہر دور میں دین میں اور شریعت میں داخل اندازی کی کوششیں کی جاتی رہیں گی۔ لہٰذا ان تعلیمات یعنی اتباع شریعت، رد بدعت، ترویج سنت اور احیائے دین پر زور دینے کی ضرورت محسوس کی جاتی رہے گی۔

شیخ احمد سرہندی:

عارف باللہ الصوفی بے مثل مصلح اعظم شیخ احمد ملقب بہ بدرالدین و کنیت ابوالبرکات ۱۴ شوال ۹۷۱ھ مطابق ۲۶ مئی ۱۵۶۴ء کو سرہند میں متولد ہوئے۔ سال ولادت لفظ "خاشع" سے برآمد ہوتا ہے۔ ان کے والد شیخ عبدالاحد خود ایک عالم اور صوفی تھے ان کے بیان کے مطابق ان کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے۔ شیخ احمدؒ کے اجداد میں شہاب الدین علی فرخ شاہ فاروقی کابلی غزنہ اور کابل سے ہندوستان آکر آباد ہوئے

کہا جاتا ہے کہ فیروز شاہ تغلق (۷۵۲ھ ۔ ۷۹۰ھ / ۱۳۵۱ء ۔ ۱۳۸۸ء) کے عہد میں ایک مرتبہ شاہی خزانہ اس علاقہ کے جنگلات سے گزر رہا تھا۔ ایک بزرگ بھی اس قافلہ کے ہمراہ تھے جب اس جگہ جہاں اب سرہند آباد ہے، پہنچے تو ان بزرگ نے پیشگوئی کی کہ یہاں ایک بڑا صوفی اور ولی اللہ پیدا ہوگا۔ بادشاہ نے یہ خبر سن کر یہاں ایک شہر آباد کرنے کا حکم دیا اور یہ کام امام رفیع الدینؒ کے سپرد ہوا جو شیخ احمد کے اجداد میں تھے۔ شیخ احمدؒ نے اپنے نام کی نسبت لقب "مجدد الف ثانی" سے زیادہ شہرت پائی۔

ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی اور کم سنی میں ہی قرآن شریف حفظ کر لیا۔ اس کے بعد انہوں نے علم حدیث اور تفسیر کی تکمیل کی۔ بعد ازاں دینی تعلیم کی تکمیل کے لیے مولانا کمال کشمیریؒ کے پاس سیالکوٹ گئے جہاں معقولات کی کتابیں اور حدیث کی سند مولانا یعقوب صرفی کشمیریؒ سے حاصل کی۔ یہ تمام علوم آپ نے ۱۷ سال کی عمر میں حاصل کر لیے سیالکوٹ میں ہی آپ نے علم تفسیر ایک اور ممتاز عالم قاضی بہلول بدخشانی سے پڑھا۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ سرہند واپس تشریف لے آئے اور اپنے والد ماجد کے حضور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے کچھ عرصہ بعد آپ آگرہ تشریف لے گئے وہاں بڑے بڑے علماء سے تبادلۂ خیال کا موقع ملا۔ ابوالفضل و فیضی سے آگرہ میں اکثر ملاقات اور علوم فلسفہ پر بحث و مباحثہ رہا۔ ابوالفضل وغیرہ زبردست ملحد تھے فرشتوں کے وجود کے منکر تھے انہوں نے آپ کو اپنا ہم خیال اور ہمنوا بنانے

کی کوشش کی۔ ان ہی مناظروں کی بنا پر آپ نے "اثبات النبوۃ" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ ابوالفضل اور فیضی آپ کی غیر معمولی ذہانت قابلیت سے بہت متاثر ہوئے ان مجلسوں سے آپ کو یہ فائدہ حاصل ہوا کہ آپ نے اس زمانے کے اصل فتنوں کے مبدء و منشا کا پتہ چلا لیا۔ زبدۃ المقامات میں تحریر ہے کہ ایک مرتبہ ابوالفضل اور شیخ احمدؒ ایک مجلس میں جمع تھے۔ ابوالفضل نے فلسفہ اور اس سے متعلقہ موضوعات پر بحث شروع کر دی اور بہت زیادہ مبالغہ سے کام لیا۔ شیخ احمدؒ نے امام غزالیؒ کے حوالے سے اس کی دلیلوں کو رد کیا۔ ابوالفضل کو غصہ آگیا اور اس نے امام غزالی کے متعلق چند توہین آمیز کلمات کہے۔ شیخ موصوف کو اس پر بہت غصہ آیا اور انہوں نے ابوالفضل کو سرزنش کرتے ہوئے کہا "علماء کی صحبت میں بیٹھنا چاہتے ہو تو زبان کو اس قسم کی لغویات سے قابو میں رکھو" اس کے بعد شیخ احمدؒ کچھ عرصہ تک اس کی مجلس میں نہیں گئے یہاں تک کہ ابوالفضل نے معذرت چاہی۔

اسی طرح ایک مرتبہ عید کے چاند کے متعلق اختلاف تھا۔ اکبر نے بغیر کسی شرعی شہادت کے لوگوں سے روزہ توڑنے اور عید منانے کو کہا۔ اسی دوران شیخ احمدؒ ابوالفضل سے ملنے گئے آپ کے چہرے سے روزہ کے آثار ظاہر تھے۔ ابوالفضل نے شاہی فرمان کی طرف ان کو متوجہ کیا۔ شیخ نے جواب دیا کوئی شرعی شہادت موجود نہیں ہے اور یہ کہ "بادشاہ بی دین است اعتقاد ندارد" ابوالفضل نادم ہو کر رہ گیا مگر پھر بھی اس نے پانی کا پیالہ آپ کے منہ سے لگا دیا لیکن آپ نے ہاتھ جھٹک دیا اور اسی وقت اٹھ کر چلے آئے۔ بعد میں ابوالفضل نے معافی مانگ لی اور پھر آمد و رفت شروع ہو گئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سواطع الالہام جو فیضی کی مشہور بے نقطہ تفسیر ہے۔ اس میں بھی شیخ احمدؒ کی امداد شریک تھی ایک دن حضرت موجود تھے اور ایک مضمون فیضی کی گرفت میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح صنعت بے نقطہ میں لکھے۔ اس نے حضرت شیخ احمدؒ سے مدد چاہی۔ آپ کو اس صنعت میں لکھنے کا کوئی پہلے تجربہ نہیں تھا لیکن پھر بھی آپ نے قلم برداشتہ پورا صفحہ اسی صنعت بے نقطہ

www.mujaddidway.com

میں لکھ دیا۔ کہا جاتا ہے کہ تفسیر مذکور کی تکمیل میں حضرت شیخ احمدؒ کا بھی قابل ملاحظہ حصہ اور مدد شامل تھی ۱۷۔ کچھ عرصہ بعد آپ کے والد جن پر آپ کی جدائی شاق گذر رہی تھی۔ آپ کو لینے کے لیے اکبر آباد (آگرہ) گئے اور آپ کو اپنے ہمراہ لے آئے۔ راستہ میں جب تھانیسر پہونچے تو وہاں کے ایک رئیس شیخ سلطانؒ کی صاحبزادی سے آپ کا نکاح پڑھا گیا۔ اس شادی سے آپ کو کافی مال ملا جس سے آپ نے سرہند میں مکانات اور مسجد تعمیر کرائی۔

اس سفر سے واپسی کے بعد آپ اپنے والد کی خدمت میں التزام سے رہنے لگے۔ ان سے چشتیہ اور قادریہ دونوں نسبتیں حاصل کیں۔ لیکن آپ نے موسیقی سے ہمیشہ اجتناب کیا جس کا سننا چشتیہ سلسلہ میں جائز ہے ۱۸۔

ایک مرتبہ آپ شاہ سکندرؒ کی صحبت میں مراقبہ میں بیٹھے تھے شاہ صاحب نے اٹھ کر شاہ کمال کیتھلیؒ کا خرقہ آپ کے کندھوں پر ڈال دیا اور فرمایا کہ ان کو ان کے والد شاہ کمال کی ہدایت تھی کہ یہ روحانی ورثہ شیخ احمدؒ کو پہونچا دوں ۱۹۔

شیخ احمد کو حج کی بہت آرزو تھی لیکن والد کی ضعیف العمری کی وجہ سے وہ ان کو چھوڑ کر نہیں جا سکتے تھے۔ آپ کے والد مخدوم عبدالاحد کا ۱۰۰۷ھ/۹۹-۱۵۹۸ء میں انتقال ہو گیا۔

تب ۱۰۰۸ھ میں آپ حج کے ارادہ سے سرہند سے روانہ ہو کر دہلی پہونچے۔ یہاں وہ اپنے دوست مولانا حسن کشمیری سے ملے جنھوں نے ان کو خواجہ باقی باللہؒ سے ملنے کا مشورہ دیا۔ آپ کو پہلے ہی سے نقشبندیہ نسبت کے حاصل کرنے کی تمنا تھی۔ بے اختیار ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خواجہ کمال شفقت و عنایت سے پیش آئے اور حج کے بارے میں سن کر فرمایا کہ اگر ایک ہفتہ یا ایک مہینہ یہاں قیام کر لیں تو کوئی مضائقہ نہیں ابھی تین چار دن ہی گذرے تھے کہ آپ کے دل میں مرید ہونے کا شوق پیدا ہوا اور درخواست کی۔ خواجہ صاحبؒ نے بلا تامل ایک خلوت میں بلا کر توجہ فرمائی۔ آپ کا قلب ایک ہی توجہ میں ذاکر ہو گیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں بڑی ترقی اور جمعیت حاصل ہوئی۔ شیخ احمدؒ تین ماہ تک خواجہ

کی صحبت میں رہے اور اس کے بعد وطن واپس تشریف لے گئے ۲۰۔ کچھ عرصہ بعد دوبارہ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خواجہ صاحب نے ۱۰۰۹ھ/۱۶۰۰ء میں خلافت کی خلعت سے سرفراز فرمایا ۲۱ اور مریدوں کے ایک گروہ کو تربیت کے لیے ان کے ہمراہ کر کے رخصت فرمایا۔ سرہند آکر آپ نے حضرت خواجہ سے تعلق قائم رکھا اور مریدوں کی روحانی ترقی کی آپ کو خبر دیتے رہے ۲۲۔

جب آپ تیسری مرتبہ دہلی تشریف لائے تو حضرت خواجہ باقی باللہؒ قلعہ فیروزی (جہاں آپ کی رہائش تھی) سے کابلی دروازہ تک آپ کے استقبال کے لیے پیادہ تشریف لائے خواجہ باقی باللہ باوجود پیر ہونے کے شیخ احمد سرہندیؒ کے سامنے انتہائی احترام سے بیٹھتے تھے۔ اس تیسری ملاقات میں خواجہ صاحب نے آپ کو عظیم الشان بشارتیں دیں۔ اپنے حلقہ توجہ میں آپ کو سر حلقہ بنا کر بٹھایا اور مریدوں سے فرمایا کہ ان کی موجودگی میں کوئی شخص میری طرف متوجہ نہ ہوا کرے۔ رخصت کرتے وقت فرمایا کہ اب امید حیات بہت کم رہ گئی ہے اور اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت خواجہ عبیداللہ اور حضرت خواجہ عبداللہ کو جو اس وقت شیر خوار تھے اپنے سامنے حضرت شیخؒ سے توجہ دلائی اور فرمایا کہ ان کی ماؤں کو بھی غائبانہ توجہ دیجئے۔

دہلی سے آپ سرہند واپس تشریف لے گئے اور ارشاد و ہدایت کے کام میں مشغول ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی طرف سے آپ کو لاہور جانے کا حکم ہوا۔ لاہور میں آپ کے فیضان علم اور کمالات کی بہت شہرت ہوئی۔ یہاں کے عمائد علما مولانا جمال الدین تلوی اور مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔ آپ کا ابھی لاہور ہی میں قیام تھا کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے انتقال کی خبر ملی۔ خواجہ صاحبؒ کا انتقال ۲۵ جمادی الثانی ۱۰۱۲ھ/۳۰ نومبر ۱۶۰۳ء کو دہلی میں ہوا۔ آپ لاہور سے سیدھے دہلی روانہ ہوئے۔ یہاں آکر اپنے پیر بھائیوں کے شکستہ دلوں کو مرہم عنایت

سے تسلی و تشفی بخش اور دہلی میں ارشاد و ہدایت کا کام جاری رکھا۔ چند مریدوں کی طرف سے کچھ شکوک و بدگمانیوں کا اظہار ہوا تو آپ نے ان کے شکوک کو دور کرکے ان کو مطمئن کر دیا ۲۴۔

حضرت شیخ احمد سرہندیؒ جب تیسری مرتبہ حضرت خواجہ سے رخصت ہونے لگے تو حضرت خواجہ نے فرمایا جب حضرت خواجہ امکنگیؒ نے مجھے ہندوستان آنے کا حکم دیا تو میں نے خود کو اس لائق نہ پاکر کچھ تردد کا اظہار کیا۔ خواجہ امکنگی نے استخارہ کے لیے فرمایا۔ استخارہ میں ہم نے دیکھا کہ ایک طوطی شاخ پر بیٹھا ہوا ہے اور ہم نے دل میں نیت کی اگر طوطی اس شاخ سے اڑ کر ہمارے ہاتھ پر بیٹھ جائے تو ہمیں اس سفر میں کامیابی ہوگی۔ اسی وقت طوطی اڑ کر ہمارے ہاتھ پر بیٹھ گیا اور ہم نے اپنا آب دہان اس کی منقار میں ڈالا اور اس طوطی نے ہمارے منہ میں شکر ڈالی۔ دوسرے دن جب خواجہ امکنگیؒ سے یہ واقعہ عرض کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ طوطی ہندی پرندہ ہے اور ہندوستان میں تمہاری صحبت سے ایسا شخص پیدا ہوگا جس سے پوری دنیا منور ہوگی اور تمہیں بھی اس سے فیض حاصل ہوگا۔ ۲۵

دوسرا واقعہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے بیان فرمایا کہ جب میں ہندوستان آتے ہوئے شہر سرہند پہنچا تو واقعہ میں یہ معلوم ہوا کہ میں ایک قطب کے پڑوس میں اترا ہوں اور اس قطب کا حلیہ بھی مجھے بتا یا گیا۔ صبح کو جس قدر درویش سرہند میں تھے سب سے ملا لیکن وہ حلیہ اور قطب کی صفات کسی میں نہ تھی۔ خیال ہوا اگر شاید آیندہ کوئی ایسا شخص پیدا ہو جب تم کو دیکھا تو تمہارا حلیہ بعینہٖ وہی پایا اور اس منصب کی قابلیت بھی دیکھی۔ نیز حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میں نے واقعہ میں دیکھا کہ میں نے سرہند میں ایک بڑی مشعل آفتاب کے مانند روشن کی ہے اور اس کی روشنی لحظہ بلحظہ ترقی کر رہی ہے اور لوگ اس سے چراغ روشن کر رہے ہیں۔ یہ اشارہ بھی تمہاری طرف ہی ہے ۲۶۔

حضرت خواجہ باقی باللہ کو حضرت شیخ احمدؒ کے بیعت ہونے پر بڑا ناز تھا۔ خواجہ صاحب اپنے ایک خط میں حضرت مجدد صاحب کے مراتب کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"شیخ احمد نام مردی است از سرہند کثیر العلم وقوی العمل روزی چند فقیر با او نشست و برخاست کردہ عجایب بسیار از روزگار و اوقات او مشاہدہ نمودہ بآن ماند کہ چراغے شود کہ عالمہا از و روشن گردد والحمدللہ تعالیٰ احوال کاملہ او مرا بہ یقین پیوستہ" ۲۷

ایک اور موقعہ پر میر محمد نعمان کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"میاں شیخ احمد آفتابی اند کہ مثل ما ہزاران ستارگان در ضمن ایشان گم است و از کمل اولیای متقدمین خال خالی مثل ایشان گذشتہ باشند" ۲۸

حضرت شیخ احمدؒ بھی خواجہ صاحبؒ کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے جیسا کہ ان کے مندرجہ ذیل اقتباس سے ظاہر ہے۔

"بعد حمد و صلوات و تبلیغ دعوات بجناب مخدوم زادہائے کرام می نماید کہ این فقیر از سرتا قدم غرق احسانہائے والد بزرگوار شماست۔ در این طریق سبق الف بے را از ایشان گرفتہ است و دولت اندراج النہایت فی البدایت ببرکت صحبت ایشان حاصل کردہ و سعادت سفر در وطن را بصدقہ خدمت ایشان یافتہ توجہ شریف ایشان در دو نیم ماہ این ناقابل را نسبت نقشبندیہ رسانیدہ و حضور خاص این اکابر را عطا فرمود۔

گر بر تن من زبان شود ہر موے
یک شکر وے از ہزار نتوانم کرد

سہ مرتبہ فقیر بدولت عتبہ بوسی حضرت ایشان مشرف گشت" ۲۹

دہلی میں کچھ عرصہ قیام اور پیر برادران کو تسلی و تشفی دینے کے بعد حضرت شیخ احمدؒ سرہند واپس تشریف لے گئے اور درس و تدریس دعوت و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کے علم و فضل اور روحانی کمالات کا شہرہ سن کر لوگ کثیر تعداد میں ان کے مرید ہوئے

www.mujaddidway.com

تھے۔ ان میں شاہی امراء و والیات کے حاکم مثلاً صدر جہاں، خان اعظم، خانخاناں، مرتضیٰ خاں بھی شامل تھے۔ یہ سب اکبر کے دربار میں با اثر تھے۔ اسی لیے حضرت شیخ احمدؒ نے ان سے کہا کہ اکبر کو اسلام کے صحیح راستہ پر لانے کی کوشش کریں۔ لیکن ان لوگوں کی تمام تر کوششیں بے نتیجہ ثابت ہوئیں۔ اسی دوران ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء میں اکبر کا انتقال ہوگیا اور تخت شاہی پر جہانگیر جلوہ افروز ہوا۔

اس موقع کو غنیمت سمجھ کر حضرت شیخ احمدؒ نے احیائے اسلام اور تمام بدعات و رسوم قبیحہ کی بیخ کنی کے لیے زبردست جد وجہد شروع کر دی۔ آپ نے ملک کے گوشہ گوشہ میں اپنے خلفاء کو روانہ کیا۔ آپ نے ارکان شاہی کو مکتوب گرامی کے ذریعہ وقت کے اہم تقاضے کی طرف توجہ دلائی۔ لشکر شاہی میں آپ کے نامور خلیفہ شیخ بدیع الدین تلقین و ارشاد میں مشغول تھے اور ہزارہا آدمی ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے تھے۔ شیخ بدیع الدین کو لشکر شاہی میں آپ نے ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء میں روانہ فرمایا تھا۔[۳۱]

نواب مرتضیٰ خان فرید بخاری کو ایک مکتوب میں آپ نے تحریر فرمایا:

"بادشاہ کی نسبت جہان کے واسطے ایسی ہے جیسے دل کی نسبت بدن کے ساتھ اگر دل اچھا ہے تو بدن بھی ٹھیک ہے۔ ایسے ہی جہان کی بہتری بادشاہ کی بہتری پر منحصر ہے اور اس کے بگڑنے سے جہان کا بگڑنا وابستہ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ گذشتہ زمانہ میں اہل اسلام پر کیا کیا مصائب گذرے ہیں ..... محبوب رب العالمین حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ذلیل و خوار تھے اور منکرین باعزت و وقار ..... آج جب دولت اسلام کی ترقی اور بادشاہ اسلام کی تخت نشینی خاص و عام کے کانوں تک پہونچی اہل اسلام نے لازم جانا کہ بادشاہ کے معاون اور مددگار ہوں اور شریعت کے رواج دینے میں اس کی مدد کریں"[۳۳]

عہد اکبری کے آخر میں دربار سے علما کو موقوف کر دیا گیا تھا۔ عہد جہانگیری میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ حضرت شیخ احمدؒ کی پیہم کوششوں سے جب بادشاہ کے رجحانات میں تبدیلی

ہوئی تو دربار میں چار عالموں کا رکھا جانا منظور ہوا جو بادشاہ کے مشیر کار ہوں اور مسائل شرعیہ بتایا کریں تاکہ بادشاہ خلاف شرع قدم نہ اٹھائے۔ ان علماء کے انتخاب کا حکم شیخ فرید بخاری کو ملا۔ حضرت شیخ احمدؒ کو اس خبر سے بے حد مسرت ہوئی لیکن چونکہ آپ کو معلوم تھا کہ اکبر کو علماء سوء نے بگاڑا تھا اس لیے آپ نے شیخ فرید، صدر جہاں اور دیگر مقربین کو تحریر فرمایا کہ وہ علماء کے انتخاب میں نہایت احتیاط ملحوظ رکھیں۔

شیخ فرید کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

"بادشاہ نے اپنی فطری مسلمانی کی تحریک سے آپ کو چار علمائے دیندار کے انتخاب کے لیے فرمایا ہے جن کو شاہی دربار میں شرعی مسائل کے بیان کرنے کے لیے ملازم رکھا جائے تاکہ خلاف شرع کوئی امر صادر نہ ہو۔ اس پر حق تعالیٰ کی حمد بجا لاتا ہوں ...... دور سابق میں علماء سوء نے ہی دنیا کو بلا میں ڈالا تھا ایسا نہ ہو کہ دین کی ترویج کی بجائے تخریب شروع ہو جائے۔ اگر بجائے چار کے ایک ہی عالم کا انتخاب ہو جائے تو بہتر ہے اور اگر ایسا آدمی علمائے ربانی میں سے مل جائے تو کیا کہنا، ایسے لوگوں کی صحبت کبریت احمر ہے"[۳۲]

لالہ بیگ گورنر بہار کو ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں :-

"..... ابتدائے بادشاہی میں ہی اگر مسلمانی کو رواج دے دیا اور مسلمانوں کا سکہ بیٹھ گیا جب تو خیر ہے ورنہ اگر مسلمانوں نے سستی کی تو مسلمانوں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا"[۳۴]

صدر جہاں[۳۵]، خان جہاں[۳۶]، شیخ فرید[۳۷] کے نام آپ کے بہت سے مکاتیب ہیں جن میں ان امراء کو توجہ دلائی گئی ہے کہ بادشاہ کے تقرب سے فائدہ اٹھا کر حتی الامکان کوشش کرتے رہیں اور احکام شریعہ کے نفاذ کی طرف بادشاہ کو رغبت دلائیں۔ گذشتہ دور میں دین کو جو شدید نقصان پہونچا آپ نے نہایت پر درد الفاظ میں اس کی عکاسی کی

www.mujaddidway.com

اور اعتقادات کے خاتمے کے لیے کوشش کرنے کے لیے کہا۔ ان مکتوبات کے ذریعہ آپ نے ان امرا کا ذہن اسلامی تعلیمات کی طرف موڑ دیا۔

قلیج خاں گورنر لاہور کو اس ضمن میں ان کی کامیابی پر تحریر فرماتے ہیں۔

" اظہار مسرت و شکر گزاری ایشان می نماید کہ در بلدہ معظمہ لاہور بوجود ایشان بسیاری از احکام شرعیہ درین عصر زمانہ رواجی پیدا کردہ است و تقویت دین و ترویج ملت دران بلدہ حاصل گشتہ است" ۴۸

حضرت مجددؒ ان امرا کو اصلاح کی جانب بار بار متوجہ کرتے رہے چنانچہ ہر امیر کے نام حضرت مجددؒ کے متعدد طویل مکتوبات ہیں۔ ان مکتوبات میں ایک طرف دینی تعلیم کا زور اور دوسری طرف انشا پردازی کا جادو تھا۔ ابوالفضل اور فیضی کی سحر نگاری اور فلسفیانہ موشگافیوں نے الحاد پیدا کیا اس کے برعکس حضرت مجددؒ کے طرز نگارش اور ادبی شہ پاروں سے قرآنی تعلیمات اور وقت کی اہم ضرورت قلوب میں اتر جاتی ہے۔ ان امرا کے نام تمام مکتوبات کا ایک ہی موضوع مشترک تھا جس طرح ہو سکے اس نقصان کی تلافی ہونی چاہیے جو اسلام کو عہد اکبری میں پہنچ چکا ہے۔

حضرت مجددؒ اور ان کے مریدین کی سرگرمیوں نے جہانگیر اور اس کے خوشامدیوں کو خبردار کر دیا۔ جہانگیر کا وزیر آصف خاں حضرت مجددؒ کا سخت دشمن اور مخالف تھا اس نے جب دیکھا کہ حضرت مجددؒ کا اثر روز بروز بڑھ رہا ہے۔ بڑے بڑے اعیان حکومت ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو رہے ہیں تو وہ جہانگیر کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا کہ شیخ احمد سرہندیؒ نہایت خطرناک اور سرکش انسان ہیں اور حکومت کے باغی ہیں اس کا ثبوت اس نے یہ دیا کہ دربار میں سجدۂ تعظیمی جو اکبر کے زمانے سے چلا آتا ہے اور علما بھی اس کے جواز کا فتوی دے چکے ہیں۔ شیخ احمدؒ نے اس کی حرمت کا فتوی دیدیا ہے۔ آصف خاں نے حضرت مجددؒ کے خلیفہ شیخ بدیع الدین کی لشکر میں سرگرمیوں پر بھی سخت نگرانی شروع کر دی اور لوگوں کو

ان کا مرید ہونے سے منع کیا۔ پایۂ تخت اور سرہند کے درمیان نامہ و پیام کے سلسلہ کو بھی منقطع کر دیا۔ آخرکار شیخ بدیع الدین نے خود سرہند جانے کا فیصلہ کیا جب وہ سرہند پہونچے تو حضرت مجددؒ بلا اجازت ان کے لشکر سے چلے آنے پر ناراض ہوئے ۴۹

دوسری طرف آصف خاں اور دوسرے امرا نے بادشاہ کو بتایا کہ شیخ بدیع الدین کوئی سازش کرنے سرہند گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت مجددؒ کی تمام سرگرمیوں، کتابوں اور مکتوبات کی چھان بین کی گئی اسی دوران دفتر اول کے مکتوب ۱۱ کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ علما کو بھی اس خط کے مندرجات کے متعلق اکسایا گیا۔

حضرت مجددؒ نے اس خط میں جو خواجہ باقی باللہؒ کو ۱۰۰۸ھ سے قبل لکھا تھا اپنے مقامات عروج کا ذکر کیا تھا۔ آپ نے اس میں تحریر فرمایا تھا کہ مختلف مقامات کو طے کرتے ہوئے آپ اس مقام پر پہونچے جو حضرت صدیق اکبرؓ کا مقام ہے ...... اور اس مقام کے اوپر سوائے آنحضرت صلعم کے کوئی مقام معلوم نہیں ہوتا .... اس مکتوب پر اعتراض کیا گیا کہ حضرت شیخ احمد سرہندی حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ پر فضیلت کا دعوی کرتے ہیں۔ یہ معاملہ اور بڑھا کر بادشاہ کے گوش گذار کیا گیا۔ چنانچہ جہانگیر نے حضرت مجددؒ کو آگرہ یا دربار طلب کیا۔ حضرت مجددؒ اپنے مخصوص خلفا کے ہمراہ دربار شاہی میں حاضر ہوئے لیکن کوئی خلاف شرع آداب نہ بجالائے جہانگیر نے اس مکتوب کے بارے میں وضاحت طلب کی۔ آپ نے ایسا مدلل جواب دیا کہ جہانگیر اور دوسرے اعیان دولت کی زبان بند ہو گئی۔ آپ نے فرمایا:

" درفرقہ صوفیہ اگر کسی خود را از سگ بہتر داند صوفی نیست چہ جائیکہ خود را از صدیق اکبرؓ افضل داند و این سخن کہ در مکتوب تحریر است ذکر سیر و عروج مقامات سلوک است و این عروج صوفیا در آن مقامات برای ساعتی است۔ چنانچہ در دربار شاہی امرای نامدار شب و روز حاضری باشند و اگر بادشاہ کسی عاجز لشکری را ضرورتاً نزد خود طلب نماید و باو ہمکلام شود

www.mujaddidway.com

در جہاد و بیان جواز عقوبات بعدو بیان شکر کی ازا مراد و خدا [illegible]

قولہ شدہ [illegible] عہد [illegible] حامیان ساختہ است ۔

جب یہ امر بروئے کار آ گیا تو آصف خاں نے جہانگیر سے کہا کہ یہ سجدۂ تعظیمی نہیں بجا لاتے جو آپ سے سجدۂ تعظیمی کے لیے کہا جاتا ہے۔ آپ نے اس سے اتفاق نہیں کیا اور فرمایا کہ سجدہ بجز خدائے تعالیٰ کسی کو روا نہیں ہے۔ شہزادہ خرم (شاہجہاں) نے افضل خاں اور مفتی عبدالرحمٰن کو بھیجا کہ آپ کو سجدہ کے لیے آمادہ کریں بایں پیغام کہ اگر سجدہ کریں تو وہ آپ کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ لیکن آپ نے تسلیم نہیں کیا اور فرمایا:

"ایں رخصت است و عزیمت در آں است کہ سجدہ بغیر از خدا نہ کنند"

جہانگیر نے ۱۰۲۸ھ میں آپ کو قلعہ گوالیار میں قید کرنے کا حکم دیا۔ اس کا جہانگیر نے تزک جہانگیری میں چودھویں سال جلوس کے واقعات میں کسی قدر تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

"دریں ایام (۱۰۲۸ھ) بعرض رسید [illegible] (۱۰۲۸ھ)

شیادے بہ شیخ احمد نام در سرہند دام تزویر و سالوس فروچیدہ بسیارے از ظاہر پرستان بے معنی را صید خود کردہ و بہر شہرے و دیارے یکے را از مریدان خود کہ آں را خلیفہ نامد و دکان آرائی و معرفت فروشی و مردم فریبی از دیگراں پختہ تر داند خلیفہ نام نہادہ فرستادہ و مزخرفاتے کہ بمریدان و معتقدان خود نوشتہ کتابے فراہم آوردہ و مکتوبات نام کردہ .... از آں جملہ در مکتوبی نوشتہ کہ در اثنائے سلوک گذارم بمقام ذی النورین افتاد ۔ مقامے دیدم بسیار عالی و خوش ازاں مقام گذشتم بمقام فاروق رسیدم و از مقام فاروق بمقام صدیق عبور نمودم و ہر یک را تعریفے در خور آں نوشتہ و ازانجا بمقام محبوبیت واصل شدم .... بس منور و ملون دیدم منعکس گشتہ

جا بمرتبت رجوع نمودم و دیگر گستاخی ہا کہ نوشتن آں طول دارد و از ادب دور است ۔ بنا بریں حکم نمودم کہ بدرگاہ عدالت آئین حاضر سازند حسب الحکم بملازمت پیوست و از ہر چہ پرسیدم جواب معقول نتوانست داد با عدم خرد و دانش بغایت مغرور و خود پسند ظاہر شد ۔ صلاح حال او منحصر دراں دیدم کہ چندے در زندان ادب محبوس باشد تا شوریدگی مزاج و آشفتگی دماغش قدرے تسکین پذیرد و شورش عوام نیز فرو نشیند ۔ لاجرم بانی رائے سنگھ دلن حوالہ شد کہ در قلعہ گوالیار مقید دارد ۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ جہانگیر نے تزک جہانگیری میں حضرت مجدد کے سجدہ تعظیمی بجا لانے کے سلسلہ میں کوئی ذکر نہیں کیا ہے بلکہ مکتوب [illegible] کو بنیاد بنا کر حضرت کو گوالیار میں مقید کرنے کا حکم دیا۔

خیال ہے کہ جہانگیر نے حضرت مجدد کی [illegible] کو بھی ضبط کرنے کا حکم دیا تھا۔ حضرت مجدد نے خواجہ محمد معصوم کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

"[illegible] و کتب [illegible] است [illegible] وقت [illegible] اگر [illegible] حیات [illegible] یافتہ شد ۔"

[illegible] کے مصنف لکھتے ہیں کہ حضرت مجدد کو سرہند سے طلب کرنے سے قبل جہانگیر نے بعض امراء جیسے خان خاناں، صدر جہاں، خان جہاں، اعظم خاں، مہابت خاں کو دور دراز علاقوں میں بھیج دیا تھا کیونکہ حضرت مجدد کے مرید تھے [illegible] مہابت خاں بہت مشتعل ہوا اس نے [illegible] جہانگیر [illegible] ہندوستان پر [illegible] کہا جاتا ہے کہ [illegible] جہانگیر کو [illegible] جہلم کے کنارے قید کر لیا۔ مہابت خاں اس سے [illegible] حضرت مجدد [illegible]

ہدایت کی کہ بادشاہ کی اطاعت کرو۔ اس پر مہابت خاں نے بادشاہ کو رہا کر دیا۔ اس واقعہ کے فوراً بعد گوالیار سے حضرت مجددؒ کو رہا کر دیا گیا۔"[۴۴]

پروفیسر فرمان روضۃ القیومیہ کے اس بیان کی نفی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت مجددؒ کی گرفتاری ۱۰۲۸ھ میں اور رہائی ۱۰۲۹ ہجری میں ہوئی ہے۔ ان دنوں مہابت خاں بنگش کے افغانوں کی سرکوبی میں مشغول تھا۔ اس کو دو سال پہلے وہاں متعین کیا گیا تھا اور جب بادشاہ کشمیر کی سیر کے لیے موضع مالکی میں پہنچا تو مہابت خاں نے کابل سے آکر ساٹھ ہزار کی مالیت کے جواہر اور مرصع آلات نذر کیے اور اس کے بعد بادشاہ نے اسے کابل واپس بھیج دیا۔ یہ وہی زمانہ تھا جب حضرت مجددؒ گوالیار میں قید تھے۔ ہاں یہ بات ضرور صحیح ہے کہ اس کے فوراً بعد حضرت مجددؒ کو گوالیار سے طلب کر لیا گیا۔ ہو سکتا ہے یہ رہائی مہابت کی سفارش پر مبنی ہو۔ مہابت خاں کی بغاوت ۱۰۳۵ھ میں ہوئی جبکہ حضرت مجددؒ کے انتقال کو بھی ایک سال گزر چکا تھا۔ اسی طرح دوسرے امرا کی ادھر ادھر تعیناتی بھی حضرت مجددؒ کی دربار میں طلبی سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔"[۴۵]

حقیقت یہ ہے کہ مہابت خاں کو ۱۰۳۱ھ میں کابل سے واپس آگرہ بلایا گیا تھا۔ مہابت خاں نے شہزادہ خرم کی بغاوت کے دوران شہزادہ پرویز کی معیت میں جو خدمات انجام دی تھیں اور جن کے صلے میں بادشاہ نے خانخاناں سپہ سالار کا خطاب دیا تھا اس تقرب اور روز افزوں اقتدار سے نورجہاں اور آصف خاں کو خطرہ محسوس ہوا چنانچہ مہابت خاں کے داماد خواجہ برخوردار نقشبندی کی بے عزتی کی گئی اور آصف خاں نے مہابت خاں کو دربار میں بلا کر مزید ذلیل کرنا چاہا جس پر مہابت خاں نے کمال دانشمندی کے ساتھ حاضر ہو کر جہلم کے کنارے موقع پا کر جہانگیر کو گرفتار کر کے نظر بند کر دیا اور کابل کے سفر سے واپسی تک نظر بند رکھا اور اسی سال ۱۰۳۵ھ میں نورجہاں کی تدبیر سے اس نظر بندی سے خلاصی پائی۔[۴۶]

حضرت مجددؒ کو ۱۰۲۹ھ/۱۶۲۰ء میں رہا کیا گیا اور یہ بات جہانگیر نے ان کی مرضی پر چھوڑ دی کہ لشکر کے ساتھ رہیں یا اپنے وطن چلے جائیں۔ پندرھویں سال جلوس کے واقعات میں جہانگیر لکھتا ہے:

"دریں تاریخ ۲۰ خورداد سنہ ۱۵ جلوس (۱۰۲۹ھ) شیخ احمد سرہندی را کہ بجہت دوکان آرائی، خود فروشی و بی صرفہ گوئی روزی چند در زندان ادب محبوس بود بحضور طلب داشتہ خلاص ساختم و خلعت و ہزار روپیہ خرچ عنایت نمودہ در رفتن و بودن مختار گردانیدم و از روی انصاف معروض داشت کہ این تنبیہ و تادیب در حقیقت ہدایتی و کفایتی بود نفس الامر اختیار من آنست کہ روزی چند در خدمت بسر بردہ تدارک تقصیرات گذشتہ نمایم۔"[۴۷]

حضرت مجددؒ نے لشکر شاہی کے ساتھ رہنا مناسب سمجھا۔ اس دوران بادشاہ کے ساتھ بھی صحبتیں رہیں۔ چنانچہ خواجہ معصوم اور خواجہ محمد سعید کے نام ایک مکتوب میں آپ فرماتے ہیں:

"احوال و اوضاع فقرای این حدود مستوجب حمد است۔ صحبت ہای عجیب و غریب می گزرند بعنایت اللہ سبحانہ، سر موے دریں گفتگوہای امور دینیہ و اصول اسلامیہ مداہنت راہ نمی یابد و ہماں عبارات کہ در خلوات و در مجالس خاصہ بیان می گردد دریں محفل با توفیق مبارک سبحانہ بیان می نماید اگر یک مجلس را نویسد دفترے باید خصوصاً امشب کہ شب جمعہ و دہم ماہ رمضان بود آن قدر از بعثت انبیا علیہم السلام و از ایمان با آخرت و عذاب و ثواب و از خاتمیت نبوت ختم الرسل و از مجدد مائۃ و سنت تراویح و از بطلان تناسخ . . . بسیار مذکور شد . . . . و مجلس استماع مسموع گردید الحمد للہ سبحانہ کہ بجای ماند و تغیرے ظاہر نمی شود۔ دریں اوقات ملاقات

www.mujaddidway.com

شاید حق را سبحانہ و تعالیٰ مصلحت دیگر مکنون بود . . . دیگر ختم قرآن تا سورہ عنکبوت رسانیدہ ام شب کہ از آں مجلس برگشتہ می آیم بہ تراویح اشتغال می یابم۔"[224]

حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ جہانگیر کی تحریر کے مطابق آپ کو اجازت تھی کہ لشکر کے ساتھ رہیں یا سرہند چلے جائیں۔ مگر یہ محض جہانگیر کی سیاست تھی اس نے حضرت مجددؒ کو آخر وقت تک نظر بند رکھا۔ جب بھی وہ لشکر سے جاتے تھے تو رخصت لے کر جاتے تھے۔ اس نظر بندی کے دوران بھی صاحبزادگان بھی ہمراہ رہتے تھے۔ ایک خط سے جو خواجہ حسام الدین کو لکھا ہے، ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قید و نظر بندی ہی تھی۔

"احوال و اوضاع فقرای این حدود مستوجب حمد است کہ در صحبت ملا … در منازل تفرقہ نیست۔ فرزندان و دوستان کہ ہمراہ اند۔ اوقات شان جمعیت است و احوال ایشان در ترقی و تزاید عسکر در حق ایشان خانقاہ مشخص است کہ … تموجات لشکریان تمکین نصیب شان است و در عین گرفتاری بادشمنی کہ از لوازم این موطن است گرفتار یک مطلب۔ نہ کس را با ایشان کاری و ایشان را با کسی کاری مع ذالک مطلب الا اعتبار آمدہ … قید گرفتار۔ عجب حکمتی است کہ … در عوض آں بخوبی فرزندان … قید نجات کہ اخلاق ما . . . دوستانند . . . از ہمراہان … باز بحکم … تفرقہ … تا این زمان آفت تفرقہ … در مطلب … باز داشت۔"[225]

لشکر سے واپسی:

حضرت مجددؒ ۱۰۳۲ھ تک لشکر کے ساتھ رہے اور اس کے بعد ان کو سرہند جانے

کی اجازت مل گئی۔ لشکر سے واپسی کی صحیح تاریخ کا تعین حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے مندرجہ ذیل بیان سے ہوتا ہے:

"در ذکر ولادت باسعادت حضرت صبغۃ اللہ تاریخ یازدہم جمادی الثانی سنہ ہزار و سی و سہ (۱۰۳۳ھ) در بلدہ دارالارشاد حضرت سرہند در حین حیات حضرت مجدد الف ثانی بہ قرب رحلت ایشان کہ ایشان … بر رفاقت لشکر ظفر پیکر در آں ایام از بلدہ دارالخیر اجمیر بودند … حضرت خواجہ محمد معصوم از غلبہ اشتیاق بواسطہ استقبال نیز بخدمت والد بزرگوار و مرشد عالی مقدار شتافتہ بودند حضرت مجدد بموجب الہام … رخصت بادشاہ حاصل نمودہ متوجہ وطن مالوف شدند کہ … مژدہ مقصود رسانید … حاصل … حضرت …"

چار پانچ ماہ بعد جب نومولود صبغت اللہ پیدا ہوئے تو حضرت مجددؒ اس وقت بھی سرہند ہی میں تھے اور لشکر میں واپس نہیں گئے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ حضرت مجددؒ جمادی الثانی ۱۰۳۳ھ فروری ۱۶۲۴ء میں لشکر سے سرہند واپس آئے۔

جہانگیر کی حضرت مجددؒ کو لشکر کے ہمراہ رکھنے میں مصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ حضرت مجددؒ عوام کے درمیان رہیں اور کثیر تعداد میں لوگ ان کے حلقہ میں شامل ہوں نیز امراء وغیرہ سے ان کے تعلقات پر نظر رہے۔ حضرت مجددؒ کی امراء سے خط و کتابت کو وہ حکومت کے لیے خطرہ سمجھتا تھا لہٰذا شورش عوام کے خطرہ کو دبانے کے لیے اس نے حضرت مجددؒ کو لشکر کے ہمراہ رکھنا ضروری سمجھا۔ قید سے رہا کرنا اس لیے ضروری تھا کہ امراء مثلاً مہابت خاں اور مرتضیٰ خاں فرید بخاری کی طرف سے اس پر دباؤ پڑ رہا تھا۔ حضرت مجددؒ نے لشکر کے ہمراہ رہنے کا فیصلہ اس نیت سے کیا کہ بادشاہ کے قریب رہ کر اس کے عقائد کی اصلاح اور خیالات کو اسلام کی طرف

www.mujaddidway.com

تعلیمات کی طرف موڑنے کا زیادہ بہتر موقعہ ملے گا۔ اور ان کی اس کوشش کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔ چنانچہ تزک جہانگیری کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تین چار سالوں میں جب حضرت مجددؒ لشکر کے ہمراہ تھے، جہانگیر کو ترویج شریعت کا خاص خیال رہتا تھا اور اس کے دل میں مذہب کا بڑا جوش تھا۔ چنانچہ، ہویں سال جلوس میں وہ لکھتا ہے:

"با ہنود پیوند خویشی می کنند۔ دختر می دہند و می گیرند، گرفتن خوب۔ اما دادن! نعوذ باللہ! فرمان شد کہ بعد ازیں چرا موان ایں امر نگردند و ہر کس کہ مرتکب ایں بد عتبا شود او را سیاست کنند۔"[۵۱]

پھر اگلے سال فتح کانگڑہ کے موقعہ پر لکھتا ہے:

"متوجہ سیر قلعہ کانگڑہ شدم و حکم کردم کہ قاضی و میر عدل و دیگر علمائی اسلام کہ در رکاب بودہ، آنچہ شعار اسلام و شرائط دین محمدی است در قلعہ مذکور بعمل آورند۔ بتوفیق ایزد سبحانہ بانگ نماز و خواندن خطبہ و کشتن گاؤ وغیرہ کہ از ابتدائے بنائے ایں قلعہ تا حال نشدہ بود، بہمہ را در حضور خود بعمل آوردم۔ سجدات شکر ایں موہبت عظمیٰ کہ ہیچ پادشاہے توفیق بداں نیافتہ بود بتقدیم رسانیدہ حکم فرمودم کہ مسجد عالی درون قلعہ بنا نہند۔"[۵۲]

یہ امر غیر اغلب نہیں کہ جن علمائے اسلام کی طرف اشارہ ہے ان میں حضرت مجدد بھی ہوں۔

معلوم ہوتا ہے جہانگیر کو حضرت مجددؒ سے عقیدت پیدا ہو گئی تھی اور ان کو لشکر کے ہمراہ رکھنا صرف مصلحتاً تھا، ورنہ وہ ہر طرح ان کی قدر دانی کرتا تھا۔ ان کی رہائی کے تین سال بعد اپنی سالگرہ کے ذکر میں لکھتا ہے:

"بدستور ہر سال خود را بہ طلا و اجناس وزن فرمودہ و وجہ مستحقان مقرر فرمودم۔ از آں جملہ شیخ احمد سرہندی را دو ہزار روپیہ عنایت شد۔"[۵۳]

جب حضرت مجددؒ سرہند واپس تشریف لائے تو لوگ جوق در جوق حلقۂ ارادت میں شامل ہونے لگے۔ آپ نے عمر شریف کا باقی حصہ سرہند میں ہی تصنیف و تالیف اور رشد و ہدایات میں گزارا۔ اپنے مشن کو کامیابی سے پورا کرنے کے بعد ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۶۲۴ء بروز منگل آپ نے رحلت فرمائی اور سرہند میں ہی اپنے صاحبزادہ حضرت خواجہ محمد صادقؒ کی قبر مبارک کے سامنے مدفون ہوئے۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی۔[۵۴]

جیسا کہ پہلے تحریر کیا گیا حضرت مجددؒ نے تھانیسر کے شیخ محمد سلطان کی صاحبزادی سے شادی کی اور ان سے سات لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔ ان میں سے تین صاحبزادے شیخ محمد فرخ، شیخ محمد عیسیٰ، شیخ محمد اشرف زمانہ شیر خوارگی یا بچپن میں انتقال کر گئے۔ باقی چار صاحبزادے حسب ذیل ہیں۔

۱۔ خواجہ محمد صادق:۔ یہ سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ ولادت ۱۰۰۰ھ/۱۵۹۲ء اور وفات ۹ ربیع الاول ۱۰۲۴ھ/۱۶۱۵ء میں ہوئی۔ ولی کامل کے درجہ کو پہنچے۔

۲۔ دوسرے فرزند خواجہ محمد سعیدؒ ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۰۰۵ھ/۹۷-۱۵۹۶ء اور وفات ۱۰۷۰ھ میں ہوئی۔

۳۔ فرزند سوم حضرت خواجہ معصومؒ کی ولادت ۱۰۰۷ھ اور وفات ۱۰۷۹ھ ہے۔

۴۔ فرزند چہارم حضرت خواجہ محمد یحییٰ عرف شاہ جیو کی عمر حضرت مجددؒ کی وفات کے وقت ۹ سال تھی لہٰذا سال پیدائش ۱۰۲۴ھ یا ۱۰۲۵ھ خیال کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے تحصیل علم و تکمیل طریقت بھائیوں سے کی۔

جب خواجہ یحییٰ کم سن تھے۔ ایک صوفی شاہ سکندر نے حضرت مجددؒ سے درخواست کی کہ ایک صاحبزادہ کو انھیں عنایت فرما دیں۔ حضرت مجددؒ نے خواجہ محمد یحییٰ کو پیش کیا۔ شاہ سکندر نے ان کو اپنے سلسلہ میں داخل کر لیا اور ان کو "شاہ" کا لقب دیا۔ ان کی

www.mujaddidway.com

شادی خواجہ باقی باللہؒ کے صاحبزادے خواجہ کلاں کی بیٹی سے ہوئی۔ آپ کی وفات ۱۰۹۷ھ / ۱۶۸۵ء میں ہوئی۔ دینی علوم میں کئی کتابیں آپ نے لکھیں۔

حضرت مجددؒ کی صاحبزادیوں میں سے دو کا انتقال حضرت مجددؒ کی زندگی میں ہی ہو گیا تھا اور ایک صاحبزادی حیات رہیں۔ ۵۵

حضرت مجددؒ کے خلفاء

آپ کے خلفاء کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے جو نہ صرف ہندوستان کے ہر گوشہ میں بلکہ مختلف بیرونی ممالک میں بھی پھیلے ہوئے تھے اور آپ کی تعلیمات کی تبلیغ کر رہے تھے۔ ان سب کا مفصل حال لکھنے کے لیے تو ایک دفتر درکار ہوگا۔ یہاں چند مشہور خلفاء کے اسمائے گرامی درج کیے جاتے ہیں۔

خواجہ میر محمد نعمان، شیخ حمید بنگالی، شیخ نور محمد، شیخ محمد طاہر لاہوری، شیخ بدیع الدین، شیخ مزمل، شیخ طاہر بدخشی، مولانا یار محمد قدیم، شیخ حسن برکی، شیخ عبدالحی، شیخ احمد برکی، مولانا یوسف سمرقندی، خواجہ محمد ہاشم کشمی، ملا عبدالحکیم سیالکوٹی، خواجہ محمد صدیق کشمی، شیخ آدم بنوری، شیخ احمد دیوبندی وغیرہ۔

تصانیف حضرت مجددؒ: حضرت مجددؒ نے تصوف، شریعت و طریقت و دیگر موضوعات پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ بعض مکتوبات اس قدر طویل اور مفصل ہیں کہ ایک رسالہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تصانیف مطبوعہ و غیر مطبوعہ کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱ مکتوبات ۔ ۳ جلد
۲ رسالہ رد شیعیت
۳ رسالہ اثبات النبوۃ

۴ رسالہ تہلیلیہ
۵ رسالہ مبدا و معاد
۶ رسالہ معارف لدنیہ
۷ مکاشفات غیبیہ
۸ تعلیقات بر شرح رباعیات خواجہ باقی باللہؒ ۵۶
۹ رسالہ آداب المریدین ۵۷
۱۰ تعلیقات عوارف ۵۸

مکتوبات: حضرت مجددؒ نے اپنے پیر و مرشد خواجہ باقی باللہؒ کے ارشاد پر مکتوبات لکھنا شروع کیے تھے۔ مکتوبات تین جلدوں پر مشتمل ہیں۔ پہلے دفتر میں ۳۱۳ مکتوبات ہیں جن میں سے پہلے بیس خطوط وہ ہیں جو آپ نے خواجہ باقی باللہؒ کی خدمت میں تحریر کیے اور جن میں معارف سیر و سلوک کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے اسرار و معارف نہایت دقیق ہیں۔ وہ مکتوب جس کی بنا پر دربار جہانگیری میں حضرت مجددؒ کی طلبی ہوئی تھی، اسی دفتر میں ہے۔

دفتر اول کے مرتب خواجہ یار محمد جدید بدخشی طالقانی ہیں جو حضرت مجددؒ کے مرید تھے۔ دوسرے دفتر کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ جب حضرت مجددؒ کے ۳۱۳ مکتوبات جمع ہو چکے تو ارشاد فرمایا کہ ۳۱۳ کا عدد مبارک ہے کیونکہ یہ تعداد پیغمبران مرسل علیہم السلام اور اصحاب بدرؓ کے مطابق ہے اس لیے اس دفتر کو اسی مبارک عدد پر ختم کریں۔ نیز یہ بھی تحریر فرمایا کہ اس کے بعد محمد صادق مرحوم کے وہ تین مکتوبات جو انہوں نے حضرت مجددؒ کی خدمت میں روانہ کیے تھے شامل کیے جائیں لہٰذا ۳۱۳ مکتوبات کے بعد یہ مکتوبات بھی شامل کیے گئے۔ دفتر سوم ۱۰۳۱ھ / ۱۶۲۲ء میں مرتب ہوا۔ خواجہ ہاشم کشمی نے اسے جمع کیا۔ مجموعہ کی تاریخ "معرفۃ الحقائق" سے نکلتی ہے۔ حضرت مجددؒ نے پسند فرمایا اور لکھا کہ اس دفتر کو اسی نام سے موسوم کریں۔ ۵۹

اس دفتر میں ان تین خطوط کے علاوہ دو خواجہ باقیؒ کے نام ہیں۔ ۱۰ خطوط شیخ فرید بخاری، ۱۰ خطوط عبدالرحیم خانخاناں کے نام، ۹ خطوط خواجہ حسام الدین کے نام اور تین خطوط میر فتح اللہ حکیم کے نام ہیں۔ باقی خطوط مختلف امرا جیسے مرزا داراب، صدر جہاں، قلیچ خان، خان اعظم وغیرہ کے نام ہیں۔

ان خطوط میں ان امرا کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ نئے بادشاہ کے زمانے میں ترویج دین واصلاح عقاید کی کوشش کریں۔ باقی خطوط اپنے صاحبزادگان، مریدین اور دیگر صوفیا کے نام ہیں جن میں سوالات کے جوابات ہیں یا علمی اور مذہبی مسایل کی توضیح ہے۔ چونکہ مکتوب یازدہم پر اعتراضات شروع ہو گئے تھے، اس لیے اس جلد کے آخر میں کئی خطوط معترضین کی تسلی کے لیے لکھے گئے۔ ایک جامع مکتوب کا خواجہ مرشد زادوں کے نام ہے جس میں اہل سنت والجماعت کے عقاید بیان کیے ہیں۔

دفتر دوم موسوم بہ "نور الخلائق" ہے۔ یہ تاریخی نام ہے جس سے اس دفتر کا سال تالیف ۱۰۲۸ھ برآمد ہوتا ہے۔ اس دفتر میں ۹۹ مکتوبات ہیں۔ اس دفتر کو اس عدد پر اس لیے ختم کیا گیا کہ یہی تعداد اسمائے حسنیٰ کی ہے۔ یہ دفتر حضرت مجددؒ کے ایک مرید خواجہ عبدالحی نے خواجہ محمد معصوم کے حکم پر ۱۰۲۸ھ/۱۶۱۹ء میں ترتیب دیا۔ اگرچہ اس دفتر کے مکتوبات کی تعداد کم ہے لیکن یہ مکتوبات نہایت اہم ہیں۔ ایک خط نمبر ۳۶ خواجہ احمد حقی کے نام ۱۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں اہل سنت اور شیعہ حضرات کے خیالات سے بڑی مدلل بحث کی ہے اور اپنے نقطہ نظر کی توضیح کی ہے۔ خط نمبر ۶۷ جو خان جہاں کے نام ہے اس میں اسلامی عقائد کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ خط نمبر ۸۹ بنام خواجہ محمد صادق وحدت الوجود کے نظریے سے متعلق ہے اور ۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

دفتر سوم کے مرتب خواجہ محمد ہاشم کشمی ہیں۔ جنہوں نے اس دفتر کو معرفت الحقائق کے نام سے ۱۰۳۱ھ/۱۶۲۲ء میں ترتیب دیا۔ اس دفتر کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

"جلد سوم محتوی ست بر صد و چہاردہ مکتوب بر طبق سورۂ قرآنی بعد از تمامی جلد ثالث و دیگری بندہ از آستان بعضی مکاتیب دیگر کہ شروع دفتر چہارم بود بظہور آمدہ بود ہنوز بچہاردہ مکتوب نرسیدہ کہ آن ماہ چہاردہ ...... رو در نقاب مغرب تراب کشید ...... ناچار آن مکتوب را داخل جلد ثالث نمودہ شد" ۸۱۔

خواجہ ہاشم دفتر سوم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ محمد نعمان بدخشانی نے دفتر سوم کی ترتیب شروع کی تھی لیکن انھوں نے تیس سے کچھ زیادہ مکتوبات جمع کیے تھے کہ حضرت مجددؒ اور خادمان ...... کے درمیان "مہاجرت صوری" حایل ہو گئی۔ بعد میں خواجہ ہاشم کشمی نے ۱۰۳۱ھ میں ان کو ترتیب دیا۔ تیسری جلد کے مکتوبات کی تعداد جب ۱۱۳ تک پہونچی تو "باقی" کے عدد کی مناسبت سے اس تعداد پر اس دفتر کو ختم کر دیا گیا۔ بعد ازاں ایک خط "مسکۃ الختام" کے طور پر شامل کیا گیا تاکہ تعداد سورۂ قرآنی کے مطابق ۱۱۴ ہو جائے۔

اب سوال یہ ہے کہ دفتر چہارم کے کتنے مکتوبات دفتر سوم میں شامل کیے گئے۔ یہ تعداد یقیناً چودہ نہیں تھی۔ خواجہ ہاشم کشمی لکھتے ہیں:

"ہنوز بچہاردہ مکتوب نرسیدہ کہ آن ماہ چہاردہ رو در نقاب مغرب تراب کشید" ۸۲

اس کا مطلب ہے کہ تعداد چودہ تک نہیں پہونچی تھی کہ حضرت مجددؒ رحلت فرما گئے۔ مصنف نے چہاردہ کا لفظ محض ماہ چہاردہ کی مناسبت سے لفظی خوبی پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔ دفتر چہارم کے جو مکتوبات دفتر سوم میں شامل کیے گئے۔ ان کی تعداد دس ہے۔ لہٰذا دفتر سوم کے مکتوبات کی کل تعداد ۱۲۴ ہوتی ہے۔

اس دفتر کے پہلے تین خط حضرت مجددؒ کی گوالیار میں قید سے قبل لکھے گئے تھے باقی ان کی قید سے رہائی مگر لشکر کی ہمراہی کے دوران لکھے گئے۔

www.mujaddidway.com

اس دفتر میں ان بیس خطوط کے علاوہ دو خواجہ باقیؒ کے نام ہیں۔ ۱۰ خطوط شیخ فرید بخاری، ۸ خطوط عبدالرحیم خان خاناں کے نام، ۵ خطوط خواجہ حسام الدین کے نام اور تین خطوط میر فتح اللہ حکیم کے نام ہیں۔ باقی خطوط مختلف امرا جیسے مرزا داراب، صدر جہاں، قلیچ خان، خان اعظم وغیرہ کے نام ہیں۔

ان خطوط میں ان امرا کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ نئے بادشاہ کے زمانے میں ترویج دین واصلاح عقاید کی کوشش کریں۔ باقی خطوط اپنے صاحبزادگان، مریدین اور دیگر صوفیا کے نام ہیں جن میں سوالات کے جوابات ہیں یا علمی اور مذہبی مسائل کی توضیح ہے۔ چونکہ مکتوب یازدہم پر اعتراضات شروع ہو گئے تھے۔ اس لیے اس جلد کے آخر میں کئی خطوط مسترشدین کی تسلی کے لیے لکھے گئے۔ ایک چالیس صفحے کا خط مرشد زادوں کے نام ہے جس میں اہل سنت والجماعت کے عقاید بیان کیے ہیں۔

دفتر دوم موسوم بہ "نور الخلائق" ہے۔ یہ تاریخی نام ہے جس سے اس دفتر کا سال تالیف ۱۰۲۸ھ برآمد ہوتا ہے۔ اس دفتر میں ۹۹ مکتوبات ہیں۔ دس دفتر کو اس عدد پر اس لیے ختم کیا گیا کہ یہی تعداد اسمائے حسنیٰ کی ہے۔ یہ دفتر حضرت مجددؒ کے ایک مرید خواجہ عبدالحی نے خواجہ محمد معصوم کے حکم پر ۱۰۲۸ھ/۱۶۱۹ء میں ترتیب دیا۔ اگرچہ اس دفتر کے مکتوبات کی تعداد کم ہے لیکن یہ مکتوبات نہایت اہم ہیں۔ ایک خط نمبر ۳۶ خواجہ احمد حقی کے نام ہے جو ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں اہل سنت اور شیعہ حضرات کے خیالات سے بڑی مدلل بحث کی ہے اور اپنے نقطۂ نظر کی ترجیح کی ہے۔ خط نمبر ۶۷ خان جہاں کے نام ہے اس میں اسلامی عقائد کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ خط نمبر ۴۴ بنام خواجہ محمد صادق وحدت الوجود کے نظریہ سے متعلق ہے اور ۱۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

دفتر سوم کے مرتب خواجہ محمد ہاشم کشمی ہیں جنہوں نے اس دفتر کو "معرفت الحقائق" کے نام سے ۱۰۳۱ھ/۱۶۲۲ء میں ترتیب دیا۔ اس دفتر کے بارے میں وہ لکھتے ہیں۔

"جلد سوم محتوی ست بر صد و چہار دہ مکتوب بر طبق سورۂ قرآنی بعد از تمامی جلد ثالث و بیضوری بندہ از آستان بعض مکاتیب دیگر کہ شروع دفتر چہارم بود بظہور آمدہ بود و ہنوز بہ چہاردہ مکتوب نرسیدہ کہ آن ماہ چہاردہ .... رو در نقاب مغرب تراب کشید ...... ناچار آن مکتوب را داخل جلد ثالث نمودہ شد" [۸۱]۔

خواجہ ہاشم دفتر سوم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ محمد نعمان بدخشانی نے دفتر سوم کی ترتیب شروع کی تھی لیکن انھوں نے تیس سے کچھ زیادہ مکتوبات جمع کیے تھے کہ حضرت مجددؒ اور خادمان ...... کے درمیان "مہاجرت صوری" حائل ہو گئی۔ بعد میں خواجہ ہاشم کشمی نے ۱۰۳۱ھ میں ان کو ترتیب دیا۔ تیسری جلد کے مکتوبات کی تعداد جب ۱۰۳ تک پہونچی تو "باقی" کے عدد کی مناسبت سے اس تعداد پر اس دفتر کو ختم کر دیا گیا۔ بعد ازاں ایک خط "مسک الختام" کے طور پر شامل کیا گیا تاکہ تعداد سورۂ قرآنی کے مطابق ۱۱۴ ہو جائے۔

اب سوال یہ ہے کہ دفتر چہارم کے کتنے مکتوبات دفتر سوم میں شامل کیے گئے۔ یہ تعداد یقیناً چودہ نہیں تھی۔ خواجہ ہاشم کشمی لکھتے ہیں:

"ہنوز بہ چہاردہ مکتوب نرسیدہ کہ آن ماہ چہاردہ رو در نقاب مغرب تراب کشیدہ" [۸۲]

اس کا مطلب ہے کہ تعداد چودہ تک نہیں پہونچی تھی کہ حضرت مجددؒ رحلت فرما گئے۔ مصنف نے چہاردہ کا لفظ محض ماہ چہاردہ کی مناسبت سے لفظی خوبی پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔ دفتر چہارم کے جو مکتوبات دفتر سوم میں شامل کیے گئے۔ ان کی تعداد دس ہے۔ لہٰذا دفتر سوم کے مکتوبات کی کل تعداد ۱۲۴ ہوتی ہے۔

اس دفتر کے پہلے تیس خط حضرت مجددؒ کی گوالیار میں قید سے قبل لکھے گئے تھے باقی ان کی قید سے رہائی کے بعد لشکر کی ہمراہی کے دوران لکھے گئے۔

www.mujaddidway.com

اس دفتر کے موضوعات بھی وہی ہیں جو پہلے اور دوسرے دفتر کے ہیں۔ چند خطوط تاریخی اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ وہ قلعہ گوالیار سے لکھے گئے تھے۔ مثلاً مکتوب ۴۳، ۱۰۶، ۷۶ جو جہانگیر سے متعلق ہیں۔ ان میں اس گفتگو کا ذکر ہے جو حضرت مجدد نے جہانگیر کی مجلس میں کی تھی۔ مکتوب ۱۰۶ خواجہ حسام الدین کے نام ہے۔ مکتوب ۸۰، ۸۲، ۸۳ خواجہ محمد معصوم اور خواجہ محمد سعید کے نام ہیں جن میں شاہی کیمپ کی زندگی کا بیان ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس دفتر میں صرف ایک خط خان جہاں کے نام ہے شاید اس کی وجہ جہانگیر کی طرف سے حضرت مجدد کی امرا کے ساتھ خط و کتابت پر پابندی ہو۔

مکتوبات کی اہمیت:

حضرت مجدد کی دو کرامتیں دنیا کے لیے بڑے فیض کا باعث ہوئی ہیں۔ ایک آپ کے نیک صاحبزادگان جنہوں نے آپ کے بعد آپ کے تبلیغی اور اصلاحی مشن کو جاری رکھا۔ دوسری کرامت جناب مجددؒ کے مکتوبات شریفہ ہیں، جن کے مطالعہ سے آپ کی علمیت، معرفت، خلوص اور شرع کی پابندی کا ایک دلربا سماں، دلکش اور روح پرور منظر آنکھوں کے آگے آجاتا ہے جس سے پڑھنے والا اپنے دل میں ایک سرور اور سوز محسوس کرتا ہے اور اپنے مزاج و افعال میں نمایاں تبدیلی پاتا ہے۔ ان سے حضرت مجددؒ کی ہمہ جہتی شخصیت نمایاں ہوتی ہے۔ یہ مکتوبات حضرت مجددؒ کے علم، معرفت، کمال اور زبان و بیان پر قدرت کا پتہ دیتے ہیں اور اس لحاظ سے فارسی ادب کا بیش قیمت سرمایہ ہیں۔ مکتوبات کے مخاطب آپ کے پیر و مرشد، خلفاء، مریدین، علماء، امراء اور خود بادشاہ جہانگیر بھی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے الفاظ اور مکتوبات کا مواد اس کی علمی لیاقت، صلاحیت و استعداد کے مطابق ہے۔ آپ نے مکتوبات میں صوفیانہ اصطلاحات کا کثرت سے استعمال کیا ہے جو ایک عام آدمی کی فہم سے باہر ہے لیکن جو مکتوبات طلباء اور دوسرے نوجوانوں کو لکھے گئے ہیں ان میں زبان و بیان نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔

بعض مکتوبات کو سمجھنے کے لیے انہیں پڑھنے سے پہلے تصوف اور مذہب کے علاوہ اس دور کی تاریخ سے واقفیت ضروری ہے تاکہ حضرت مجددؒ کی راست بیانی اور علم الغیب کا بھی اندازہ ہو سکے۔ اس کے علاوہ عہد اکبری اور عہد جہانگیری کے واقعات سے واقفیت مکتوبات کے مطالعہ کی دلچسپی کو بڑھا دیتی ہے۔

مکتوبات کی مقبولیت کی بڑی وجہ گراں قدر مضامین کی نوعیت، تنوع اور صاحب مکتوبات کی علمیت اور روحانی فضیلت ہے تو اس میں حضرت مجددؒ کے دل نشین ہو جانے والے طرز تحریر کو بھی بڑا دخل ہے۔ ان مکتوبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ مجددؒ بڑے بلند پایہ اہل قلم تھے اور لکھتے وقت انشائی خوبیوں پر بھی پوری نظر رکھتے تھے۔ مکتوبات کا ایک اہم حصہ وہ خطوط ہیں جو شاہی امرا کو تحریر کیے گئے جن میں انہیں حکومت کو شریعت کے مطابق چلانے اور اصلاح عقائد کی تلقین کی ہے۔ ان مکتوبات کا طرز تحریر علمی خطوط سے مختلف ہے۔ عالمانہ اصطلاحیں بہت کم ہیں۔ الفاظ پُر وقار مگر زود فہم ہیں لیکن طرز تحریر میں ایک جوش ہے۔ دل سے نکلے ہوئے جذبات اور علمی درد کا اظہار ہے۔ صاحبزادگان کو حالت قید سے جو خطوط لکھے ہیں وہ درد ناک، محبت اور ملائمت و شیریں الفاظ سے بھرے ہوئے ہیں۔

آپ تشریح اور تاثیر کے لیے گاہے گاہے مکتوبات میں کوئی دلچسپ شعر یا مصرع بھی استعمال کر دیتے ہیں جس سے مضمون دلچسپ ہو جاتا ہے اس سے آپ کے شعر و شاعری سے دلچسپی کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

من آن خاکم کہ ابر نوبہاری　　کند از لطف بر من قطرہ باری

(مکتوب ۱۰ دفتر اول)

اگر بروید از تن صد زبانم　　چو سبزہ شکر لطفش کے توانم

مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد راز　　ورنہ در مجلس رندان خبری نیست کہ نیست

(مکتوب ۴۴ دفتر اول)

آپ نے مکتوبات بغیر کسی فکر معین کے بے اختیارانہ طور پر تحریر فرمائے ہیں جن میں اسرار و معارف بے اندازہ ان کے قلم سے نکلے ہیں اس سلسلہ میں فرماتے ہیں :

"سبحان اللہ! آن اسرار و معارف کہ ازین تحریر بے اندازہ و بے تکلف تراوش نمودہ اگر بہ مردم سعی بنمایند کہ مثل آنہا بیاورند، معلوم نیست کہ میسر شود ..... مقامات ما بمقتدائی نور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ..... خوبی و آنچہ تفصیل حضرت صدیق"

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ ان مکتوبات کے موضوعات جہاں سادہ اور عام فہم ہیں وہاں ان میں تصوف کے پیچیدہ اسرار و معارف، بدعات اور رسوم قبیحہ سے بھی بحث کی گئی ہے۔ چند موضوعات درج ذیل ہیں : معرکۂ توحید و شرک۔ بندہ را تعین مولی دانستن الحاد است ۸۸ عبدیت و بشریت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۸۹ ہندوستان کے بانی پر وردگار عالم ۹۰ مشابہت شریعت و تصوف ۹۱ شریعت را سہ جزواست علم و عمل و اخلاص ۹۲ تدریس علوم شرعیہ اہم تر از ذکر و فکر می باشد ۹۳ مرتبہ حدیث صحیح بخاری بعد قرآن شریف ۹۴ ادلۂ احکام شرعیہ ۹۵ سیرت رحمۃ للعالمین ۹۶ حقوق و مراتب مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ۹۷ حقوق و مراتب صحابہؓ ۹۸ ترتیب مراتب و ترتیب خلافت ۹۹ مرتبہ احیائی سنت ۱۰۰ اصلاح تصوف خام ۱۰۱ عالم غیر مجتہد در رقص ۱۰۲ نعت خوانی و مولود خوانی ۱۰۳ تردید نظریہ وحدت الوجود ۱۰۴ نظریہ وحدت الشہود ۱۰۴ معرکۂ سنت و بدعت ۱۰۵

حضرت مجددؒ کے مکتوبات نے وقت کے دھارے کا رخ بدل دیا۔ حق کہ مغل بادشاہ شاہ جہاں اور اورنگ زیب بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ دوسرے ممالک کے مسلمان بھی مکتوبات کی طرف متوجہ ہوئے۔ علامہ محمد مراد علی نے مکتوبات کا عربی میں ترجمہ کیا جو دمشق سے شائع ہوا۔ ایک اور عالم نے مکتوبات کی روایات کی تخریج کی جس کا نام ..... ہے۔ حضرت مجددؒ کا مقصد مکتوبات کے ذریعہ حکومت اور معاشرہ میں اصلاح کرنا تھا اس مقصد کے حصول کے ایک اہم تقاضے کو پورا کرنے کے لیے مختلف امراء کو توجہ دلائی۔ اس دور کے مشہور علماء

فریاد حافظ این ہمہ آخر بہرزہ نیست

ہم قصۂ غریب و حدیث عجیب است

(مکتوب ۲۰۳، دفتر اول)

گر بر تن من زبان شود ہر موی یک شکر وی از ہزار نتوان کرد

(مکتوب ۱۲۱، دفتر سوم)

جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا گیا کہ یہ مکتوبات قرآن اور حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں لکھے گئے۔ ان میں بہت سی صدیوں کی الجھی ہوئی گتھیاں شرع کے مطابق سلجھائی گئیں جو قرآن اور سنت پر مبنی ہونے کی وجہ سے ہر قسم کے مبالغہ سے پاک ہیں۔ حضرت مجددؒ خود وضاحت فرماتے ہیں :-

"این ہمہ علوم کہ ..... تحریر یافت درآن فکرت دیگر تم کہ مقبول و مرضی بودند یا نہ آنگاہ خاموش گشتہ منتظر بشارت و اشارت گشتند۔ فردای آن روز فرمودند کہ دوش ندا در دادند و ظاہر ساختند کہ این ہمہ علوم کہ نوشتہ بلکہ ہر چہ در گفتگوی تو آمدہ ہمہ مقبول و مرضی است کہ اشارت بہ نوشتہ ہا می کردند و می فرمودند چنیں گفتہ ایم در بیان ما است" ۱۰۶

ایک اور مکتوب میں جو خواجہ محمد سعید کو لکھا گیا، حضرت مجددؒ فرماتے ہیں :-

"این معارف کہ مسودہ یافت امید است کہ از الہامات رحمانی باشند کہ اصلاً شائبہ وساوس شیطانی را در آنجا مجال نبود دلیل بر این سخن آنکہ چون و چند قدر این علوم شد وقتی بجناب قدس خداوندی جل سلطانہ گشت ودید کہ ملائکہ ہم جل شانہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام از نواحی آن انتقام دفع شیطان می کردند و نگذاشتند کہ در حوالی آن مکان بگردد" ۱۰۵

www.mujaddidway.com

بدعات کو بیان کیا اور اسلام کی پاک و صاف تعلیمات کے رواج پر زور دیا۔

حضرت مجددؒ کے بعض مکتوبات کی تردیدات بھی لکھی گئیں اس کے دو باعث ہوئے۔ ایک یہ کہ آپ کا ایک مرید حسن خاں افغانی آپ سے منحرف ہو کر کچھ مکتوبات کے مسودے لے کر بھاگ گیا اور ان میں تحریف و ترمیم کر کے علماء وقت کے پاس انہیں بھجوایا۔ ان تحریف شدہ مکتوبات کو سامنے رکھ کر بعض لوگوں نے تردید لکھی اسی سلسلہ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی تردید لکھی لیکن جب انہیں تحریف کا حال معلوم ہوا تو معذرت نامہ لکھا۔ اسی طرح محمد صالح گجراتی نے آپ کے مکتوبات کے رد میں ایک رسالہ "اشتباہ" لکھا اور سید محمد برزنجی مدنی سے بھی رد لکھوایا جس کا نام "ایراد و ابیرزنجی" رکھا۔ یہ ایک بے حقیقت رسالہ تھا مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے اس کا مفصل جواب لکھا اور اس کا نام "الکلام المنجی فی رد ایراد البرزنجی" رکھا۔

علامہ شیخ نور الدین محمد بیگ نے آپ کے اصل مکتوبات سے مقابلہ کرنے کے بعد "رد برزنجی" میں ایک رسالہ لکھا۔ سید برزنجی کے رسالہ کا رد مولانا عبدالحی لکھنوی نے بھی لکھا ہے۔ مولانا شاہ غلام علی شاہؒ کے حالات حضرت مرزا مظہر جان جاناں میں لکھا ہے کہ شیخ محمد فرخ نبیرہ حضرت مجددؒ کی بددعا سے سید برزنجی دریا میں ڈوب گیا تھا۔١٠٧

مکتوب یازدہم کی مخالفت:

مکتوبات کے جن مندرجات پر حرف گیری کی گئی ان میں دفتر اول کا مکتوب ١١ بنام خواجہ باقی باللہؒ بھی تھا۔ اس میں حضرت مجددؒ نے اپنے عروج روحانی کا ذکر کیا ہے۔ زیادہ اعتراض ذیل کی عبارت پر تھا۔

"(ترجمہ) دوسری عرض یہ ہے کہ اس مقام کے ملاحظہ کے وقت اور بہت سے مقام ظاہر ہونے نیاز و عاجزی سے توجہ کرنے کے بعد جب اس پہلے مقام سے اوپر کے مقام میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت ذی النورینؓ کا مقام ہے۔۔۔۔

۔۔۔۔ اور اس مقام کے اوپر ایک اور مقام نظر آیا جب اس مقام میں پہنچا

تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت فاروقؓ کا مقام ہے اور دوسرے خلفاء کا بھی وہاں عبور واقع ہوا ہے اور اس مقام سے اوپر حضرت صدیق اکبرؓ کا مقام ظاہر ہوا اور میں اس مقام پر بھی پہنچا اور اپنے مشائخ میں حضرت خواجہ نقشبندؒ کو ہر مقام میں اپنے ہمراہ پاتا تھا اور دوسرے خلفاء کو بھی اس مقام میں عبور ہوا ہے سوائے عبور مقام اور مرور اور اثبات کے کچھ فرق نہیں ہے اور اس مقام کے اوپر سوائے آنحضرت صلعم کے اور کوئی مقام نہیں معلوم ہوتا ہے اور حضرت صدیق اکبرؓ کے مقابل ایک اور نہایت نورانی مقام کہ اس جیسا کبھی نظر میں نہ آیا تھا ظاہر ہوا اور وہ مقام اس مقام سے تھوڑا بلند تھا جس طرح صفہ کو سطح زمین سے ذرا بلند بناتے ہیں اور معلوم ہوا کہ وہ مقام محبوبیت کا مقام ہے اور وہ مقام رنگین اور منقش تھا۔ اپنے کو بھی اس مقام کے عکس سے رنگین معلوم کیا۔"

اس مکتوب سے یہ مراد لی گئی کہ آپ خود کو حضرت صدیق اکبرؓ سے بھی افضل سمجھتے ہیں اس اختلاف کی وجہ سے کئی مریدوں مثلاً مرزا فتح اللہ گیلانی وغیرہ بھی ساتھ ہی آپ سے علیحدگی اختیار کر لی۔ آپ نے ایک مفصل مکتوب مرزا فتح اللہ کو لکھا جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

"جو شخص اپنے کو حضرت صدیق اکبرؓ سے افضل جانے اس کا حال دو صورت سے خالی نہیں ہے یا وہ زندیق محض ہے یا جاہل ۔۔۔۔ جو شخص حضرت علیؓ کو حضرت صدیقؓ سے افضل جانے وہ گروہ اہل سنت والجماعت سے نکل جاتا ہے پھر اس شخص کا کیا حال ہے جو اپنے آپ کو افضل جانے ۔۔۔۔"١٠٨

مؤرخین میں سے بہت سے لوگوں خصوصاً حضرت مجددؒ کی یہ تشریح نہیں پہنچی۔ مخالفین نے جو پہلے ہی موقع کے منتظر تھے بادشاہ جہانگیر تک یہ بات پہنچا دی کہ شیخ احمدؒ اپنے کو حضرت صدیق اکبرؓ سے افضل سمجھتے ہیں اور ایسے دعوے کرتے ہیں جس سے کفر لازم آتا ہے۔ جہانگیر نے حاکم سرہند کی معرفت آپ کو بلا کر اس سلسلہ میں تحقیقات حال

www.mujaddidway.com

معلوم کی۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ اگر آپ کسی درانی آدمی کو خدمت کے لیے بلائیں اور اس سے اندر کو درشتی سے سرداری پیش کریں تو یقیناً وہ امرائے عالی کے معاملات کو طے کرکے آپ تک پہنچے گا اور پھر اپنے مقام پر واپس جا کر کھڑا ہو جائے گا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا مرتبہ ہمارے اعتقاد سے بالا ہو جائے گا۔ اس جواب کو سن کر بادشاہ اس وقت خاموش ہو گیا اور ظاہر خفگی بھی ... مگر تزک جہانگیری میں اس کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان کے جواب کو معقول نہیں سمجھتا تھا۔

خزینۃ الاصفیاء میں لکھا ہے کہ جہانگیر کے پاس مکتوب یازدہم کے فقرے رجحانات کے سلسلے میں شکایت علماء نے کی تھی اور ان علماء نے حضرت مجددؒ کے قتل کا فتویٰ دے دیا تھا۔

"پس علماء جاہل درباری اعزازی در بار فتوے برقتل شیخ نوشتند" ۱۱۰

حضرت مجددؒ کے مکتوبات ہر سہ دفتر متعدد بار فارسی میں چھپ چکے ہیں اور عوام کے استفادہ کے لیے اردو ترجمے بھی شائع ہوئے ہیں۔ مکتوبات نہ صرف نقشبندیہ مجددیہ سلسلے میں بلکہ تمام علمی و دینی حلقوں میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

۲۔ رسالہ در ردِّ روافض

یہ رسالہ حضرت مجددؒ کی ابتدائی تصانیف میں سے ہے اور غالباً لاہور کے سفر کے دوران تصنیف ہوا۔ یہ رسالہ دراصل اس رسالے کا جواب ہے جو علمائے شیعہ نے علمائے ماوراء النہر کو اس وقت بھیجا جب عبداللہ ازبک نے ۹۹۶ھ/۱۵۸۸ء میں مشہد کا محاصرہ کر رکھا تھا لیکن اس کی فوری تصنیف کی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان میں کئی شیعہ طلباء علمائے مشہد کے مضامین دہراتے اور امراء و سلاطین کی محفلوں میں انہیں بڑے فخر سے بیان کرتے۔ حضرت مجددؒ ان حلقوں میں ان کی تردید کرتے لیکن انہیں خیال ہوا کہ اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ سپرد قلم ہونا چاہیے تاکہ غلط فہمیوں کی گنجائش نہ رہے۔ یہ رسالہ درج ذیل تحریر کے ساتھ

شروع ہوتا ہے۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم .... و اما بعد می گوید بندۂ [illegible] برکت خداوند و احمد [illegible] خادم علماء احمد بن عبدالاحد الفاروقی ..." ۱۱۱

وجہ تصنیف رسالہ تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"چوں از طلبہ شیعہ کہ متردد این حدود بودند بعضی مقدمات متعلقہ بہ سب اصحاب شنیدہ شد و در مجالس امراء و سلاطین این مقالات شہرت می داشتند [illegible] در مجلس [illegible] مشافہہ بعضی مقدمات مذکور [illegible] اطلاع می داد [illegible] اسلام [illegible] می کردہ شورش [illegible] ایشان [illegible] کتابت نمودہ ..... تمام [illegible]" ۱۱۲

اس رسالے میں حضرت مجددؒ نے دونوں فرقوں کے اختلافی مسائل پر بحث کی ہے آخر میں تحریر فرماتے ہیں۔

"بدانکہ در اصحاب کرام [illegible] در میان ایشان [illegible] ...... است طریق اسلم آنست کہ منازعات و اختلافات کہ در میان ایشان واقع شدہ بطریق [illegible] محمول سازد [illegible]" ۱۱۳

اس رسالے کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے عربی میں اس کی تعریب کی۔

یہ رسالہ ۱۰۰۰ھ سے قبل کی تصنیف ہے۔

۳۔ اثبات النبوۃ:

یہ رسالہ عربی میں ہے اور خاص طور پر اکبر کے عہد کے بعض علماء و امراء کے عقائد کو

www.mujaddidway.com

معلوم کی۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ "اگر آپ کسی ادنیٰ آدمی کو خدمت کے لیے بلائیں اور اس سے از راہِ نوازش اسراری باتیں کریں تو یقیناً وہ امرائے عالی کے مقامات کو طے کر کے آپ تک پہونچے گا اور پھر اپنے مقام پر واپس جا کر کھڑا ہو جائے گا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا مرتبہ امرائے عالی سے بالا ہو جائے گا۔" اس جواب کو سن کر بادشاہ اس وقت خاموش ہو گیا اور اظہار خفگی نہ کیا۔ تزک جہانگیری میں اس کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان کے جواب کو معقول نہیں سمجھتا تھا۔

خزینۃ الاصفیاء میں لکھا ہے کہ جہانگیر کے پاس مکتوب یازدہم کے مندرجات کے سلسلے میں شکایت علماء نے کی تھی اور ان علماء نے حضرت مجددؒ کے قتل کا فتوے دے دیا تھا۔

"پس علماء بجا اوردی امرای دربار فتوے بر قتل شیخ نوشتند" ۱۱

حضرت مجددؒ کے مکتوبات ہر سہ دفتر متعدد بار فارسی میں چھپ چکے ہیں نیز عوام کے استفادہ کے لیے اردو ترجمے بھی شائع ہوئے ہیں۔ مکتوبات نہ صرف نقشبندیہ مجددیہ سلسلے میں بلکہ تمام علمی و دینی حلقوں میں قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

۲۔ رسالہ در ردِ روافض

یہ رسالہ حضرت مجددؒ کی ابتدائی تصانیف میں ہے اور غالباً لاہور کے سفر کے دوران تصنیف ہوا۔ یہ رسالہ دراصل اس رسالے کا جواب ہے جو علمائے شیعہ نے علمائے ماوراء النہر کو اس وقت بھیجا جب عبداللہ ازبک نے ۹۹۷ھ/۸۹-۱۵۸۸ء میں مشہد کا محاصرہ کر رکھا تھا لیکن اس کی فوری تصنیف کی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان میں بھی شیعہ علماء علمائے مشہد کے مضامین دہراتے اور امراء و سلاطین کی مجلسوں میں انھیں بڑے فخر سے بیان کرتے۔ حضرت مجددؒ ان حلقوں میں ان کی تردید کرتے لیکن انھیں خیال ہوا کہ اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ سپرد قلم ہونا چاہیے تاکہ غلط فہمیوں کی گنجائش نہ رہے۔ یہ رسالہ درج ذیل تحریر کے ساتھ

شروع ہوتا ہے۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم .... اما بعد میگوید بندۂ فقیر حقیر است برحمت خداوند واجد محمد خادم علماء احمد بن عبدالاحد الفاروقی ......" ۱۰

وجہ تصنیف رسالہ تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بعضے از طلبہ شیعہ کہ متردد این حدود بودند رسالہ ای از مقدمات فقہا و سیاسات میخوانند و در مجالس امرا و سلاطین این مقالات شہرت می دادند و این حقیر در مجلس و معرکہ مشافہہ بمقدمات معقول و منقول رد آنہا می کرد و طلبہ این جماعت را اطلاع می داد اما حمیت اسلام و رگ فاروقیم باین قدر رد و الزام کفایت نمی کرد و شورش بیشتر بے کیفیت نیافت و بجا و فاتر تر قرار یافت لاجرم مقاصد ایشان تمامہ در قید کتابت در آید ...... تا نفع عام گردد" ۱۲

اس رسالے میں حضرت مجددؒ نے دونوں فرقوں کے اختلافی مسائل پر بحث کی ہے۔ آخر میں تحریر فرماتے ہیں۔

"بدانکہ در اصحاب کرام در آمدن و در میان ایشان طعن نمودن از کمال بے ادبی ...... است طریق اسلم آنست کہ منازعات و اختلافات کہ در میان ایشان واقع شدہ محمول بر محامل حق سازند و ہمہ ایشان را بنیکی یاد کنند" ۱۳

اس رسالے کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے عربی میں اس کی تعبیر لکھی۔

یہ رسالہ ۱۰۰۰ھ سے قبل کی تصنیف ہے۔

۳۔ اثبات النبوۃ:[۱۴]

یہ رسالہ عربی میں ہے اور خاص طور پر اکبر کے عہد کے بعض علماء و امراء کے حضور صلعم

کی نبوت کے متعلق شک و شبہات کو رفع کرنے کے لیے تحریر کیا گیا۔ اس کی تصنیف غالباً ۹۹۸ھ کے قریب ہوئی اور حضرت مجددؒ کی سب سے پہلی تصنیف یہی رسالہ تھا۔ اس میں تمہیدی عبارت کے بعد دو بحثیں ہیں ایک نبوت کے معنی کی تحقیق میں دوسری معجزہ کے بارے میں اس کے بعد ایک طویل مقالہ ہے جس کا پہلا مسلک بعثت اور نبوت کی حقیقت" اور اس کی ضرورت کے بیان میں اور دوسرا "مسلک خاتم الانبیاء" کی نبوت کے اثبات میں ہے دوسرا مقالہ فلاسفہ کی مذمت میں اور ان کے علوم کی ممارست اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے جو ضرر ہوتا ہے اس کے بیان میں ہے۔

تمہیدی صفحات میں اختصار اور جامعیت کے ساتھ عہد اکبری کی مذہبی بے اعتدالیوں کا ذکر ہے جس سے بدایونی کے بیانات کی تائید ہوتی ہے۔ اثبات النبوۃ ایک اہم مسئلے کا ایک نہایت بلند پایہ تجزیہ ہے اس کا موضوع بحث و مناظرے کا ہے لیکن اس میں ایک لفظ بھی اونچے درجے کی علمی ثقاہت و متانت کے خلاف نہیں یا جس سے مخالفین کے ساتھ خوش اخلاقی میں ذرہ بھر کمی محسوس ہو انھوں نے کہیں جذبات کو غالب نہیں آنے دیا۔ اور نہایت بلند علمی و فکری سطح برقرار رکھی ہے۔

یہ رسالہ غالباً ابوالفضل سے ایک بحث سے متاثر ہو کر لکھا گیا لیکن فی الحقیقت اس میں ایک ایسے سوال کہ کیا انسانی رہنمائی کے لیے عقل کافی ہے یا نبوت کی بھی ضرورت ہے؟ کا عالمانہ اور محققانہ جواب ہے جو ہر مذہب کے ماننے والوں کے لیے اہمیت رکھتا ہے۔ اس کا انداز بیان نہایت عالمانہ اور فصیح و بلیغ ہے۔ یہ رسالہ اردو ترجمہ کے ساتھ چھپ چکا ہے مگر نا تمام حالت میں ہے۔

۴۔ رسالہ تہلیلیہ:[115]

عربی زبان میں یہ مختصر رسالہ حضرت مجددؒ نے اپنے والد مخدوم عبدالاحد کے

انتقال کے بعد تصنیف کیا کیونکہ اس میں انھوں نے شیخ والد کا کے ساتھ قدس سرہ لکھا ہے نیز زبدۃ المقامات میں اس کا ذکر ان رسائل کے ضمن میں ہوا ہے جو حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں حاضری (ربیع الآخر ۱۰۰۸ھ) سے پہلے لکھے گئے اس لیے اس کا زمانہ تصنیف ۱۰۰۷ھ کا آخر یا ۱۰۰۸ھ کا آغاز کہا جا سکتا ہے۔

رسالہ تہلیلیہ میں کلمہ طیبہ کے متعلق مختلف امور سے بحث ہے۔ ابتدا لا کی بحث سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد لفظ "اللہ" کی حقیقت اور اس کے اشتقاق کے متعلق نحوی علماء اور مفسرین کے اقوال کی روشنی میں بحث کی ہے۔ پھر لفظ اللہ کے لطائف وحدانیت الٰہی کے دلائل اور کلمہ طیبہ کے فضائل بیان ہوئے ہیں اس کے بعد ایک طویل اندراج میں توحید صوفیا کا ذکر ہے اور اس کے بعد وجود باری کے عین ذات ہونے میں فلاسفوں کے دلائل دیے ہیں اور اس معاملے میں فلاسفہ اور صوفیائے کرام کے اتفاق رائے کا ذکر ہے۔ آخری باب کلمہ طیبہ کے جزو ثانی یعنی رسالت محمدیہ کے متعلق ہے اس میں آنحضرت صلعم کے فضائل، معجزات، اخلاق کریمہ اور اوصاف عظیمہ کا ذکر ہے۔

اثبات النبوت اور رسالہ تہلیلیہ دونوں حضرت مجددؒ کی تصنیف ہیں اور ایک ہی دور کے متعلق ہیں۔ رسالہ تہلیلیہ کے آخری حصہ کا تو موضوع بھی وہی ہے جو اثبات النبوت کے ایک جزو کا ہے۔ دونوں رسالوں میں کئی چیزیں مشترک ہیں لیکن بغور مطالعہ سے ایک لطیف فرق نظر آتا ہے۔ اگرچہ دونوں رسالوں کی علمی سطح بہت بلند ہے لیکن اثبات النبوت میں صوفیانہ رنگ ہلکا ہے اور رسالہ تہلیلیہ میں بہت نمایاں ہے۔ اس امتیاز کی ایک وجہ تو اختلاف مباحث ہے اور دوسری یہ کہ اثبات النبوۃ میں روئے سخن ان لوگوں کی طرف تھا جو عقل کے ترجمان بنتے تھے رسالہ تہلیلیہ عام مسلمانوں کے لیے لکھا گیا اس لیے انداز بیان مختلف اختیار کیا گیا۔ دوسرے رسالے میں صوفیانہ عنصر کی شدت ہے اس سے خیال ہوتا ہے اس کا خاکہ اس زمانے میں تیار ہوا جب تکمیل علوم اور درس و تدریس کے بعد آپ کو والد ماجد

www.mujaddidway.com

کی خدمت میں دوبارہ رہنے کا موقع ملا اور تصوف کی انتہاپسندانہ تصانیف کا گہرا مطالعہ کیا۔

رسالہ تہلیلیہ میں زمرت صوفیائے کبار کی مشہور تصانیف سے طویل اقتباسات ہیں۔ بلکہ صوفیائے کرام اور قطب و اولیاء کے متعلق آپ نے اسی نقطہ نظر کا اظہار کیا ہے جو شیخ کی الٰہیات میں وحی کا تھا۔ رسالہ تہلیلیہ کی تالیف کے بعد حضرت مجددؒ نے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کی جس میں شرع کی پابندی ہے۔ برٹش میوزیم کے قلمی نسخہ میں اس کا نام "شرح رسالہ لا الٰہ الا اللہ" دیا ہے۔[۱۱۳] جب کہ اورنگ شاہ دیوانیہ کے قلمی نسخہ میں اس کا نام "رسالہ تحقیق کلمہ طیبہ"[۱۱۴] ہے۔ یہ رسالہ اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

د۔ معارف لدنیہ:

یہ رسالہ شاید مبدا و معاد سے پہلے لکھا گیا۔[۱۱۵] کیونکہ مبدا و معاد میں اس کا ذکر ہے۔ اس میں علوم الہامی اور معارف لدنی کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے رموز اور حروف مقطعات قرآنی کے اسرار بیان کئے ہیں۔ شریعت و طریقت کی ہم آہنگی پر زور دیا ہے اور ان نام نہاد صوفیوں کی مذمت کی ہے جو شریعت کے خلاف باتیں کہتے ہیں۔ یہ رسالہ اس عبارت سے شروع ہوتا ہے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم .... العلوم الالہیہ والمعارف اللدنیہ ... یقول العبد الفقیر الی رحمۃ اللہ الغنی احمد بن عبد الاحد الفاروقی النقشبندی .... فلما بارک الاطراف ... کہ ذات ... شریف است ... و این مجموع علم ذات واجب الوجود است"[۱۱۶]

ان صوفیوں کے متعلق جو حالت سکر میں اسلام کے خلاف الفاظ کا استعمال کرتے تھے حضرت مجددؒ فرماتے ہیں۔

"بعضی از مشائخ کہ انکار وجود صفات واجبی جل شانہ کردہ اند و صفات را عین ذات گفتہ اند بواسطہ آنست کہ ایشان در مرتبہ تجلیات صفاتیہ اند و صفات ایشان را ... ظہور ذات جل سلطانہ ... بعضی از مشائخ ... ."

سکر و غلبہ حال گفتہ اند ہم در رنگ موسیٰ داخل شہود حقیقی است اگرچہ از وصل شاہی متبائن و متفاوت افتادہ است چہ گفتار از اوہام اہل حیرت ... اسلام در راہ اسم ... و امثال این سخنان ... مقام ... گفتہ اند"[۱۲۲]

اسی رسالہ کے قلمی نسخے برٹش میوزیم اور دوسری خانقاہوں میں موجود ہیں نیز یہ رسالہ شائع بھی ہو گیا ہے۔

۶۔ مبدا و معاد:

مبدا و معاد میں حضرت مجددؒ کے خلیفہ خواجہ محمد صدیق بدخشی کشمی نے ان کی بیاض سے بعض عبارتیں جمع کی ہیں۔ مختلف صوفیانہ مسائل کا بیان ہے۔ حضرت مجددؒ نے اپنی بیعت، جذبہ، سیر و سلوک، آداب طریقت اور اولیاء کے کمالات، حقیقت کعبہ اور حقیقت قرآن پر اظہار خیال کیا ہے۔ دقیق معانی اور اسرار کی بدولت اس رسالے کا مقام نہایت بلند ہے۔

رسالے کے آخر میں خواجہ محمد صدیق نے اس کی تاریخ تکمیل ۱۰۱۹ھ درج کی ہے۔[۱۲۳] چند عنوانات درج ذیل ہیں۔

۱۔ ... جذب و سلوک ۲۔ عروج و نزول ... ۳۔ ... حضرت نقشبند ۳۔ ... ۴۔ دستگیری حضرت غوث الاعظم ۵۔ در سیر کمالات ۶۔ عالم صغیر و کبیر

حضرت مجددؒ اپنے عالی مقام کے متعلق فرماتے ہیں:

"در اول حال ... بودم ... طواف ... ملائک کرام ...۔"[۱۲۴]

اپنے پیر و مرشد کے لئے ان کے دل میں بہت احترام تھا اور وہ ان کی صحبت کو نہایت

عزیز رکھتے تھے۔ فرماتے ہیں:

"ما چہار کس بودیم در ملازمت خواجہ خود کہ پیش مردم درمیان سائر یاران امتیاز داشتیم. این حقیر بیقین میداند کہ نفس این صحبت و اجتماع مانند این تربیت و ارشاد بعد از زمان آنحضرت علیہ و علی آلہ الصلوات ہرگز بوجود نیامدہ است" ۱۲۳

۷۔ مکاشفات غیبیہ:

یہ رسالہ حضرت مجددؒ کی رحلت کے بعد مختلف موضوعات سے متعلق آپ کی یادداشتوں سے ترتیب دیا گیا۔ اس کے مرتب خواجہ معصومؒ اس کے آغاز میں لکھتے ہیں:

"مسودہ ہائی کہ در سال یک ہزار و پنجاہ و یک [illegible] ورقی چند از مسودات [illegible] یافت ..... امام ربانی مجدد الف ثانی [illegible] دوستان بہ بیت [illegible] تا حال حقوق گشتہ [illegible] اسرار غریبہ و دقائق معارف سنیہ مقامات [illegible] عبارت دلکش [illegible] صورت [illegible] اکثر آن [illegible] بود، دران [illegible] جمع و ترتیب کردہ شد." ۱۲۴

ایک اور موقع پر وہ فرماتے ہیں کہ بیت سے متعلق بعض اور موضوعات پہلے ہی جو آپ کے مکتوبات وغیرہ میں بیان ہو چکے ہیں لیکن اس رسالے میں ہر [illegible] بیان نہایت شدت پائی جاتی ہے۔ ۱۲۵

اس رسالے کے آغاز میں مجدد [illegible] کے بارے میں اس کے بعد مختلف [illegible] کو بیعت کے بارے میں سے متعلق امور ہیں۔ مکاشفات و [illegible] ہیں جو صوفیا اپنے مریدوں کی [illegible] کے لیے بتاتے ہیں۔

"مکاشفہ [illegible] دریافت و [illegible] حضرت خواجہ [illegible]

تمود کہ موسم تمام [illegible] حضرت عالیہ [illegible] اکابر [illegible] خواجہ محمد باقی [illegible] احوال عالی [illegible] تعلیم شیخ [illegible] حضور خواجہ [illegible] گشتند [illegible] و در آنجا استسلام کہ [illegible] حاصل کردند ..... [illegible] خلعت ارشاد بان [illegible] گشتہ" ۱۲۶

مرتب آخر میں کہتا ہے کہ اس رسالے کی ترتیب کے بعد اس کو حضرت مجددؒ کی [illegible] شدہ چالیس ۴۰ حدیثیں ملیں جو اس کے آخر میں شامل کر دی گئیں۔

۸۔ تعلیقات بر شرح رباعیات خواجہ محمد باقیؒ

خواجہ باقی باللہؒ حضرت مجددؒ کے پیر و مرشد تھے۔ آپ شعر بھی کہتے تھے اور تصوف کے موضوعات پر کافی رباعیاں آپ کی یادگار ہیں۔ حضرت خواجہؒ نے خود ہی ان کی شرح بھی لکھی تھی۔ حضرت مجددؒ نے اس شرح پر مزید حاشیے لکھے۔ یہ رباعیات وحدت وجود [illegible] کے دقیق مسئلے سے متعلق ہیں اور حضرت مجددؒ نے ان کی وضاحت اپنے [illegible] خواجہؒ کے بعد کے خیالات کی روشنی میں کی ہے۔

یہ رسالہ اس تحریر کے ساتھ شروع ہوتا ہے:

[illegible] ..... اما بعد تسوید [illegible] مسودہ است در شرح بعض از رباعیات [illegible] استاذ ..... شیخ محمد باقی النقشبندی [illegible] و اسرار [illegible] تسوید [illegible] ۱۲۸

رباعی اول:
سبحان اللہ [illegible] ماندہ تصور و حیران خیال
اللہ [illegible] و از سر [illegible] حالا [illegible] ۱۲۹

رباعیات کے بعد رسالہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے مکتوبات سے وابستہ ہو گیا ہے، ۵ سوال و جواب کی شکل میں ہیں۔ یہ رسالہ [illegible] رباعیات کے [illegible] بھی جاتا ہے:

آنچہ فضائل پناہی شیخ عبدالحق کہ از خلفاء حضرت خواجہ ماست نقل کردند کہ حضرت خواجہ قبل از ایام مرض می فرمودند کہ ما را بیقین معلوم شد کہ توحید کوچہ تنگ است شاہراہ دیگر است این قسم توحید اسلامی تمامی توحید است۔

ان تصانیف کے علاوہ دو اور رسالے رسالہ آداب المریدین اور تعلیقات عوارف حضرت مجددؒ سے منسوب ہیں مگر ان کا ذکر کسی تذکرہ میں نہیں ملتا۔ صرف حضرت مجددؒ کے خاص سوانح نگار بدرالدین ابراہیم سرہندی نے حضرات القدس میں اور خواجہ محمد ہاشم کشمی نے زبدۃ المقامات میں ان کا ذکر کیا ہے۔

بدرالدین ابراہیم سرہندی نے حضرات القدس میں دو اور رسالوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک رسالہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے ارشاد پر نقشبندی صوفیا کے بارے میں لکھا گیا تھا جو نامکمل رہا اور حضرت خواجہؒ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو انہوں نے اس پر مسرت کا اظہار فرمایا۔ دوسرا رسالہ احکام اسلامی سے متعلق دوستوں کی درخواست پر تحریر کیا۔

حضرات القدس (اردو ترجمہ) کے ناشر نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ حضرت مجددؒ کے مندرجہ ذیل رسالے اس کو ملے ہیں جو اردو میں ترجمہ کئے جا رہے ہیں۔ یہ رسالے حسب ذیل ہیں:

۱۔ رسالہ تحقیق نبوت

۲۔ رسالہ تعین و لاتعین

۳۔ رسالہ مشہود العالمین یا رسالہ مسئلہ وحدت الوجود

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مجددؒ کے مکتوبات میں سے بعض اس قدر طویل ہیں کہ اگر ان کو علیحدہ کر کے مرتب کیا جائے تو ایک خاص موضوع پر ایک رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ممکن ہے مندرجہ بالا مولفہ رسالے بھی یہ طویل مکتوبات علیحدہ کر کے رسالوں کی شکل میں ترتیب دے دیئے گئے ہوں۔

حضرت مجددؒ کی خدمات: معاشرہ کی اصلاح کے لیے حضرت مجددؒ کی کوششیں اظہر من الشمس ہیں۔ معاشرہ

صرف اکبری لحاظ کا نہ تھا بلکہ اطراف ملک میں جو حقیقی مشکلات سے مسلمان دوچار تھے ان کی طرف توجہ حضرت مجددؒ نے ہی دلائی۔ امراء اور اکبری سلطنت کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلائیں اور شریعت کے احکام کی بجا آوری اور دین اسلام کو بدعات اور سیئات سے پاک و صاف کرنے پر زور دیا۔

حضرت مجددؒ کی ایک اہم خدمت یہ ہے کہ آپ نے اس سلسلہ تصوف کی ترویج کی جو ہندوستانی طریقوں میں شریعت سے زیادہ قریب ہے۔ اس طریقے کے تمام اصول و فروع میں اتباع سنت سنیہ اور اجتناب بدعت نامرضیہ بدرجہ کمال ہے۔ نہ اس میں چلہ کشی کی ضرورت نہ ذکر بالجہر کی اجازت ہے نہ سماع نہ قبور پر چادر چڑھانا نہ عورتوں کا ہجوم نہ سجدہ تعظیمی نہ بوسہ دینا نہ مریدوں کو پیروں کی قدم بوسی کا حکم ہے۔

آپ نے طریقت کا وہ سلسلہ رائج کیا جس میں احکام شرعی کا سب سے زیادہ پاس تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ ایک قابل عالم شیخ طریقت تھے جو تصوف کو احکام شرعی کی حدود میں لے آئے۔

آپ نے عقیدۂ وحدت الوجود کی نئی توجیہ کی اور وحدت الشہود کا نظریہ پیش کر کے صوفیاء اور علماء کے اختلافات رفع کر دیے۔ آپ کا قول ہے کہ مقام وحدت الوجود سالک کو ابتدائے سلوک میں پیش آتا ہے جس سے آگے گزر جانا چاہیے اور جو شخص اس سے بالاتر مقام پر عروج کرتا ہے اس پر مقام وحدت الشہود منکشف ہوتا ہے جو شرع کے عین مطابق ہے۔

شرع کی حمایت اور ترجمانی کے ساتھ آپ کا ایک بڑا کارنامہ بدعات کے خلاف جہاد تھا۔ علماء نے بدعت کی دو قسمیں قرار دی ہیں حسنہ اور سیئہ۔ حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو آنحضرتؐ اور خلفائے راشدین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے عہد کے بعد پیدا ہوا ہو اور سنت کو رفع نہ کرتا ہو اور بدعت سیئہ وہ عمل ہے جو سنت کو رفع کرتا ہو۔ آپ نے ہر دو قسم کی بدعتوں کو دین سے نکالنے پر بڑا زور دیا اور اس طرح تمام مضرتوں اور نقصانات کا سد باب کر دیا جو

دینِ اسلام میں جو نئی چیزیں عقائد و اعمال کی صورت میں شامل ہو گئی تھیں انہیں دین سے باہر نکالنے کی ضرورت کا احساس تیز تر ہو گیا۔ آپ کا فرمان ہے کہ "ہر بدعت سنت کو ختم کرنے والی ہے اور کسی کی کوئی خصوصیت نہیں پس ہر بدعت سیئہ ہے۔" سنت اور بدعت دونوں پوری طرح ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کی بقا، دوسری کی فنا کو لازم ہے پس ایک کا زندہ کرنا دوسرے کو مارنا ہے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ "بدعت سے بچو اگرچہ بدعت صبح کے نور کی طرح روشن ہو۔ بدعت دین کو کاٹنے والی کلہاڑی ہے اور سنت چمکتا ہوا ستارہ ہے بدعت کا دور کرنا اسلام کی تقویت کے لیے لازمی ہے۔"

اس زمانہ میں مختلف تمدنوں کے ملنے سے نئے فرقوں اور نئے طریقوں سے عقائد میں خرابی پیدا ہو چکی تھی۔ ہر فرقہ اور ہر نظریہ کے لوگوں کی شدید کوشش تھی کہ اسلام کو اپنے رنگ میں رنگ لیں۔ حضرت مجددؒ نے ان خیالات و نظریات کی تردید میں ایک پُر زور رسالہ لکھا۔ حضرت مجددؒ کا ایک بڑا کارنامہ اسلام کو عام کیا تھا جیسا کہ اوپر بیان ہوا اس زمانے میں ہر فرقہ اور نظریے کے ماننے والے اسلام کو اپنی طرف مائل کر رہے تھے۔ آپ نے شعائرِ اسلام کے احترام پر زور دیا۔ اس وقت جب کہ عام علماء و مشائخ نے الحاد و بے دینی کے دور میں ایک گوشے میں بیٹھ جانا ہی عافیت اور سلامتی کا راستہ سمجھ رکھا تھا اور جن لوگوں نے جرأت اور ہمت سے کام لے کر اس کے خلاف آواز اٹھائی ان کے پاس کوئی واضح لائحہ عمل نہ تھا۔ آپ نے جہانگیر کے سامنے سجدہ کرنے کے قید و بند کی صعوبتوں کو ترجیح دی اور خلافِ شرع احکام کی عملی مخالفت کی۔ آپ کی اس نیک مثال نے لوگوں کو ہمت اور حوصلہ دیا۔ جو دبے بیٹھے تھے وہ دلیر ہو گئے۔ حکمران طبقہ میں جو اسلام پسند گروہ تھا۔ اسے تقویت ملی اور جو غیر اسلامی آداب و رسوم دربارِ شاہی میں عجمی ملوکیت کی تقلید میں یا مقامی اثرات کی وجہ سے رائج ہو گئی تھیں ان کے ازالے کا سامان ہوا اور شعائرِ اسلامی رواج پانے لگے۔

حضرت مجددؒ نے خود احیاءِ اسلام کی کوشش کی اور اس کے علاوہ ایک ایسا دینی

نظام قائم کر دیا جس سے آپ کے بعد بھی آپ کا فیض جاری و ساری رہا۔ آپ کے بعض خلفاء تھے جو ہندوستان کے کونے کونے میں بلکہ ہندوستان سے باہر بھی آپ کے خیالات کی اشاعت کر رہے تھے۔ آپ کے بعد آپ کے فرزندانِ ارجمند خاص طور پر خواجہ محمد سعیدؒ، خواجہ محمد معصومؒ اور ان کے صاحبزادے خواجہ سیف الدینؒ نے بادشاہانِ وقت شاہجہاں اور اورنگ زیب اور دیگر شہزادگان کی روحانی تربیت کا سلسلہ جاری رکھا جس کے عمدہ نتائج سامنے آئے۔

مجددی سلسلہ کو نہ صرف ہندوستان بلکہ اطراف ممالک میں بھی فروغ حاصل ہوا۔ آپ کا سلسلہ ہندوستان سے ماوراء النہر اور روم افغانستان شام و عرب تک پہنچا۔ آپ کے مکتوبات کا عربی میں بھی ترجمہ ہوا۔ خلافتِ عثمانیہ میں اس سلسلے کی اشاعت انیسویں صدی میں بہت زیادہ ہوئی جب حضرت خالد کردیؒ نے دہلی میں ایک سال رہ کر شاہ غلام علیؒ سے یہ طریقہ اخذ کیا اور واپس جا کر عراق، شام اور اناطولیہ میں بڑی کامیابی سے اشاعت کی۔ حضرت خالد کردی خلافتِ عثمانیہ کے آخری دور کے ایک بڑے بزرگ تھے انھوں نے طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کو سلطنت کا سب سے با اثر صوفی طریقہ بنا دیا۔ ۱۳۳

حضرت مجددؒ نے ایک رسالہ ردِ روافض لکھا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس کی شرح فارسی میں لکھی اس شرح کے مقدمہ میں حضرت مجددؒ کا تعارف کراتے ہوئے آپ کی تجدیدی خدمات کا بھی ذکر کیا ہے۔

حضرت مجددؒ کے بارے میں شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں "واحدِ زماں" فریدِ اوان شریعت و طریقت میں ہمیشہ راسخ، معرفت و حقیقت کے کوہِ بلند، ماہرِ سنت قاطعِ بدعت اللہ کا روشن چراغ جو عالم میں اس لیے رکھا گیا ہے کہ مومن بندوں میں سے جو چاہے اس سے روشنی حاصل کرے۔ کبار اور متقدمین میں سے اللہ کے دشمنوں پر سیفِ مسلول امام عارف عالم امامی مولانا شیخ احمد فاروقی ماتریدی حنفی نقشبندی سرہندی نے یہ رسالہ تصنیف کیا ہے مولف

کی وفات کے بعد اسی رسالے کے مقدمہ میں آگے فرماتے ہیں: "شواہدات انتہائی کثرت علم و تقویٰ، دینی استقامت، حب خدا اور رسول کے بارے میں ان کی غیرت، کرامات جلیلہ اور مقامات عجیبہ وغیرہ صفات محمودہ کے علاوہ جو اس شیخ کے نفس قدسی صفات میں اللہ تعالیٰ نے رکھ دی ہیں اس کے بہت سے احسان اہل ہند کی گردنوں پر ہیں جن کا شکریہ ضروری ہے اس لیے کہ جو شخص لوگوں کا شکر گزار نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار نہ ہوگا۔" اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے حضرت مجددؒ کی خدمات تحریر کی ہیں۔

۱۔ مجدد صاحب نے اطراف ہند میں نقشبندی طریقہ کو پھیلایا اور آپ کے اصحاب کے ذریعہ ایک خلق خدا مہذب ہوگئی۔

۲۔ صوفیوں اور فقہا کے درمیان جو اختلاف تھا اس میں ایک مستقل فیصلہ کیا جس سے اختلاف مٹ گیا۔ توحید شہودی اور وجودی کے ایسے معنی بیان کئے جن پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا اور اس میں کسی قسم کا اجمال باقی نہ رہتا ہے۔

۳۔ اولیاء کو علمائے ظاہر سے منع کیا اور ان کو لکھا کہ اپنی مجالس میں غلط عقیدے کے لوگوں کو نہ آنے دیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے مجدد صاحب کے ذریعہ امراء و حکام کو فیض پہونچایا اور ان حکام کے ذریعہ عام لوگوں کی اصلاح ہوگئی۔

۵۔ مسلمانوں میں سے ان ضعیف الاعتقاد لوگوں نے جن کی طبیعتیں کتب فلاسفہ کے مطالعہ یا فلاسفہ کے لوگوں کی صحبت سے فاسد ہو چکی تھیں۔ نئے نئے قول ایجاد کئے اور کہنے لگے کہ ہم کو نبی کی حاجت نہیں۔ بندوں کو عوام حلال کا مکلف کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ اعتقاد کے قابل مکاشفات ہیں اعمال نہیں وغیرہ۔ شیخ مجددؒ نے اس کے متعلق رسالہ لکھا اور ان کا رد کیا اور مختلف مجلسوں میں ان لوگوں سے مناظرے و مباحثے کئے حتیٰ کہ ان لوگوں کے اس فتنے کو مٹا دیا۔

آخر میں حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں: "ان امور کی وجہ سے مجدد شیخ کی محبت ہوگئی کہ بجز مومن متقی کے اور کوئی ان سے محبت نہیں کرتا اور بجز فاجر شقی کے اور کوئی ان سے بغض و عداوت نہیں رکھتا تھا۔"[۲۴]

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اخبار الاخیار میں حضرت مجددؒ کے بارے میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

"نزاعے کہ درمیان صوفیائے کرام و علمائے اسلام از قرنہا بود فیصلہ بود مشکل و معہود حدیث مسئلہ شد درمیان علماء و صوفیا فیصلہ بود نزاع اختلاف فریقین را در وحدت الوجود بلفظ را جمع داشتہ اند۔"[۲۵]

آپ نے قرآن و حدیث کے مطالعہ پر زیادہ زور دیا جس سے تغافل برتا جا رہا تھا۔ سنت کی پیروی آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ آپ کا سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ بہت زیادہ مقبول و پاکیزہ سلسلہ ہے۔ ممتاز شخصیتیں جیسے خواجہ میر ناصر عندلیبؒ، خواجہ میر دردؒ۔ شاہ سید احمد بریلویؒ، اسی سلسلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ سرسید احمدؒ کی پرورش و تربیت بھی مجددیہ سلسلہ میں ہوئی۔

شیخ مجدد سے قبل دینی تعلیم زیادہ تر فقہ اور صرف و نحو منطق پر مشتمل تھی۔ آپ نے عوام کو قرآن اور حدیث کی تعلیم کی طرف توجہ دلائی۔ شیخ عبدالحق نے حدیث کی اشاعت شروع کی اور اس علم کو باقاعدہ آپ نے ہی عام کیا۔ بعد میں شاہ ولی اللہ نے ہندوستان میں حجۃ اللہ البالغہ لکھی۔

باب چہارم (۱)

حواشی

۱۔ تعلیمات مجددیہ ص ۱۵۹

۲۔ ،، ،، ص ۱۶۱

۳۔ وفات ۱۰۰۸ھ/۱۵۹۹ء

۴۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی چشتیہ سلسلہ کے بزرگ تھے۔ لودھی عہد میں انہوں نے بڑی شہرت حاصل کی۔ حضرت مجدد کے والد شیخ عبدالاحد اور شیخ جلال الدین تھانیسری آپ کے خلفاء میں سے تھے۔ شیخ عبدالنبی جو اکبر کے عہد میں صدر الصدور تھے شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے پوتے تھے۔

۵۔ شیخ علی متقی ہندوستان کی مذہبی تاریخ میں بڑا مرتبہ رکھتے ہیں۔ آپ مانڈو میں پیدا ہوئے۔ حجاز جا کر [illegible] رخ کیا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ عبدالوہاب کی وساطت سے آپ سے فیضیاب ہوئے۔ آپ کی زیادہ دلچسپی علم حدیث اور تصوف سے تھی۔ آپ نے سو سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ ۹۷۵ھ میں مکہ معظمہ میں وفات پائی۔

۶۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی شمالی ہند کے پہلے بڑے عالم تھے جو فتح گجرات کے بعد سمندری راستے سے حجاز گئے اور علم حدیث کی تکمیل کی اور واپس آکر حدیث کا درس دینا شروع کیا۔ جہانگیر نے تزک میں آپ کا ذکر بہت احترام سے کیا ہے۔ اکبر، جہانگیر کا پورا عہد حکومت آپ نے دیکھا اور شاہجہاں کے سولہویں سال جلوس یعنی ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء کو ۹۴ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ کئی کتابیں آپ کی یادگار ہیں، جن میں اولیاء اور بزرگوں کا تذکرہ اخبار الاخیار زیادہ مشہور ہے۔

۷(۱) زبدۃ المقامات (اردو ترجمہ) ص ۱۳۱

۷۔ روضۃ الکوثر ص ۲۲۱، زبدۃ المقامات ص ۹۲ (اردو ترجمہ)

۸۔ امام رفیع الدین شیخ احمد کے اجداد میں تھے۔ فیروز شاہ کے وزیر اعظم خواجہ فتح اللہ کے بھائی اور سید جلال الدین بخاری (۷۰۷ھ - ۷۸۵ھ) کے مرید تھے۔ شہر سرہند کی تعمیر اور انتظام کا کام آپ کے سپرد کیا گیا تھا۔

۹۔ زبدۃ المقامات ص ۱۲۳، حضرات القدس جلد دوم ص ۹

۱۰۔ مولانا کمال کشمیری فلسفہ کے مشہور عالم تھے۔ سیالکوٹ میں درس دیتے تھے۔ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی بھی آپ کے حلقہ درس سے فیضیاب ہوئے۔

۱۱۔ مولانا یعقوب صرفی ۹۰۸ھ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم ظاہری کے بعد [illegible] شیخ حسین خوارزمی کے مرید ہوئے۔ ہمایوں اور اکبر کو آپ سے عقیدت تھی۔ علم حدیث کے زبردست عالم تھے۔ حضرت مجدد نے تین بزرگوں سے بیعت کی، ایک اپنے والد بزرگوار، دوسرے خواجہ باقی باللہ اور تیسرے شیخ یعقوب صرفی کشمیری۔

۱۲۔ امام غزالی ۴۵۰ھ / ۱۰۵۸ء میں طوس میں پیدا ہوئے اور ۵۰۵ھ / ۱۱۱۱ء میں وفات پائی۔ زبردست عالم تھے۔ آپ نے ۷۸ کتابیں مختلف مذہبی موضوعات پر لکھیں۔ کیمیائے سعادت آپ کی مشہور تصنیف ہے۔

۱۳۔ زبدۃ المقامات ص ۱۳۸ (اردو ترجمہ)

۱۴۔ تذکرہ مجدد ص ۹۲

۱۵۔ حضرات القدس ص ۱۰۱

۱۶۔ حاجی سلطان تھانیسری ایک عالم و فاضل شخص تھے اور اکبر کے دربار سے وابستہ تھے۔ مہابھارت کے ترجمہ کا کام آپ کے سپرد کیا گیا تھا۔ آپ کو [illegible] کیا گیا۔ ایک مرتبہ لوگوں کی شکایت پر جلاوطن ہو کر بھکر جانا ہوا۔ دوسری مرتبہ [illegible]

بالآخر ان کے ظلم و ستم کی شکایت کی تو اس نے سزائے موت کا حکم دے دیا چنانچہ ۹۹۵ھ میں ان کو پھانسی دی گئی۔

۱۷۔ زبدۃ المقامات ص ۲۰۳، حضرات جلد ۲، ص ۱۱

۱۸۔ شاہ کمال کیتھلی قادریہ سلسلے کے بزرگ تھے۔ حضرت مجددؒ فرماتے تھے کہ قادریہ سلسلہ میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بعد شاہ کمال کے پایہ کا کوئی دوسرا بزرگ نہیں ہوا۔

۱۹۔ زبدۃ المقامات ص ۱۲۰

۲۰۔ زبدۃ المقامات ص ۲۰۷، حضرات القدس جلد ۲، ص ۱۱ خواجہ باقی باللہؒ ۹۷۱ھ/۹۷۲ھ میں کابل میں پیدا ہوئے۔ وہ ہندوستان میں نقشبندیہ سلسلے کے بانی تھے۔ حضرت مجددؒ کے علاوہ دربار اکبری کے بہت سے امراء مثلاً شیخ فرید، قلیچ خاں، صدر جہاں، اور علماء میں شیخ عبدالحق محدث، مجددؒ آپ کے مرید تھے۔ خواجہ امکنگیؒ سے نقشبندیہ سلسلے کی تعلیم حاصل کی اور خلافت حاصل کر کے ہندوستان آئے۔ حضرت مجددؒ نے ۱۰۰۸ھ میں آپ سے بیعت کی۔ ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء کو دہلی میں وفات پائی۔

۲۱۔ حضرات القدس جلد ۲، ص ۵۱ (اردو ترجمہ)

۲۲۔ زبدۃ المقامات ص ۵۱، آب کوثر ص ۱۹۳

۲۳۔ زبدۃ المقامات ص ۵۳

۲۴۔ ایضاً ص ۱۹۰

۲۵۔ ایضاً ص ۲۰۱ (فارسی)

۲۶۔ ایضاً ص ۱۷۱ (فارسی)

۲۷۔ ایضاً ص ۲۲، ۱۵۵ (فارسی)

۲۸۔ ایضاً ص ۲۳۰ (فارسی)

۲۹۔ مکتوبات مجددؒ دفتر اول مکتوب نمبر ۲۶۶

۳۰۔ روضۃ القیومیہ جلد اول ص ۱۱۷، ۱۲۵

۳۱۔ روضۃ القیومیہ جلد اول ص ۱۰۱، ۱۰۴

۳۲۔ مکتوبات دفتر اول، مکتوب ۴۶

۳۳۔ مکتوبات دفتر اول، مکتوب ۵۳

۳۴۔ مکتوبات دفتر اول، مکتوب نمبر ۸

۳۵۔ اکبری عہد میں صدر جہاں معمولی منصب پر تھا۔ جہانگیر کے بچپن میں وہ تعلیم پر مقرر تھا۔ جہانگیر نے ان کو چار ہزاری منصب پر فائز کیا۔ حضرت مجددؒ کے ان کے نام کئی مکاتیب ہیں۔

۳۶۔ خان جہاں جہانگیر کا خاص مقرب تھا۔ جہانگیر ان کی بات سنتا بھی تھا اور مانتا بھی تھا۔ مکتوبات کے تینوں دفتروں میں ان کے نام بہت خطوط ہیں۔

۳۷۔ شیخ فرید بخاری اکبر کے عہد میں بخشی کے عہدے پر مامور ہوئے جہانگیر کے عہد میں گجرات کے والی بنائے گئے بعد میں پنج ہزاری منصب پر فائز ہوئے اور لاہور کے گورنر ہوئے۔ نسب کے لحاظ سے سادات تھے۔ علماء مشائخ کی نظروں میں ان کی بہت عزت تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک حساس اور درد مند دل دیا تھا حضرت مجددؒ کی تحریک [illegible] کے دست راست رہے۔ مکتوبات کے تینوں دفتروں میں ان کے نام بہت سے مکاتیب ہیں۔ ۱۰۲۵ھ میں لاہور میں ان کی وفات ہوئی اور دہلی میں سپرد خاک ہوئے۔

۳۸۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر [illegible]

۳۹۔ روضۃ القیومیہ پارٹ ۱، ص ۱۴۲

۴۰۔ خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۶۱۴، حضرات جلد دوم ص ۷۰

۴۱۔ حضرات جلد دوم ص ۹۰، تذکرہ علمائے ہند ص ۱۰۲

۴۲۔ تزک جہانگیری ص ۲۷۳، ۲۷۵

۴۳۔ مکتوبات دفتر سوم مکتوب نمبر ۹

۴۴۔ روضۃ القیومیہ پارٹ ۱، ص ۱۰۰، ۱۰۲، ۱۹۹

۴۵۔ حیات مجدد ص ۳۱، ۳۲

۴۶۔ حیات مجدد ص ۳۲

۴۷۔ تزک جہانگیری ص ۳۱۲

۴۸۔ مکتوبات دفتر سوم مکتوب نمبر ۴۳

۴۹۔ مکتوبات دفتر سوم مکتوب نمبر ۲۰

۵۰۔ مقامات معصومی ص ۱۵۰ ۔ ۱۵۹

۵۱۔ رود کوثر ص ۲۰۶

۵۲۔ رود کوثر ص ۳۶۵

۵۳۔ تزک جہانگیری ص ۳۳۰

۵۴۔ زبدۃ المقامات ص ۲۹۳ (فارسی)

۵۵۔ تذکرہ مجدد ص ۲۰۹

۵۶۔ میر محمد نعمان کشمی کے والد سید شمس الدین یحییٰ بدخشاں اور علماء ماوراء النہر کے مشاہیر میں تھے۔ میر محمد نعمان سمرقند میں پیدا ہوئے۔ آغاز شباب میں ہندوستان آئے اور خواجہ باقی باللہؒ سے منسلک ہو گئے۔ خواجہ صاحب نے آپ کو حضرت مجدد کے سپرد کر کے ان کو آپ کی تربیت کا کفیل بنایا۔ میر نعمان نے خواجہ صاحب سے عرض کیا کہ بھلا فقیر توجہ حضور کی درگاہ ہے۔ جنگ وہ بھی ہوگا اس سے انکار نہیں اس پر خواجہ صاحب نے غصہ ہو کر فرمایا تھا کہ میاں شیخ احمد آفتاب ہے اور کوشش بازارواں ستارے گون ان میں [illegible]۔ اس کے بعد میر صاحب حضرت مجدد کی خدمت میں پہنچے۔ انہوں نے آپ کو برہانپور روانہ کیا۔ حضرت مجددؒ نے آپ کے علم و عمل کی تعریف فرمائی ہے۔

آپ کی وفات ۱۰۵۰ھ میں ہوئی۔

۵۷۔ شیخ حمید بنگالی: یہ لاہور سے وطن جاتے ہوئے آگرہ آئے تھے وہاں حضرت مجدد سے ملاقات ہوئی پہلے منکر تھے مگر حضرتؒ کی توجہ سے یہ حال ہوا کہ حضرت کے ساتھ پیادہ پا سرہند چلے۔ دو سال سرہند میں رہے پھر حضرت نے اجازت دے کر ان کو رخصت کر دیا۔

۵۸۔ آپ عرصہ تک خانقاہ مجددیہ میں رہے اور مقامات میں ترقی ہوئی۔ بعد میں حضرت مجدد نے اجازت مرحمت فرما کر پٹنہ روانہ فرمایا۔

۵۹۔ علوم ظاہری میں کمال حاصل تھا۔ سلوک کے شوق میں حضرت کی خدمت میں پہنچے۔ سالہا سال ان کی خدمت میں رہے۔ حضرت مجدد کے صاحبزادوں کی تعلیم و تدریس کا کام نہایت کوشش سے انجام دیتے تھے۔ حضرت نے آپ کو لاہور کے طالبان معرفت کی رہنمائی کے لیے روانہ فرمایا۔ ۱۰۳۰ھ میں انتقال فرمایا۔

۶۰۔ شیخ بدیع الدین ابتدا میں نماز تک کے پابند نہ تھے۔ حضرتؒ کی توجہ سے ہدایت ہوئی اور آپ کے فیوض و برکات سے بہرہ مند ہوئے۔ حصول اجازت کے بعد سہارنپور آئے۔ آپ کو بعد میں حضرت نے آگرہ بھیجا تھا وہاں منکرین اور معاندین نے آپ کے خلاف زبردست فتنہ برپا کر دیا اور اسی کا اثر یہ ہوا کہ جہانگیر نے حضرت کو قلعہ گوالیار میں قید کیا۔

۶۱۔ آپ معقول اکابر مریدوں میں سے ہیں۔ مکتوبات میں آپ کا ذکر ہے۔ ۱۰۲۰ھ میں وفات پائی۔

۶۲۔ شیخ طاہر بدخشی ۱۰۱۰ھ میں دہلی آئے اور پھر حضرت مجددؒ کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت نے ان کو تعلیم طریقت کی اجازت دے کر جونپور روانہ کیا۔

۶۳۔ یار محمد قدیم طالقانی کا نام الجلیل و صاحب نسبت بزرگ تھے۔ بزرگان نقشبند کی خصوصیات آپ کی پیشانی سے ظاہر ہوتی تھیں۔

۶۴. برک کے رہنے والے تھے حضرت کی بارگاہ میں پہنچ کر ذکر و مراقبہ سے مشرف ہو کر
وطن واپس ہوئے اور آپ وہاں اذکار و وظائف میں مشغول ہوئے۔

۶۵. شیخ عبدالحی علاقہ اصفہان کے باشندے تھے سالہا سال آستانہ مجددیہ پر مرشد سے
فیوض و برکات حاصل کیے۔ مکتوبات کا دوسرا دفتر آپ نے ترتیب دیا۔ حضرت نے آپ کو تعلیم
طریقت کی اجازت دے کر رخصت فرمایا۔ ۱۰۰۰ھ میں انتقال ہوا۔

۶۶. برک کے علاقے سے تھے۔ مکتوبات کا مطالعہ کر کے مشتاق ہوئے اور سرہند آئے
اور حضرت کی عنایات سے سرفراز ہوئے۔ آپ نے ۱۰۳۵ھ میں وفات پائی۔

۶۷. بدرالدین ابراہیم سرہندی مصنف حضرات القدس حضرت مجددؒ کے مخلص مرید تھے۔

۶۸. خواجہ محمد ہاشم کشمی ثم برہانپوری ہندوستان آئے اور برہانپور میں میر محمد نعمان سے ارادہ
وسلوک کی تعلیم حاصل کی۔ بعد میں حضرتؒ کی خدمت میں سرہند آئے۔ زبدۃ المقامات آپ
کی تصنیف ہے جو حضرت مجددؒ ان کے پیر و مرشد، خلفاء وغیرہ کی مستند سوانح عمری ہے
مکتوبات کا تیسرا جلد بھی آپ نے ہی ترتیب دیا۔

۶۹. خواجہ عبدالحکیم سیالکوٹی حضرت مجدد کے ہم درس اور بعد میں بڑے عالم ہوئے۔ شیخ احمد
سرہندیؒ کو مجدد الف ثانیؒ کے لقب سے آپ نے ہی ایک مکتوب میں سب سے پہلے
مخاطب فرمایا۔

۷۰. مولانا محمد صدیق کشمی بدخشانی ابتدائی جوانی میں ہندوستان آئے اور خواجہ باقی باللہ
سے بیعت ہوئے۔ ان کے وصال کے بعد حضرت مجدد کی خدمت میں آئے۔ مبدأ و معاد
کو حضرت مجددؒ کی زبانی سن کر آپ نے ہی نقل فرما کر جمع کیا۔ آپ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔

۷۱. شیخ طاہر لاہوری۔ آپ اصل میں [illegible] تھے۔ [illegible] آپ ہی کی مدد سے قرآن شریف حفظ
کیا۔ آپ کے خلفاء کی تعداد [illegible] ایک لاکھ بتائی جاتی ہے۔ حج کے
لیے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ [illegible] ۱۰۴۰ھ کو انتقال فرمایا۔

میں حضرت عثمان ذوالنورین کے مزار پاک کے قریب دفن ہوئے۔

۷۲. شیخ احمد دیوبندی۔ حضرت مجددؒ کے حلقہ میں ایک مدت تک رہنے کے بعد
برہانپور گئے اور پھر آگرہ آئے اور وہیں طریقہ عالیہ نقشبندیہ اختیار کیا۔

۷۳. پہلی دو تصنیفات تو تمام مستند سوانح (مثلاً زبدۃ المقامات ص ۲۳۲، حضرات القدس
جلد ۲، ص ۱۰۰، ۱۰۸، ۱۲۷، روضۃ القیومیہ پارٹ ۱ ص ۲۳۲) میں درج ہیں لیکن
زبدۃ المقامات نے رسالہ اثبات النبوۃ کے بجائے اس کا نام رسالہ جذب و سلوک لکھا ہے

۷۴. صرف حضرات القدس (جلد ۲ ص ۱۰۹) نے اس کا ذکر کیا ہے۔

۷۵. اس کا ذکر بھی صرف حضرات القدس (جلد ۲ ص ۱۰۹) اور زبدۃ المقامات ص ۲۳۰
نے کیا ہے۔

۷۶. زبدۃ المقامات ص ۲۳۰ (اردو)

۷۷. حضرات القدس جلد ۲، ص ۱۰۹، روضۃ القیومیہ پارٹ ۱، ص ۲۰۳

۷۸. یاسمی پور مخطوطہ نمبر ۳۴۹۴ (جلد ۱، ص ۱۰۱) میں ۱۱ مکتوب ہیں۔

۷۹. حضرات القدس جلد ۲ ص ۱۰۱ زبدۃ المقامات ص ۲۳۲

۸۰. ایتھے نے جلد ۱ پارٹ ۲ ص ۱۰۱ نمبر ۲۰۲۰ پر اس کو نوٹ کیا ہے۔ مخطوطہ مجموعہ کی بنیاد پر
اس کا نام مکتوبات احمد جلد کہا سرہندی لکھا ہے۔ ایتھے کے مطابق یہ نسخہ مکتوب نمبر ۹ پر
ختم ہو جاتا ہے۔

۸۱. زبدۃ المقامات ص ۲۳۱ (فارسی)

۸۲. مکتوب دفتر سوم مکتوب نمبر ۲

۸۳. زبدۃ المقامات ص ۲۳۱ (فارسی)

۸۴. مکتوبات دفتر سوم ص ۹، زبدۃ المقامات ص ۲۳۰

۸۵. مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ۱۴۴؛ زبدۃ المقامات ص ۲۳۰

www.mujaddidway.com

۸۸۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ۲۶۶، زبدۃ المقامات ص ۲۳۸

۸۹۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ۹

۹۰۔ " دفتر سوم نمبر ۳۲

۹۱۔ " دفتر اول نمبر ۲۶۰

۹۲۔ " دفتر اول نمبر ۲۰

۹۳۔ " دفتر اول نمبر ۲۰

۹۴۔ " دفتر دوم نمبر ۱۱

۹۵۔ " دفتر دوم نمبر ۵۱

۹۶۔ " دفتر دوم نمبر ۵۵

۹۷۔ " دفتر دوم نمبر ۶۰، دفتر اول نمبر ۲۷۲، ۳۰۹

۹۸۔ " دفتر دوم نمبر ۱

۹۹۔ " دفتر دوم نمبر ۵۶، دفتر اول نمبر ۲۵۱

۱۰۰۔ " دفتر دوم نمبر ۹۹

۱۰۱۔ " دفتر دوم نمبر ۱۰۶

۱۰۲۔ " دفتر اول نمبر ۲۲۰، ۲۳۱، ۲۳۳

۱۰۳۔ " دفتر اول نمبر ۱۷۱، ۲۶۶، دفتر سوم نمبر ۲۳

۱۰۴۔ " دفتر اول نمبر ۳۰۴

۱۰۵۔ " دفتر اول نمبر ۲۳، ۱۰۰، ۲۹۹

۱۰۶۔ " دفتر اول نمبر ۲۰، ۴۳

۱۰۷۔ " دفتر دوم نمبر [illegible]

" دفتر اول نمبر [illegible]

۱۰۸۔ تعلیقات مجددیہ ص ۵۰

۱۰۹۔ " ص ۵۵

۱۱۰۔ مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ۲۰۲

۱۱۱۔ حیات مجدد ص ۲۲

۱۱۲۔ خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۶۱۲۔ مولانا غلام محی الدین [illegible]
اپنی کتاب [illegible] حیات مجدد الف ثانی ص ۲۳

۱۱۳۔ رسالہ در رد روافض ص

۱۱۴۔ رد کوفہ ص ۲۳۳

۱۱۵۔ رسالہ در رد روافض ص ۲۳

۱۱۶۔ بعض نسخوں میں تحقیق [illegible]

۱۱۷۔ رسالہ تہلیلیہ، زبدۃ المقامات ص ۲۱

۱۱۸۔ [illegible] قلمی نسخہ نمبر [illegible]

۱۱۹۔ قلمی نسخہ درگاہ شاہ ابوالخیر نمبر ۲۵

۱۲۰۔ قلمی نسخہ نمبر [illegible]
[illegible]

۱۲۱۔ معارف لدنیہ [illegible] درگاہ شاہ ابوالخیر

۱۲۲۔ معارف لدنیہ معرفت [illegible]

۱۲۳۔ قلمی نسخہ درگاہ شاہ ابوالخیر نمبر ۲۵

۱۲۴۔ مبداء و معاد ص ۲۰

۱۲۵۔ مبداء و معاد ص ۲۵

۱۲۶۔ قلمی نسخہ درگاہ شاہ ابوالخیر ص ۲۲

۱۲۷۔ قلمی نسخہ مکاشفات غیبیہ معرفت ۲۵

۱۲۶۔ قلمی نسخہ مکاشفات غیبیہ ورق ۱۲۳

۱۲۷۔ ایضاً ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ورق ۱۵۱

۱۲۸۔ قلمی نسخہ شرح رباعیات باقی ورق ۱ (نمبر ۱۵۲/۲۳، ۵۵ نیشنل میوزیم)

۱۲۹۔ ایضاً ورق ۲

۱۳۰۔ ایضاً ورق ۱۶۰

۱۳۱۔ حضرات القدس جلد دوم ص ۱۱۳

۱۳۲۔ حضرات القدس جلد اول ص ۲ (اردو ترجمہ)

۱۳۳۔ رود کوثر ص ۲۹۳

۱۳۴۔ تذکرہ مجدد ص ۳۰۳

۱۳۵۔ اخبار الاخیار ص ۳۱۳

۱۳۶۔ خواجہ میر ناصر عندلیب (وفات ۱۱۷۰ھ) ایک صوفی تھے آپ نے تصوف پر ایک ضخیم کتاب "نالۂ عندلیب" لکھی۔

۱۳۷۔ خواجہ میر درد (۱۱۳۱ھ ۔ ۱۱۹۰ھ) اردو کے مشہور شاعر اور صوفی و ریفارمر تھے۔

۱۳۸۔ شاہ سید احمد بریلویؒ (۱۲۰۱ ۔ ۱۲۴۶ھ) شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگرد تھے اور ہزاروں مسلمان آپ سے بیعت ہوئے۔

۱۳۹۔ سرسید احمد خاں (۱۲۳۲ھ ۔ ۱۳۱۵ھ) دہلی میں پیدا ہوئے آپ نے ۱۸۷۵ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی بنیاد رکھی۔ آپ بہت بڑے ریفارمر اور ماہر تعلیم تھے۔

باب چہارم (ب)

خازن الرحمت خواجہ محمد سعیدؒ

حضرت مجددؒ کے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق تھے جو عین جوانی میں بمرض طاعون وفات پا گئے۔ دوسرے بیٹے خواجہ محمد سعید شوال ۱۰۰۵ھ/۱۵۹۶ء میں پیدا ہوئے۔ علوم متداولہ، عقلیہ و نقلیہ اپنے والد، مولانا طاہر لاہوری اور اپنے برادر بزرگ خواجہ محمد صادق سے حاصل کیے اور پھر درس و تدریس شروع کی۔ آپ صلاح و تقویٰ کا پیکر تھے۔ خود حضرت مجددؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہر قطب کے دو امام ہوتے ہیں، ان کے اسماء خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم ہیں۔ آپ نے خواجہ محمد سعید کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا۔ حضرت مجددؒ ان کے متعلق فرماتے تھے کہ "محمد سعید چار یا پانچ سال کے تھے کہ بیمار ہوئے، غشی کے عالم میں ان سے دریافت کیا کہ بیٹا! کیا چاہتے ہو؟ بے اختیار جواب دیا: "خواجہ باقی را می خواہم"۔ میں نے ان کے یہ کلمات حضرت خواجہؒ کو لکھ بھیجے۔ حضرت قدس سرہ نے جواب دیا: "محمد سعید شما ندانستہ نیکی نمود و غائبانہ نسبت از ما در ربود"۔ حضرت خواجہؒ نے حضرت مجددؒ کے صاحبزادوں کے متعلق اپنے ایک مرید کو یہ کلمات تحریر فرمائے:

"فرزندان ایشاں کہ اطفال اند اسرار الٰہی اند استعداد ہائے عجب دارند بالجملہ شجرہ طیبہ اند انبتہم اللہ نباتاً حسناً"

خزینۃ الاصفیا کے مصنف لکھتے ہیں:

"خواجہ باقی باللہؒ سفر نمود کہ خواجہ محمد سعید و محمد معصوم ہر دو پسران خواجہ

۱۲۶۔ قلمی نسخہ مکاشفات غیبیہ ورق ۱۲۳

۱۲۷۔ ایضاً ۔ ۔ ۔ ۔ ورق ۱۵۱

۱۲۸۔ قلمی نسخہ شرح رباعیات باقی ورق ۱ (نمبر ۱۵۱/۱۲۳/۴۳۔۵۵ء نیشنل میوزیم)

۱۲۹۔ ایضاً ورق ۴

۱۳۰۔ ایضاً ورق ۱۰۰

۱۳۱۔ حضرات القدس جلد دوم ص ۱۱۳

۱۳۲۔ حضرات القدس جلد اول ص ۴ (اردو ترجمہ)

۱۳۳۔ رود کوثر ص ۲۹۲

۱۳۴۔ تذکرہ مجدد ص ۳۰۳

۱۳۵۔ اخبار الاخیار ص ۳۱۳

۱۳۶۔ خواجہ میر ناصر عندلیب (وفات ۱۱۷۲ھ) ایک صوفی تھے آپ نے تصوف پر ایک ضخیم کتاب "نالۂ عندلیب" لکھی۔

۱۳۷۔ خواجہ میر درد (۱۱۳۳ھ ـ ۱۱۹۹ھ) اردو کے مشہور شاعر اور صوفی درویش تھے۔

۱۳۸۔ شاہ سید احمد بریلویؒ (۱۲۰۱ ـ ۱۲۴۶ھ) شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگرد تھے اور ہزاروں مسلمان آپ سے بیعت ہوئے۔

۱۳۹۔ سر سید احمد خان (۱۲۳۲ ـ ۱۳۱۵ھ) دہلی میں پیدا ہوئے آپ نے ۱۸۷۵ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی بنیاد رکھی۔ آپ بہت بڑے ریفارمر اور ماہر تعلیم تھے۔

باب چہارم (ب)

خازن الرحمت خواجہ محمد سعیدؒ

حضرت مجددؒ کے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق تھے جو عین جوانی میں بعارضہ طاعون وفات پا گئے۔ دوسرے بیٹے خواجہ محمد سعید شوال ۱۰۰۵ھ (۹۷-۱۵۹۶ء) میں پیدا ہوئے۔ علوم متداولہ، عقلیہ ونقلیہ اپنے والد، مولانا طاہر لاہوریؒ اور اپنے برادر بزرگ خواجہ محمد صادق سے حاصل کیے اور پھر درس وتدریس شروع کی۔ آپ صلاح وتقویٰ کا پیکر تھے۔ خود حضرت مجددؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہر قطب کے دو امام ہوتے ہیں الحمد للہ کہ میرے امام خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم ہیں۔ آپ نے خواجہ محمد سعید کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا۔ حضرت مجددؒ ان کے متعلق فرماتے تھے کہ "محمد سعید چار یا پانچ سال کے تھے کہ بیمار ہوئے غشی کے عالم میں ان سے دریافت کیا کہ بیٹا کیا چاہتے ہو؟ بے اختیار جواب دیا "خواجہ باقی خواہم"۔ میں نے ان کے یہ کلمات حضرت خواجہؒ کو لکھ بھیجے حضرت قدس سرہ نے جواب دیا: "محمد سعید شما نخواہد مرد زیرا کہ نسبت از ما در ربود" حضرت خواجہؒ نے حضرت مجددؒ کے صاحبزادوں کے متعلق اپنے ایک مرید کو یہ کلمات تحریر فرمائے:

"فرزندان ایشان کہ اطفال اند اسرار الٰہی اند استعداد ہائے عجب دارند بالجملہ شجرہ طیبہ اند انبتہا اللہ نباتاً حسناً"

زبدۃ الاصفیا کے مصنف لکھتے ہیں:

"خواجہ باقی باللہؒ بسفر بود کہ خواجہ محمد سعید و محمد معصوم ہر دو پسران تولد شدند

پارہ ہای جواہر اند کہ فی بہا اند و در ایام خود رسالہ مقامات احمدیہ سعیدیہ الّٰلہ و نیز شیخ احمد میفرمود کہ معاملہ من و فرزندان من مثل معاملہ صاحب شرح وقایہ است بجد خود کہ جدا و آنچہ وقایہ تحریر میکرد، صاحب شرح وقایہ حفظ می نمود و ہمچنین آنچہ معارف من کشوف اند پسرانم آن را اخذ نمودہ یاد گرفتہ اند"۔

حضرت القدس میں لکھا ہے کہ کتب متداولہ شرح حکمت العین اور عضدی و بیضاوی کا درس دیتے تھے۔ فقہ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے اور مشکل سے مشکل مسائل کو معمولی توجہ سے حل فرماتے تھے۔ شاہجہان کے عہد کے اواخر ۱۰۶۷ھ/۵۷-۱۶۵۶ء میں خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم حج کے لیے روانہ ہوئے اور تقریباً تین سال ہندوستان سے دور رہے۔ خواجہ محمد سعید کے صاحبزادے شیخ عبدالاحد وحدت نے اس سفر کے دوران مکاشفات لطائف مدینہ کے نام سے تحریر کیا۔ جب وہ حج کے لیے روانہ ہوئے تو دارا شکوہ کا ستارہ عروج پر تھا۔ واپس پہنچے تو عالمگیر تخت سلطنت پر متمکن تھا۔ دونوں بھائیوں بلکہ خاندان مجددیہ کے تمام سربرآوردہ افراد کی قدردانی ہوئی۔ حضرت محمد سعید کو اورنگ زیب نے دہلی میں رہنے کی دعوت دی۔ وہ دہلی میں کچھ عرصہ رہے لیکن اب ان کی صحت ٹھیک نہ رہتی تھی۔ دہلی میں سخت بیمار ہوئے۔ بادشاہ نے علاج میں بڑا اہتمام کیا۔ خود معجون تیار کر کے آپ کے لیے بھیجتا تھا۔ خرابی صحت کی بنا پر آپ پالکی کے ذریعہ سرہند کے لیے روانہ ہوئے لیکن ۲۰ جمادی الآخر ۱۰۷۰ھ کو جبکہ وہ سنبھالکا کے مقام پر تھے، داعی اجل کو لبیک کہا اور سرہند میں مدفون ہوئے۔ آپ نے ۶۵ سال کی عمر پائی۔

اولاد: آپ کے آٹھ صاحبزادے شاہ عبداللہ، شاہ لطف اللہ، مولوی فرخ شاہ، شیخ سعید الدین، شیخ عبدالاحد، شیخ خلیل اللہ، شیخ محمد یعقوب، شیخ محمد تقی اور پانچ صاحبزادیاں صالحہ، عاقلہ، شاکرہ، شرف النساء، فخرالنساء اور زینب تھیں۔

تصانیف: خواجہ محمد سعید عربی و فارسی کے زبردست عالم تھے جن دونوں زبانوں میں

کئی کتابیں تصنیف کیں۔

۱۔ تعلیقات: ہامش المصابیح: حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ شریف پر حاشیہ ہے۔

۲۔ رسالہ اشارہ: نماز میں رفع سبابہ کی مخالفت کے بارے میں۔

۳۔ مکتوبات: مذہب اور تصوف کے مسائل پر آپ کے مکاتیب کی تعداد تقریباً ۱۰۰ ہے۔ بعض مکاتیب عربی میں ہیں۔ ان مکاتیب کو آپ کے صاحبزادے مولوی فرخ نے ترتیب دیا۔ پہلے دو مکتوبات اپنے والد محترم حضرت مجددؒ کے نام ہیں جن میں اپنے صوفیانہ احوال و ترقی درجات کا ذکر کیا ہے۔ آپ کے خطوط کے مخاطب عام طور پر خلفاء، خواجہ محمد معصوم، شیخ عبدالاحد وحدت وغیرہ ہیں۔ مکتوب نمبر ۶۰ مکہ اور مدینہ کے علماء کے نام ہے جس میں حضرت مجددؒ کے بعض جملوں کی وضاحت کی ہے۔ مکتوب نمبر ۱۰۰ امام اسمٰعیل محدث یمنی کے نام ہے۔

اورنگ زیب اور شاہی خاندان کے دیگر افراد کے نام آپ کے سب سے زیادہ مکتوبات ہیں۔ ایک خط میں بادشاہ کو تبلیغ اسلام کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اما بعد۔ ذرہ خاکسار بی مقدار بعرض اشرف می رساند ... بعید اگر رواج دین پرور در باب رفع ... و منع بر ضمن از منہیات و منکرات بشکنند شعائر اسلام تاکید اہتمام رود۔ فرمان علی قضات و در باب تعمیر مساجد و مدارس و ترغیب علماء و فضلا و تکریم زہاد و صلحاء اسلام و اہل اسلام شرف صدور یابد موجب اعلاء ارکان شریعت بیضا و تکمیل دولت علیٰ الطریق الاتم باشد"۔

ایک اور مکتوب نمبر ۵۹ بھی اسی مضمون کا ہے۔ ان مکتوبات سے بادشاہ اور خواجہ محمد سعید کے درمیان نزدیکی تعلقات کا پتہ چلتا ہے۔ اورنگ زیب کو آپ سے خاص تعلق خاطر تھا۔ ایک مکتوب میں خواجہ محمد معصوم کو تحریر فرماتے ہیں:

"عزیزان و فراق یاران دامن گیر این حقیر ضعیف است چنانکہ شرح آن بد ..."

حدیث شوق نہ دانستہ ام کہ تا چند است، بجز این قدر کہ دلم سخت آرزومند
است و استخارہ اگر موافقت نمود ظاہر است کہ اختیار این سفر فرمایند
ہر چند برایں انقطاع و ملالت از تصور این سفر گرہ عظیم در دل می شود . . .
دیگر چہار روز است کہ بادشاہ عجب تا آید، و اہتمام می فرماید خود طبیخ ساخت
می فرستد امید کہ مادہ امراض در چند روز منحسم گردد۔"[۴۳]

ان مکتوبات کی عبارت سادہ اور عام فہم ہے، جو ہر قسم کے پیچیدہ اور غلق جملوں سے پاک ہے۔ عبارت میں جابجا قرآن اور حدیث کے حوالے ہیں۔ بیشتر خطوط کا آغاز عربی جملوں سے ہوتا ہے۔ عربی اور فارسی کے اشعار سے مکتوبات کے مضامین دلچسپ ہو گئے ہیں۔ معانی کی گہرائی اور عبارت کی شیرینی نے اس مختصر مجموعہ میں عجب دلکشی پیدا کر دی ہے۔

اورنگ زیب خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کا بہت معتقد تھا اور ان بزرگوں کی خدمت کرتا رہتا تھا۔ رود کوثر میں عالمگیر نامہ کے حوالے سے لکھا ہے:

"شیخ محمد سعید و شیخ محمد معصوم پسران شیخ مغفور واقف اسرار حقائق و علوم
شیخ احمد سرہندی کہ ہر یک در فضائل و کمالات صوری و معنوی خلف الصدق
آں سالک مسالک طریقت و عرفان است، با انعام سہ صد اشرفی . . . مورد
نوازش گردیدند"[۴۴]

ایک اور جگہ عالمگیر نامہ میں درج ہے:

"و تبتوں شعار شیخ محمد سعید خلف شیخ احمد سرہندی خلعت و دو ہزار
روپیہ . . . مرحمت شد"[۴۵]

عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصومؒ

حضرت مجددؒ کے فرزند ثالث خواجہ محمد معصوم کی ولادت ۱۱ شوال ۱۰۰۷ھ/ ۱۵۹۹ء

کو سرہند کے نزدیک [illegible] میں ہوئی [illegible] سال حضرت مجدد کو خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں پہنچنے کا شرف حاصل ہوا۔ شیخ محمد معصوم نے اپنے والد بزرگوار اور بڑے بھائی خواجہ محمد صادق سے تعلیم سے تحصیل علوم کی اور [illegible] سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ [illegible] سال کی عمر میں آپ بیعت سے مرید ہوئے۔ حضرت مجددؒ آپ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"از فرزندی محمد معصوم چہ نویسد کہ از [illegible] است [illegible]
قابل این دولت است یعنی ولایت خاصہ محمدیہ علیٰ [illegible]
بمناسبت استعداد و حقیقت تجلی ذاتی [illegible] کشود [illegible]
من نہ [illegible] و من ظالم [illegible] است"

چودہ سال کی عمر میں ایک مرتبہ خواب دیکھا جس کو سن کر حضرت مجددؒ نے فرمایا
"تو قطب وقت خواہی بود [illegible]"

خواجہ محمد معصوم صد ہا مریدین کو ارشاد و ہدایت فرماتے تھے آپ تفسیر اور حدیث نیز مکتوبات حضرت مجدد کا بھی درس دیتے تھے۔ آپ سے بہت سے لوگ [illegible] سلسلہ مجددیہ کو بہت وسعت دی۔ آپ کے خلفا [illegible] ۱۰۳۲ھ/ ۲۳-۱۶۲۲ء میں حضرت مجددؒ نے آپ کو اپنا نائب بنایا اور خلعت قیومیت عطا کی۔ حضرت مجددؒ نے [illegible] سے اس سلسلہ میں لکھا:

"و [illegible] نماز [illegible] مجلس سکوت و [illegible] ظاہر شد [illegible]
پیدا شد و خلعت دیگری متوجہ شد کہ [illegible] خلعت [illegible]
خلعت [illegible] خواہند داد [illegible]
محمد معصوم [illegible] فرزند [illegible]
و اہتمام [illegible] خلعت [illegible] قیومیت [illegible] است"

یہ خطوط موصول ہونے کے بعد آپ اجمیر شریف تشریف لے گئے اور خدمت [illegible]

منصب قیوم [illegible] سے مشرف ہوئے۔ ۱۰۶۸ھ میں آپ بادشاہ کے [illegible] خواجہ محمد سعید کے ہمراہ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے اور مقامات مقدسہ کی زیارت کے بعد ۱۰۶۹ھ میں ہندوستان واپس تشریف لائے۔

روضۃ القیومیہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد کی وفات کے بعد جہانگیر خواجہ معصوم کے پاس تعزیت کے لیے سرہند آیا۔ [illegible] سے خواجہ معصوم کو بڑا صدمہ ہوا [illegible] کی بیعت کرنے کے لیے [illegible] خواجہ معصوم نے شہزادہ اورنگزیب [illegible] سے [illegible] اس کو بطور بادشاہت کی بشارت دی۔ جب شاہجہاں تخت سلطنت پر بیٹھا تو اس نے بیعت سے [illegible] خواجہ معصوم کی [illegible] کیے۔ خواجہ معصوم کی ہدایت پر شاہجہاں نے اسلامی احکام کا نفاذ کیا اور اس نے مساجد تعمیر کرائیں۔"

روضۃ القیومیہ کے بیان کے مطابق خواجہ معصوم نے ۱۰۳۸ھ [illegible] میں [illegible] کی بیعت [illegible] شاہجہاں نے [illegible] میں سرہند میں [illegible] اور [illegible] تعمیر کرائے وہ اکثر سرہند جاتا [illegible] قیام کرتا تھا۔"

اورنگزیب سے متعلق روضۃ القیومیہ میں درج ہے کہ وہ خواجہ معصوم کا مرید ہو گیا تھا۔ خواجہ معصوم نے اس کو بتا دیا تھا کہ [illegible] نے اس کو ہندوستان کی سلطنت عطا کی۔ اورنگزیب کی [illegible] [illegible] بھی خواجہ صاحب کے ذریعہ اس [illegible] سے منسوب ہوئی۔"

اورنگزیب کی درخواست پر خواجہ معصوم نے اپنے بھائی محمد سعید کو ۱۰۶۸ھ [illegible] میں [illegible] بادشاہ کی روحانی تربیت کریں لیکن وہ [illegible] ہونے کے بعد سرہند واپس چلے گئے [illegible] وفات پائی تو خواجہ معصوم نے اپنے [illegible] سیف الدین کو بادشاہ کے پاس [illegible] بھیجا۔"

اورنگزیب بھی سرہند میں حاضر ہوا۔ [illegible] خواجہ معصوم کی [illegible]

[illegible] کی دعا کے لیے درخواست کی۔ [illegible] اسی [illegible] سے حضرت سلطنت بعد میں خواجہ معصوم کی [illegible]؟

خواجہ معصوم سے متعلق فرزندان الاطفال کا مصنف لکھتا ہے:

"مرید و خلیفہ [illegible] و فرزند شیخ [illegible] [illegible] است کہ [illegible] و [illegible] بادشاہ دین پناہ عالمگیر [illegible] [illegible] تعظیم خصوص گشتہ بود۔"

فرزندان الاصفیا کا مصنف لکھتا ہے:

"اورنگزیب [illegible] حضرت شیخ [illegible] قبول فرمود۔۔۔ [illegible] حضرت معصوم سرہندی [illegible] سرہند [illegible] حضرت معصوم [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ظاہر شد [illegible] [illegible] است۔ [illegible] [illegible] [illegible] تو [illegible]۔"

شیخ معصوم نے ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ [illegible] میں [illegible] وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ اورنگزیب سے تعلق [illegible] [illegible]

اس سے ۱۰۸۰ھ برآمد ہوتا ہے۔[۲۹] میر ممتاز حسین ثاقب سرہندی نے درج ذیل قطعہ تاریخ لکھا جس کے دوسرے مصرعے سے سال وفات برآمد ہوتا ہے:

خواجہ کار مخفی ز دل ام الکتاب　　تو بہار ناشد بہ گلزار ارم[۳۰]

ناصر علی سرہندی بھی آپ کے مریدین میں تھے انھوں نے بھی قطعہ تاریخ لکھا:

چراغ خاندان شرع اسلام　　فروغ دین احمد خواجہ معصوم

بسوی گلشن جنت قدم زد　　ازین دیر فنا با صد کمین بوم

دلم از لفظ از سال وصالش　　ندا آمد ز عالم رفت معصوم

خواجہ معصوم کے بھتیجے شیخ عبدالاحد وحدت نے ایک مرثیہ لکھا جس کے آخری مصرعے سے سال وفات برآمد ہوتا ہے:

تاریخ وصال او خرد گفت　　رفتہ ز جہاں امام معصوم

شیخ معصوم کے چھ صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں تھیں:

محمد صبغۃ اللہ، خواجہ محمد نقشبند حجۃ اللہ، خواجہ محمد عبید اللہ، مروج الشریعہ محمد اشرف، شیخ سیف الدین، شیخ محمد صدیق[۳۱]

آپ کے مریدین کا کثیر حصہ ہندوستان کے علاوہ ایران، توران، بدخشاں، ترکستان کا تھا [illegible] خزینۃ الاصفیاء کے مطابق مریدین کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی اور جب آپ حرمین شریفین کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے تو عرب و عجم کے بے شمار لوگ حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔[۳۲] بہت سے امرائے شاہی بھی آپ کے حلقے میں شامل تھے۔ نواب [illegible] خاں جو لاہور کا گورنر تھا، آپ کا [illegible] تھا، ترک دنیا کر کے سرہند میں آ کر مقیم ہو گیا تھا۔ ناصر علی سرہندی، میر ممتاز حسین ثاقب بھی شیخ معصوم کے مرید تھے۔ ناصر علی نے خواجہ معصوم کی مدح میں بہت سے اشعار لکھے، چند شعر درج ذیل ہیں:

چراغ ہفت محفل خواجہ معصوم

[illegible]

رہ [illegible] شرع [illegible]

[illegible]

زہے عزت کہ رب العرش داد

[illegible]

علی را ادب زین حرف بس کن

[illegible]

جہان در سایہ احسان او باد

فلک [illegible]

شہزادی روشن آرا نے آپ کی تعریف میں قصیدہ تحریر کیا تو ناصر علی نے [illegible]

جس قصیدہ کو لکھا جس کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

[illegible]

[illegible]

ناصر علی [illegible] غزل میں کہتے ہیں:

[illegible]

[illegible]

تصانیف

والد محترم کی طرح آپ نے بھی مکتوبات یادگار چھوڑے [illegible] تین جلدوں میں [illegible] کے صاحبزادے خواجہ عبید اللہ نے [illegible]

کلام [illegible] کمالات [illegible]

اس سے ۱۰۹۰ھ برآمد ہوتا ہے۔[۲۹] میر مظفر حسین ثاقب سرہندی نے وہ قطعۂ تاریخ لکھا جس کے دوسرے مصرعے سے سال وفات برآمد ہوتا ہے:

خواند تاریخ گل زدل ام الکتاب	نوبہار لالہ شد بہ گلزار ارم[۳۰]

ناصر علی سرہندی بھی آپ کے مریدین میں تھے انھوں نے بھی قطعۂ تاریخ لکھا:

چراغ خاندان شرع اسلام	فروغ دین احمد خواجہ معصوم
بسوی گلشن جنت قدم زد	ازین ویرانہ آباد گلشن بوم
ولم از گفتم از سال وصالش	ندا آمد ز عالم رفت معصوم

خواجہ معصوم کے بھتیجے شیخ عبدالاحد وحدت نے ایک مرثیہ لکھا جس کے آخری مصرعے سے سال وفات برآمد ہوتا ہے:

تاریخ وصال او خرد گفت	رفت ز جہاں امام معصوم

شیخ معصوم کے چھ صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں تھیں:

محمد صبغۃ اللہ، خواجہ محمد نقشبند حجۃ اللہ، خواجہ محمد عبید اللہ، مروج الشریعہ محمد اشرف، شیخ سیف الدین، شیخ محمد صدیق۔[۳۱]

آپ کے مریدین کی کثیر تعداد ہندوستان کے علاوہ ایران، توران، بدخشاں، ترکستان، کاشغر، روم، شام اور عرب تک پھیلی ہوئی تھی۔[۳۲] خزینۃ الاصفیا کے مطابق مریدین کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی اور جب آپ حرمین شریفین کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے تو عرب و عجم کے بے شمار لوگ حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔[۳۳] بہت سے امرائے شاہی بھی آپ کے حلقے میں شامل تھے۔ نواب مکرم خاں جو لاہور کا گورنر تھا آپ کا ارادت مند تھا وہ ترک دنیا کرکے سرہند میں آ کر مقیم ہو گیا تھا۔ ناصر علی سرہندی، میر مظفر حسین ثاقب بھی شیخ معصوم کے مرید تھے۔ ناصر علی نے خواجہ معصوم کی مدح میں بہت سے اشعار لکھے۔ چند اشعار درج ذیل ہیں:

www.mujaddidway.com

چراغ ہفت محفل خواجہ معصوم

منور از فروغش ہند تا روم

ردای ماہتابی طرح بر دوشش

چو صبح از پاکی دامن تصب پوشش

زہے عزت کہ رب العرش دادہ

کہ بر سر تاج قربیتش نہادہ

علی را اوب زین حرف بس کن

دعا را با اجابت ہم نفس کن

جہان در سایہ احسان او باد

فلک قائم بہ فرمان او باد[۳۴]

شہزادی روشن آرا نے آپ کی قبر پر گنبد تعمیر کرایا تو ناصر علی نے اس کی مدح میں قصیدہ لکھا جس کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

ای زمین مولد قدسی نسب و ہفت بہا

رفت بام تو از عالم ایجاد رسا

ناصر علی ایک اور غزل میں کہتے ہیں:

در فیض باز است منکمین از کشایشش تا امید اینجا

برنگ دانہ از ہر قفل می روید کلید اینجا[۳۵]

تصانیف

والد محترم کی طرح آپ نے بھی مکتوبات یادگار چھوڑے۔ مجموعۂ مکتوبات تین جلدوں میں ہے۔ پہلی جلد میں ۲۴۹ مکتوبات ہیں۔ اس جلد کو آپ کے صاحبزادے خواجہ عبید اللہ نے ۱۰۷۳ھ/۱۶۶۲-۶۳ء میں ترتیب دیا اور اس کا نام وسیلۃ القبول الی اللہ والرسول یا درۃ التاج جاوید و بہجۃ کمالات ہو سکتا ہے۔[۳۶] دوسری جلد میں ۱۰۰ مکتوبات ہیں جو

حضرت خواجہ معصوم پر تحریر کی ہے۔[۲۴] میر محمد حسین خاقانی سرہندی نے دو [illegible]
تاریخ لکھی جس کے دو مصرعوں سے حضرت کے سالِ وفات برآمد ہوتے ہیں:

خواندہ تاریخ [illegible] | زبدۂ عارفان [illegible]

[illegible] آپ کے [illegible] نے [illegible] قطعہ تاریخ کہا:

چون [illegible] شریعت اسلام | فردوس [illegible] خواجہ معصوم
[illegible] | [illegible]
[illegible] سال [illegible] | [illegible] معصوم

خواجہ معصوم کے بھتیجے شیخ عبدالاحد وحدت نے ایک مرثیہ لکھا جس کے آخری مصرعہ سے
حضرت کے سالِ وفات برآمد ہوتے ہیں:

تاریخ وصال او خرد گفت | رفت از جہان امام معصوم

شیخ معصوم کے چھ صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں تھیں۔
صاحبزادگان: خواجہ محمد [illegible]، خواجہ محمد عبید اللہ، [illegible]، خواجہ محمد اشرف،
شیخ سیف الدین، شیخ محمد صدیق۔[۲۵]

آپ کے مریدوں [illegible] کے علاوہ [illegible]
[illegible] تک پھیلی ہوئی تھی۔[۲۶] [illegible] کے مطابق [illegible]
[illegible] آپ [illegible] کی زیارت کے لیے تشریف لے
گئے [illegible] حالات [illegible]۔[۲۷] بہت سے [illegible]
[illegible]
[illegible] خواجہ معصوم [illegible]
[illegible]

چراغِ ہفت اقلیم خواجہ معصوم
[illegible]
[illegible] شرع [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] نے آپ کی قبر پر [illegible] تو [illegible]
[illegible] ایک شعر [illegible]:

[illegible]
[illegible]

[illegible] غزل [illegible]:

[illegible]
[illegible]

تصانیف [illegible] مکتوبات [illegible]
[illegible] خواجہ عبید اللہ نے [illegible]
[illegible]

www.mujaddidway.com

حضرت حجۃ اللہ نے ۱۰۸۲ھ/۷۲-۱۶۷۱ء میں ترتیب دیا اور یہ مجموعہ وسیلۃ السعادت کے نام سے موسوم ہوا۔[۳۸] تیسری جلد میر شرف الدین حسین نے شیخ سیف الدین کے نام سے ۱۰۸۳ھ/۷۳-۱۶۷۲ء میں ترتیب دی۔ اس میں ۲۵۴ مکتوبات ہیں اور "مکاتبات قطب زمن" اس کا تاریخی نام ہے۔[۳۹]

یہ مکتوبات صوفیانہ موضوعات کے علاوہ نقشبندیہ سلسلہ کے متعلق لکھے گئے ہیں اور مخاطب حضرات میں امرائے شاہی، خلفاء و مریدین کے علاوہ بادشاہ وقت اورنگ زیب بھی ہیں۔ حضرت مجددؒ کے جہانگیر کی قید کے زمانہ میں خط و کتابت کا سلسلہ جاری تھا۔ حضرت مجددؒ کے مکتوبات کے جواب میں آپ نے جو خطوط تحریر فرمائے وہ بھی ان مکتوبات میں شامل ہیں۔ ایک مکتوب میں یوں رقمطراز ہیں:

"عریضہ داشت کمترین محمد معصوم ذرہ وار . . . احوال و دعا گویان این حدود غیر از الم فرقت و محنت ہجرت اندوہ دیگر واقع نیست۔ خیال وصل تو تا حال زندہ میدارد، وگرنہ با غم ہجران حیات یعنی چہ سرافراز نامہ ہای گرامیہ بمعارف اسرار سامیہ پی در پی میرسند۔"[۴۰]

آپ نے بھی امراء و خلفاء کے نام مکتوبات میں احیای سنت و ترویج شریعت پر زیادہ زور دیا۔ مولانا حسن علی کو ایک خط میں احیاء سنت و تحصیل علوم شریعت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

"چون زمان آخر الزمان است و در دین سستی پیدا گردیدہ است و سنت متروک گشتہ و بدعت شائع شدہ تحصیل علوم و نشر آن درین طور وقت تلافی از اہم مہام است و احیای سنت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ از اعظم مقاصد کمر ہمت در کسب علوم شرعیہ و نشر آن و احیای سنت مصطفوی چست بر بندند۔"[۴۱]

شیخ معصوم نے اگرچہ اورنگ زیب کی دعوت پر دہلی جا کر قیام نہیں کیا لیکن اورنگ زیب کے ساتھ سلسلہ خط و کتابت جاری تھا۔ جب بادشاہ قندھار کی مہم پر جا رہا تھا تو اس نے شیخ معصوم سے کامیابی کے لیے دعا کرنے کی درخواست کی۔ شیخ معصوم نے جواب میں اس مضمون کا خط لکھا:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم . . . . ابعد ذرہ و احقر بعرض میرساند خوشا وقت و حال آنانی کہ دریں امر خطیر و مہم عظیم کمر ہمت را در خدمت چست بربستہ اند و بہ نیت صالحہ این سفر صعب را کہ فی الحقیقت متمر خیرات و برکات است وسیلہ ترقی در درجات بشوق برگزیدہ اند۔ رسول خدا صلعم فرمودہ ان فی الجنۃ مأۃ درجۃ اعدہا اللہ للمجاہدین فی سبیل اللہ ما بین الدرجتین کما بین السماء والارض . . . . و شک نیست کہ این خدمت و مہم کہ بان توجہ دارند جہاد فی سبیل اللہ است۔"[۴۲]

شیخ معصوم کے بعض مکاتیب کافی طویل ہیں اور رسالوں کا درجہ رکھتے ہیں مثلاً مکتوب نمبر ۱۱، ۸ صفحات، مکتوب ۲۲۰، آٹھ صفحات، مکتوب نمبر ۷، پچیس صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ مکتوبات اس وقت کی فارسی نثر کا عمدہ نمونہ ہیں۔ زبان سادہ ہے اور مفہوم کو واضح کرنے کے لیے عربی فارسی کے مناسب اشعار نقل کیے ہیں۔

شیخ سیف الدین سرہندی

شیخ سیف الدین، شیخ معصومؒ کے پانچویں صاحبزادے تھے جو ۱۰۴۹ھ/۱۶۳۹ء میں سرہند میں پیدا ہوئے۔[۴۳] تمام علوم نقلیہ و عقلیہ کی تحصیل اپنے والد محترم سے کی اور کم سنی ہی میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ احیای سنت اور ترویج احکام شرعیہ کے لیے سرگرم رہے۔ اسی بنا پر آپ کو "محی السنۃ" کا خطاب ملا۔[۴۴] امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو کبھی ترک نہ کرتے تھے

جب اورنگ زیب تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا تو اس نے حضرت خواجہ معصوم سے درخواست کی کہ روحانی تربیت کے لیے شیخ محمد سعید کو دہلی بھیج دیں۔ خواجہ محمد سعید کچھ عرصہ دہلی میں رہے۔ ۱۰۷۰ھ میں بیماری کے باعث سرہند لوٹتے ہوئے راستے میں ان کا انتقال ہو گیا اس کے بعد ۱۰۷۱ھ میں شیخ سیف الدین شاہی دربار میں پہنچے جب آپ قلعہ میں پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ قلعہ کے دروازہ پر دو فیل سوار کے مجسمے بنے ہوئے ہیں جو بالکل حقیقی معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ سیف الدین نے فرمایا کہ میں قلعہ میں داخل نہیں ہوں گا کیونکہ اس راستہ سے رحمت کے فرشتے قلعہ میں نہیں آئیں گے۔ بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا گیا چنانچہ بادشاہ کے حکم سے ان کو فوراً مسمار کرا دیا گیا تب آپ قلعہ میں داخل ہوئے۔" مقامات معصومی میں ایک واقعہ درج ہے جس سے اورنگ زیب کی شیخ سیف الدین سے عقیدت و احترام کا اظہار ہوتا ہے۔

"روزی پادشاہ اسلام تکلیف بر سیر باغ کرد کہ در آں قلعہ واقع است بمجرد تشریف آوردن نظر آنحضرت بر ماہیہای طلا کہ چشمان الماس و یاقوت داشتند افتاد نشستن آنجا مقبول خاطر نشد تا آنہا را تمام برسانند خیر خواہان سرکار بعرض اقدس رسانیدند کہ از انہدام آنہا ضرر جلیل خطیر خواہد شد فرمودند: بجا طرح ابیات رفیع و در است۔"

شیخ سیف الدین ۲۰ سال کی عمر میں اورنگ زیب کے دربار میں آئے اس نوجوانی میں ان کا تمام علوم و فنون میں اس قدر کمال حاصل کر لینا کہ اورنگ زیب کی روحانی تربیت کر سکیں حیرت کا موجب ہے۔ خواجہ معصوم ایک مکتوب میں اورنگ زیب کو لکھتے ہیں:

"فرمان عالیشان کہ از کمال عنایت و مہربانی مرقوم قلم عنبریں رقم گشتہ بود خواجہ محمد شریف بخاری در اعز ازمنہ رسانید و فقرا کے لیے نوازش شرف عالیہ ہو منت . . . الحمد للہ والمنۃ کہ فقیر زادہ منظور نظر قبول گشتہ و از

صحبت بحصول انجامید، و از امر معروف و نہی منکر کہ شیوہ فقیر زادہ است اظہار تشکر و رضامندی فرمودہ است۔ شکر خداوندی جل شانہ بریں عطیہ بجا آوردہ"

آپ کی تعلیمات اور تربیت روحانی کے نتیجہ میں بادشاہ طریقہ مجددیہ میں داخل ہو گیا چنانچہ شیخ سیف الدین نے مکتوب ۴۳ میں خواجہ معصوم کو تحریر فرمایا:

"بادشاہ بہ دخول طریقہ علیہ مشرف گشتہ بسیار شاکر گشت، سر صحبت با حضرت ایشاں داشت۔ چوں شاہجہاں وفات یافت بہ بہت عزم متوجہ اکبر آباد گشتہ۔"

ان اقتباسات سے پتہ چلتا ہے کہ اورنگ زیب کو بزرگان سرہند سے کس قدر عقیدت تھی۔ خواجہ معصوم سے اورنگ زیب نے توجہ خاص بابدی کی درخواست کی تھی۔ چنانچہ خواجہ معصوم ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"کیفیت سعی باطن را در کتابت فقیر زادہ و چیلی نوشتہ است، بشکر عالی وارندہ باشد، و استعداد توجہ خاص بابدی ازیں تلک فرمودہ اند، ہر چند از راہ دعا گوئی قدیم ساعی و بالمقابل اکثر بدعا و توجہ آنحضرت مشغول بودہ۔"

جب دونوں شیخ سیف الدین قلعہ شاہی میں ارشاد و ہدایت میں مشغول تھے آپ کے تایازاد بھائی شیخ محمد سعید کے صاحبزادے شیخ عبد الاحد وحدت بھی دہلی میں تھے لیکن عوام کی توجہ شیخ سیف الدین کی طرف زیادہ تھی۔ خواجہ معصوم کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے لکھا:

"سبحان اللہ عبد الاحد با ایں خیر کی کلام موصوف است و سیف الدین با ایں تمکین و وقار معروف و مقبولیت با ایں منصب گشتہ۔"

آپ کا طرز زندگی شاہانہ تھا۔ نفیس لباس پہنتے تھے اور دستر خوان بھی نہایت وسیع تھا۔ کسی نے اس طرز زندگی پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا:

www.mujaddidway.com

[illegible]

[illegible]

شیخ سیف الدین کی وفات [illegible] جمادی الاول [illegible]

[illegible]

اولاد:- آپ کے [illegible]

۱۔ [illegible]

[illegible]

آپ کے [illegible]

[illegible]

شیخ سیف الدین [illegible]

تصانیف:- مکتوبات [illegible]

[illegible]

[illegible]

اورنگ زیب کے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مکتوب [illegible]

[illegible]

مکتوب [illegible]

[illegible]

مکتوب [illegible]

[illegible]

بادشاہ طریقۂ عالیہ میں داخل ہو گئے تھے اور شیخ کے صوفیانہ خیالات میں دلچسپی کا اظہار کرتے تھے۔ شیخ نے اپنے بھائی محمد باقر کو ایک مکتوب میں تحریر کیا:

"بادشاہ دین پناہ اظہار اخلاص میکنند چنانچہ سہ قورمہ عطر اظہار محبت بجناب بدیہ فرستادہ اند ... سبحان اللہ کہ معاملہ باطنی ایشاں در ترقی است معاملہ فنا را خوب می فہمند ... و دریں سفر آثار صدق طلب در ایشاں متجلی است۔"

شہزادہ سلطان محمد اعظم بھی بادشاہ کی ترغیب سے شیخ سیف الدین کا مرید ہو گیا تھا

"شاہزادہ سلطان محمد اعظم بترغیب و دلالت پادشاہ بہ قبول طریقۂ علیہ مشرف گشتہ و اخلاص و عنایت بحد است از ذکر لطائف و ذکر سلطانی و معنی در قلب نشان میدہد۔ بادشاہ الحمد للہ ازیں معنی خوشحال میشوند و از احوال شاہزادہ خبر گیران است۔ بالجملہ ترویج طریقۂ علیہ است کہ موافق خواہش مخلصان بظہور آید۔"

شاہزادہ اس قدر معتقد ہو گیا تھا کہ ایک مرتبہ شاہزادہ محمد اعظم نے آپ کی دعوت کی۔ آپ کے ہاتھ دھلانے کے لیے شاہزادہ خود آفتابہ لے کر آپ کے پاس آیا۔ اس دعوت میں آپ کے بڑے بھائی خواجہ محمد اشرف بھی تھے۔ آپ نے شاہزادے سے آفتابہ لیا اور اپنے بھائی کے ہاتھ خود دھلائے اور پھر آفتابہ شاہزادہ کو دیا اور اس نے آپ کے ہاتھ دھلائے۔

ان خطوط کے اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ اور شیخ سیف الدین کے نزدیکی تعلقات تھے۔ بادشاہ کو ان سے بڑی عقیدت تھی اور وہ ان کے مکان پر آتا تھا اور ان کے ساتھ کھانا کھاتا تھا۔

"برادر عزیز ارشاد پناہی میاں محمد باقر ... بادشاہ دین پناہ شب جمعہ

کہ شب سوم ایں ماہ باشد بمنزل فقرا آمدہ واز قسم طعام آنچہ حاضر بود تناول فرمودند۔ صحبت طولانی گشت و مجلس سکوت نیز در میان آمد معاملہ بقا را بہ شروع تمام میفرمایند کہ حدیکہ جگر وہ وسعت یقین خود را صفت علم یافتہ وحق در لطیفہ اخفی و مناسبت آں واز بطون صفات باطل ... ظاہر میسازند۔"

مجددیہ خاندان کے علم و فضل اور بہت زیادہ اثر و نفوذ کے باوجود معلوم ہوتا ہے ایک گروہ شیخ سیف الدین کی مخالفت اور دشمنی پر کمربستہ تھا۔ یہاں تک کہ اس کے دفعیہ کے لیے شیخ سیف الدین کو بادشاہ سے کہنا پڑا۔ ایک مکتوب میں بادشاہ کو لکھتے ہیں:

"التماس فقیر آنکہ امور یکہ فقیر ابلاغ آن مینماید حضرت ظل سبحانی اعتبار این معنی نمی کردہ باشند بس است در علم ایشاں باشد والا بما فقرا بی بضاعت ضرر عظیم مرتب خواہد شد۔ دیروز فقیر بہ نماز جمعہ رفتہ بود۔ جماعہ دہلی نواز آں آں ہجوم نمودہ جمیل بی حیائی نمودند ... از سر خود ساقط نمودیم۔ تو علاج فرمایند کہ از شرارت آں جماعہ مامون شویم۔ ہر وقت بیرون نمی رویم۔ از نوع ایذا با میرسانند یا چندی را ہمراہ نمایند یا بہ نوع دیگر تدارک فرمایند کہ چند ... از آنجا محبوس نمایند یا جلا وطن کنند۔"

یہ مکتوب سادہ مگر بہترین زبان اور دلکش انداز میں تحریر کیے گئے ہیں۔ سادہ مگر عمدہ نمونہ ہیں۔ بادشاہ کو جو خطوط تحریر کیے ہیں ان میں بھی القاب و آداب مختصر سادہ الفاظ میں ہیں۔ مکتوبات عام طور پر حمد و صلوٰۃ بر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شروع ہوتے ہیں۔ اس کے بعد نویسندہ خود کو متعارف کراتا ہے اور پھر مقصد تحریر اور نفس مضمون شروع ہوتا ہے۔

www.mujaddidway.com

شیخ بدرالدین ابراہیم سرہندی

آپ کی زندگی کے حالات کہیں مذکور نہیں ہیں۔ حضرات القدس میں مختلف جگہ پر آپ نے اپنا ذکر کیا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ سرہند میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم حاصل کی۔ آپ کے والد کا نام شیخ ابراہیم تھا۔ پندرہ سال کی عمر میں آپ حضرت مجددؒ سے وابستہ ہو گئے تھے

"ایں حقیر پانزدہ سالہ بودم کہ بشرف ارادت آنحضرت استسعاد یافتہ"

شیخ بدرالدین سترہ سال یعنی حضرت مجددؒ کی رحلت تک ان کے متعلق رہے۔ اس حساب سے پندرہ سال کی عمر میں حضرت کی صحبت میں آئے۔ لہٰذا ان کی ولادت ۱۰۰۴ھ/۱۵۹۵ء کے قریب ہوئی ہوگی۔ آپ نے دینی تعلیم حضرت مجدد اور ان کے صاحبزادے خواجہ محمد صادق سے حاصل کی۔ حضرات القدس میں لکھتے ہیں:

"ایں حقیر را در ایام جوانی اکثر اوقات از استیلای حال ذوق خواندن نمی شد [illegible] در حضرت مجدد [illegible] سبق [illegible] [illegible] است"

آپ عربی فارسی اور تاریخ کے عالم تھے۔ تصوف کے مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد آپ نے کمال حاصل کیا اور حضرت مجدد نے آپ کو خلافت عطا کی۔ آپ کو زہد و تقویٰ علم و فضل اس درجہ کو پہنچا کہ آپ کو ایک شب میں بار ہا مرتبہ حضور صلعم کی زیارت نصیب ہوئی۔

"در عین ولایت آنحضرت (حضرت مجدد) در ان شب جمال جہان آرای پیغمبر صلعم را دوازدہ بار بلکہ زیادہ بخواب دیدم۔ ہر بار بیدار می شدم و بخواب می رفتم و باز آنحضرت علیہ السلام را مشاہدہ می نمودم"

آپ نے شادی کی تھی لیکن اولاد نرینہ نہ تھی۔ ایک مرتبہ خواب میں حضور کی زیارت

ہوئی۔ آپ نے اولاد نرینہ کی بشارت دی۔ چنانچہ اسی سال بعد فرزند کی ولادت ہوئی جس کا نام محمد عارف رکھا اور اس کے بعد چھ لڑکے اور تولد ہوئے۔

حضرت مجددؒ آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے اور خاندان کا ایک فرد شمار کرتے تھے۔ [illegible] فرمانی در اہل و عیال [illegible]

نیز حضرت مجددؒ نے آپ کو لوگوں کو مرید کرنے کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا:

"ترا اجازت مطلق است کہ تو در اہل و عیال مائی"

آپ کی تاریخ وفات بھی کسی ذریعے سے معلوم نہیں ہو سکی لیکن آپ ۱۰۵۰ھ تک زندہ تھے کیونکہ اسی سال شیخ آدم بنوری کی وفات کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ صوفی ہونے کے علاوہ بدرالدین ابراہیم شعر بھی کہتے تھے۔ حضرات القدس میں جا بجا اپنے اشعار دیئے ہیں۔ حضرت مجددؒ کی مدح میں چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

آرستہ زین گلی رحمت مولائی

ہنگام نثار [illegible] حسن [illegible]

بعد از ہزار زانجام [illegible]

در روئی حساب [illegible]

وصف [illegible] حاصل [illegible]

[illegible]

آپ نے حضرت مجددؒ کے شجرہ مبارک کو منظوم کیا۔ حضرت مجددؒ کی وفات پر کئی رباعیاں کہیں جن سے سن وفات برآمد ہوتا ہے

او سرور ملک [illegible] شہود — عالی [illegible] سر [illegible] جود

شاہ اورنگ [illegible] — [illegible]

مندرجہ بالا [illegible] کے ہر مصرع کے پہلے حرف کے [illegible] کے حساب سے [illegible]

نکال کر جمع کر لے تو یہ حضرت مجدد کا سال وفات (۱۰۳۴ھ) برآمد ہوتا ہے۔

تصانیف: شیخ بدر الدین ابراہیم کو عربی و فارسی دونوں زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ حضرات القدس سے آپ کی کئی تصانیف و تراجم کا پتہ چلتا ہے۔

۱۔ سیر احمدی: یہ حضرت مجدد کی سوانح عمری ہے جو مصنف نے ان کی حیات میں لکھی۔ اس کا مسودہ حضرت مجدد نے دیکھا [illegible] یہ مسودہ ضائع ہو گیا۔"

۲۔ کرامات الاولیاء: یہ حضرت مجدد کے انتقال کے بعد کی تصنیف ہے [illegible] صوفیائے [illegible] کی کرامات کی حکایت کی گئی ہے۔"

۳۔ روائح: اس کتاب میں مصنف نے [illegible] حضرت مجدد [illegible] اور اشغال جمع کیے ہیں۔"

۴۔ حضرات القدس: حضرت آدم کے زمانے سے [illegible] تک [illegible] کی مختصر سوانح عمری [illegible] کے نام سے ترتیب دی تھی جس میں [illegible] سال وفات بھی دیے گئے تھے۔"

۵۔ جمع الاولیاء: [illegible] صوفیا کی سوانح عمری [illegible] مصنف نے بعد میں اسے غیر ضروری قرار دے دیا چنانچہ لکھتے ہیں:

"[illegible] ایں کتاب [illegible] رسائل [illegible]"

شیخ بدر الدین نے درج ذیل کتابوں کا [illegible] ترجمہ کیا۔

۶۔ فتوح الغیب از شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

۷۔ مقامات [illegible]

۸۔ [illegible]

۹۔ عوارف [illegible]

[illegible]

حضرات القدس

یہ شیخ بدر الدین کی اہم تصنیف ہے [illegible] حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حالات سے شروع [illegible]

[illegible]

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حضرات القدس [illegible]

[illegible]

دفتر ثانی کہ مشتمل بر ذکر مقامات و کرامات و درجات و کمالات حضرت پیر دستگیر قدس اللہ سرہ العزیز باعث تصنیف این کتاب بیان مناقب آنحضرت است بینا یم...۵

مصنف کا بیان ہے کہ اس نے واقعات کو دیانتداری کے ساتھ درج کیا ہے اس لیے اس کے مستند ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔

''این دفتر بحکم خدا . . . . بروایات ثقات وصلحا عالی درجات اخذ کردہ جزوی کہ ریب وشبہ دراں استناد راہ نداشت جمع نمودہ است و دریں باب احتیاط بسیار بکار بردہ''۶

شیخ بدرالدین نے ۱۰۳۹ھ/ ۳۰ - ۱۶۲۹ء میں یہ کتاب لکھنی شروع کی لیکن درمیان میں مسلسل دوسرے کاموں میں مصروف ہو جانے کی وجہ سے اس کا التوا میں رکھنا پڑا۔ ایک مرتبہ سرہند کے سابق گورنر نے ملاقات کرکے ایک اور کتاب 'مجمع الاولیاء' لکھنے کی فرمائش کی۔ دوبارہ جب انھوں نے اس کو لکھنا شروع کیا تو دارا شکوہ نے کچھ کتابوں کا عربی سے فارسی میں ترجمہ کرنے کو کہا۔'' بہرحال کتاب مذکور ۱۰۵۳ھ/۱۶۴۳ء میں مکمل ہوئی۔۷

نقشبندیہ مجددیہ سلسلے کے بزرگوں کے حالات اور تعلیمات سے کے لیے حضرات القدس مستند اور قدیم ترین ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں حضرت مجددؒ کی بعض تحریروں پر اعتراضات کے بھی تسلی بخش جواب دیے ہیں۔ زبدۃ المقامات و برکات الاحمدیہ الباقیہ کے بعد حضرات القدس دوسری مستند اور معاصرانہ سوانح عمری ہے۔ مصنف نے بعض ایسے تاریخی واقعات تفصیل سے بیان کیے ہیں جن کا ذکر تاریخ کی دوسری کتابوں میں نہیں ملتا۔ مثلاً حضرت مجددؒ کی جہانگیر کے دربار میں تعظیمی سجدہ کا مطالبہ، مجددؒ کا انکار اور نتیجہ میں گوالیار میں قید کے واقعات۔ دوسرے کچھ واقعات بھی اہم ہیں جیسے

مختلف امرای شاہی، خانخاناں، نواب مرتضیٰ خاں، بلکہ ماہیت شہزادہ خرم کی پیچیدگی کو حل کرنے کے لیے حضرت مجددؒ سے روحانی توجہ کی درخواست وغیرہ۔

نواب مرتضیٰ خاں فرید بخاری نے کانگڑہ کی مہم پر جاتے وقت آپ سے کامیابی کی دعا کے لیے کہا تھا۔ اس کا ذکر اس کتاب میں اس طرح موجود ہے:

''مرحومی نواب مرتضیٰ خاں کہ اعتماد سلطنۃ وسلطان و حاتم وقت خود بود بجہت مہم قلعہ کانگڑہ . . . تعین شدہ. نیازنامہ نوشت کہ توجہ فرمایند کہ این حصن حصین بر دست من مفتوح گردد حضرت فرمودند کہ . . . معلوم گشت کہ آن قلعہ از دست مرتضیٰ خان مفتوح نخواہد شد چند سال گذشتہ بود کہ خبر وفات آں سید مرحوم رسید۔''۸

کہا جاتا ہے کہ کانگڑہ کا قلعہ حضرت مجددؒ کی دعا سے ایک اور میر بخشی کے ہاتھوں فتح ہوا۔۹

محمد شاکر سرہندی

محمد شاکر، مولانا بدرالدین ابراہیم مصنف حضرات القدس کے صاحبزادے اور قیوم ثانی شیخ محمد معصومؒ کے خلیفہ تھے۔ عربی فارسی کے عالم تھے اور روحانیت میں درجہ کمال حاصل تھا۔ آپ نے حسنات الحرمین کا عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا۔

حسنات الحرمین معروف بہ ''برکات الحرمین'' ایک مختصر رسالہ ہے۔ یہ ان واقعات اور حالات پر مشتمل ہے جو شیخ معصومؒ کی زیارت مقامات مقدسہ کے دوران حرمین شریفین میں پیش آئے۔ خواجہ معصوم کے صاحبزادے خواجہ محمد عبید اللہ نے یہ رسالہ عربی میں لکھا تھا جس کو محمد شاکر نے فارسی میں ترجمہ کیا۔ کتاب کے ابتدائیے کے شروع میں یہ عبارت تحریر ہے:

''رسالہ حسنات الحرمین المشتہر بہ برکات الحرمین العارف باللہ خواجہ

www.mujaddidiway.com

محمد عبید اللہ الملقب بہ مروج الشریعت (از تذکرہ) حضرت معصوم و ترجمہ او
بطلب از جانثاران و ظاہر ہوا کہ شیخ محمد شاکر خلیفہ حضرت خواجہ معصوم
و فرزند شیخ بدرالدین سرہندی"

کتاب کے مقدمہ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ ۱۱۰۱ھ/۱۶۹۰ء
میں عمل ہوا۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم... کمترین... محمد شاکر ابن شیخ بدرالدین احمد
سرہندی میگوید کہ از اسرار کاشفہ حضرت صاحب عالیہ خواجہ معصوم و خواجہ
عبید اللہ... بر زبان عربی جمع نمود... بعضی از یاران خلص مشدند اگر
این معارف کاشفہ بزبان فارسی مشروح شوند فائدہ تام و مائدہ عام
گشتہ، بنا بر آن محمد و مع... و این خاکسار... را ترجمہ آن امر کردند،
امروز کہ سنہ ہجری ہزار و یکصد و یک است شاید آن معارف از فر کاہ
برآورد و در فضائے حریم فارسی جبراً از تکلفات رنگی بر ارباب اسرار بار
عام بخشیم۔"

یہ رسالہ تین فصل اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل خواجہ معصوم کے حرمین
شریفین سے متعلق مکاشفات کے بارے میں ہے۔ اس میں سات یواقیت ہیں۔ دوسری
فصل میں مکہ معظمہ میں پیش آنے والے واقعات ہیں اور یہ بیس یواقیت پر مشتمل ہے۔ تیسری
فصل مدینہ منورہ کے مکاشفات سے متعلق چھبیس یواقیت پر ہے۔ خاتمہ چار ابواب
پر مشتمل ہے۔"

ترجمہ سادہ اور رواں فارسی میں ہے جو ہر قسم کے مرصع و مسجع طرز تحریر سے
پاک ہے اور ترجمے کے بجائے اس پر اصل تصنیف کا گمان ہوتا ہے۔ نیز اس ترجمے سے
معلوم ہوتا ہے کہ مترجم کو عربی فارسی دونوں زبانوں پر عبور حاصل تھا۔

شیخ صفر احمد سرہندی

شیخ صفر احمد مخدوم عبدالاحد والد محترم حضرت مجدد کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کا شجرہ
نسب اس طرح ہے:

شیخ صفر احمد بن فضل اللہ بن عبدالقادر بن محمد یحییٰ بن عبدالرزاق بن محمد بن عبدالاحد۔

شیخ صفر احمد کے والد فضل اللہ حضرت مجدد کی صاحبزادی کے بطن سے تھے اور والدہ
بی بی صفیہ شیخ معصوم کی صاحبزادی تھیں۔ شیخ صفر احمد اپنے نانا شیخ معصوم کی وفات
(۱۰۷۹ھ) کے آٹھ سال بعد پیدا ہوئے لہٰذا ان کی پیدائش ۱۰۸۷ھ کے سال میں سمجھی
جا سکتی ہے۔ وہ خود تحریر فرماتے ہیں:

"ولادت این راقم الحروف... بعد از ہشت سال از وصال حضرت ایشان
رضی اللہ عنہ در شیخ معصوم الآفاق یافتہ است۔"

آپ نے ابتدائی تعلیم ... سرہندی حاصل کی اور اپنے ماموں شیخ صبغۃ اللہ کے ہاتھ
پر ... روحانی مدارج طے کیے۔ اس کے بعد وہ ... دنیاوی امور میں ...
رہے۔ مقامات معصومی کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

"... بندہ و دور از کار... صفر احمد... چون سرمایہ عمر گرامی
را... اشرف... ضائع کرد و در جواہر... صرف نمودہ و بار... ریاضت...
اہل فضل و عرفان ... تقصیرات ... نظر فرمودہ۔"

آپ کے دو صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ آپ کی زندگی کے تفصیلی حالات
کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ اہم تصنیفات: مقامات معصومی اور معدن الجواہر ہیں۔

مقامات معصومی

مقامات معصومی شیخ معصوم اور ان کے صاحبزادوں اور خلفا کے حالات پر مشتمل ...

[illegible]

[illegible]

www.mujaddidway.com

ہے۔ شیخ صفر احمد نے [illegible] مطابق [illegible] ناصر الدین محمد شاہ
کے پہلے سال جلوس میں یہ کتاب لکھنی شروع کی۔ مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:
"بندہ صفر احمد معصومی ابن فضل احمد [illegible] ۔ ۔ ۔ ۔ ہر چند کہ طویل عمر
[illegible] ۔ ۔ ۔ [illegible]
[illegible] حضرت [illegible]
[illegible]"
مقامات معصومی [illegible] ہر رکن کی تفصیل [illegible] ہے۔
رکن اول: حضرت مجدد الف ثانی کی نسبت کے بیان میں
رکن دوم: [illegible] کے بارے میں
[illegible] خواجہ محمد معصوم کی ولادت [illegible] کے بارے میں
ہے۔ [illegible] خواجہ محمد معصوم [illegible] کا بیان ہے۔ [illegible]
آپ کے [illegible] خواجہ محمد معصوم کے انتقال کا
بیان ہے۔ [illegible]
[illegible] خواجہ محمد معصوم کے صاحبزادگان [illegible] تفصیل
[illegible]
[illegible]
[illegible] ہے۔
مصنف نے [illegible] تفصیل
دی ہے [illegible]
"[illegible]
[illegible]"

[illegible]
"[illegible] حضرت [illegible]
[illegible] ۔ ۔ ۔ ۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]"
اس کتاب کے مطالعہ سے حضرت مجدد [illegible]
ہے [illegible]
حضرت مجدد الف ثانی کی ولادت [illegible]
حضرت مجدد [illegible]
[illegible] حضرت مجدد [illegible]
[illegible] حضرت مجدد الف ثانی کی ولادت [illegible]"
اس [illegible] حضرت مجدد [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] حضرت مجدد [illegible]
[illegible]
[illegible] حضرت مجدد [illegible]
انتقال ہو گیا۔
مصنف کی دوسری تصنیف [illegible]
[illegible] حضرت مجدد الف ثانی کی زندگی کے حالات تحریر کیے ہیں [illegible]
[illegible] حضرت مجدد الف ثانی [illegible]

www.mujaddidway.com

آنحضرت رسالہ علیحدہ نمودہ مسمیٰ بمعدن الجواہر گردانیدہ۔"

شیخ صفر احمد اپنی ایک اور تصنیف کا بھی ذکر کرتے ہیں:

کتاب "مستلذ اولی الالباب" کہ از مصنفات این فقیر کثیر التقصیر است"

لیکن مذکورہ بالا دونوں کتابوں کا کہیں کوئی نسخہ نہیں ملتا۔

شیخ صبغۃ اللہ

خواجہ معصوم کے صاحبزادے شیخ صبغۃ اللہ ۱۱ ربیع الثانی ۱۰۳۳ھ کو سرہند میں پیدا ہوئے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد خواجہ معصوم نے آپ کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے کابل بھیج دیا، جہاں آپ وہاں کے عوام کی ایک طویل عرصے تک روحانی رہنمائی کرتے رہے۔ آپ کی وفات مدینہ منورہ میں ۱۱۲۰ھ/۱۷۰۸ء میں ہوئی اور سرہند میں سپرد خاک ہوئے۔

شیخ محمد نقشبند

خواجہ معصوم کے دوسرے صاحبزادے شیخ محمد نقشبند ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۵ء میں سرہند میں پیدا ہوئے۔ والد محترم سے تحصیل علوم کے بعد ارشاد و ہدایت کی ذمہ داری سنبھالی۔ آپ کو قیوم ثالث بھی کہا جاتا ہے۔ قیوم اول حضرت مجدد اور قیوم ثانی خواجہ معصوم تھے۔ آپ نے بھی مکاتیب کو ارشاد و ہدایت اور اصلاح عقائد کا وسیلہ بنایا۔ آپ کے مکاتیب کے ایک نامکمل مخطوطے کے کچھ حصے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے پاکستان میں شائع کیے ہیں۔ اس مخطوطے کے ایک مکتوب سے اورنگ زیب اور شیخ محمد نقشبند کے تعلقات کا پتہ چلتا ہے۔

"روزے فقیر بہ قصد زیارت حرمین الشریفین از وطن برآمدہ بود و در

راہ فرمان پادشاہ دین پناہ بہ دستخط خاص مشتمل بر کمال اشتیاق بخدمت رسید۔ بموجب حکم مہربانیہائے آن حضرت نمودہ بخدمت ایشاں رسانید عنایات بے غایات فرمودند و در ہمین موسم رخصت نمودند و بادشاہ زادہ محمد کام بخش را در ہمین موسم طلبیدہ بہ این فقیر سپردند کہ من ہم در صحبت بزرگان ایشاں این طریقہ علیا مستحب یافتہ ام شما ہم از ایشاں استفادہ نمائید و بخدمت ایشاں مشغول شوید حسب الامر فقیر بادشاہ زادہ را مشغول ساخت محظوظ گشتند روزی دیگر بحکم بادشاہ دین پناہ بہ فقیر خانہ نیز رسیدند و خود عالمگیر ہم چند نوبت مکرر آمد و رفت نمودند۔"

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب اورنگ زیب نے گولکنڈہ کا محاصرہ کر رکھا تھا یا اسے ابھی فتح کیا تھا۔ اس خط سے خواجہ محمد نقشبند سے بادشاہ کے ارادت و ربط ضبط کا پتہ چلتا ہے۔ مآثر عالمگیری میں تحریر ہے کہ ان کے بیٹے شیخ محمد عمر کی شادی تاناشاہ والیٔ گولکنڈہ کی بیٹی سے ہوئی۔

خواجہ محمد عبید اللہ

خواجہ معصوم کے تیسرے صاحبزادے خواجہ محمد عبید اللہ ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۵ء میں سرہند میں پیدا ہوئے۔ آپ کے حافظے کا یہ عالم تھا کہ ایک ماہ کی قلیل مدت میں پورا قرآن شریف حفظ کر لیا۔ جید عالم اور متقی و پرہیزگار تھے اور سرہند کی مسند درس و تدریس اور ارشاد و ہدایت فرماتے تھے۔ آپ کے درس میں طلبہ کی اس قدر کثیر تعداد ہوتی تھی کہ بیٹھنے کو جگہ نہ ملتی تھی۔ آپ کو مروج الشریعت کا لقب ملا۔ اور ربیع الاول ۱۰۸۳ھ/۱۶۷۲ء کو سرہند میں وفات پائی۔

خواجہ محمد اشرف: آپ خواجہ معصوم کے چوتھے صاحبزادے تھے اور

۱۰۳۰ھ/۲۱-۱۶۲۰ء میں متولد ہوئے۔ عربی و فارسی کے عالم تھے۔ آپ نے تفسیر و حدیث کی کئی کتابوں پر حواشی تحریر کیے۔ ۱۱۱۸ھ/۷-۱۷۰۶ء میں سرہند میں انتقال ہوا۔

شیخ محمد صدیق

خواجہ معصوم کے چھوٹے بیٹے شیخ محمد صدیق ۱۰۵۹ھ/۵۰-۱۶۴۹ء میں سرہند میں پیدا ہوئے۔ ۱۰ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے تھے۔ آپ نے والد اور دادا کے مسلک کو جاری رکھا۔ بادشاہ فرخ سیر کو آپ سے عقیدت تھی۔ آپ کے مریدوں میں شیخ سعد اللہ، حافظ، سید آیت اللہ بریلوی وغیرہ شامل ہیں۔

شیخ یوسف سرہندی

شیخ ضیاء الدین یوسف پسر شاہ محمد یحیٰی اپنے زمانے کے بڑے صوفیا میں شمار ہوتے تھے۔ ۱۰۶۰ھ/۵۰-۱۶۴۹ء میں سرہند میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ نے اپنے بھائی شیخ محمد نقشبند سے تعلیم حاصل کی اور ایک طویل عرصہ تک ان کے ساتھ رہے۔ آپ کے شاگردوں اور مریدوں کی کثیر تعداد تھی۔ ۱۱۴۲ھ/۳۰-۱۷۲۹ء میں آپ کی وفات ہوئی۔

شیخ محمد بادی

خواجہ محمد عبید اللہ کے بڑے صاحبزادے شیخ محمد بادی ۱۰۶۲ھ/۵۲-۱۶۵۱ء میں سرہند میں پیدا ہوئے۔ اپنے دادا خواجہ معصوم سے آپ نے تصوف و معرفت کی تعلیم حاصل کی۔ آپ اپنے والد اور چچا خواجہ محمد نقشبند کے مرید تھے۔ آپ عالم و فاضل اور یگانۂ روزگار تھے۔ ماہ ربیع الاول ۱۱۰۹ھ/۱۶۹۷ء میں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کے

چھ صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں۔ روضۃ القیومیہ کے مصنف شیخ کمال الدین محمد احسان آپ کے پوتے تھے۔ انھوں نے روضۃ القیومیہ میں آپ کی تین تصانیف کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ کواکب دریہ: یہ پانچ جلدوں میں حضرت مجدد الف ثانی کے صاحبزادگان کی سوانح ہے۔

۲۔ حجۃ الاحمدیہ: اس میں اپنے آباء و اجداد کے حالات بیان کیے ہیں۔

۳۔ نزہیہ: ان کے والد خواجہ عبید اللہ کی مفصل سوانح اور دوسرے صوفیا کے حالات ہیں۔

ابوالفیض کمال الدین محمد احسان

کمال الدین محمد احسان بن شیخ حسن احمد بن محمد بادی بن مروج الشریعت عبید اللہ بن خواجہ معصوم بن مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی سرہند میں پیدا ہوئے اور اپنے مرشد و استاد شیخ محمد زبیر کی صحبت میں رہے۔ بعد میں ان کو خلیفہ بنا کر دکن کی طرف بھیج دیا گیا جہاں سے وہ ۱۱۵۲ھ/۴۰-۱۷۳۹ء میں سرہند واپس آئے۔ ان کی واپسی کے فوراً بعد ان کے مرشد شیخ محمد زبیر کا انتقال ہوا۔ شیخ کمال الدین کی اولاد میں ایک لڑکا اور دو لڑکیاں تھیں۔ لڑکے محمد غلام مجدد کی ولادت ۱۱۶۶ھ/۵۳-۱۷۵۲ء میں ہوئی۔ آپ کی مشہور تصنیف روضۃ القیومیہ ہے جو مجددیہ خاندان کی سوانح حیات پر بہترین کتاب ہے۔ اس سے قبل زبدۃ المقامات اور حضرات القدس تصنیف ہو چکی تھی۔ روضۃ القیومیہ شیخ احمد فاروقی سرہندی اور ان کے تین خلفا اور قیوم ثانی، قیوم ثالث و قیوم رابع کی مبسوط سوانح عمری ہے۔ مصنف نے کتاب کی تاریخ تکمیل نہیں دی ہے لیکن اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ۱۱۵۲ھ میں شروع ہو چکی تھی لیکن کسی وجہ سے ۱۱۹۵ھ تک

مزید کام نہیں ہو سکا۔ کتاب کی آخری سطور میں وہ محمد شاہ (وفات ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء) کو حکمران بادشاہ تحریر کرتا ہے۔[۱۲۸] اس سے پتہ چلتا ہے کہ کتاب ۱۱۶۱ھ یا اس سے قبل مکمل ہوئی۔ مگر بعد کے واقعات مثلاً ۱۱۵۱ھ میں اپنے لڑکے محمد غلام مجدد کی پیدائش کا بھی ذکر کیا ہے۔

روضۃ القیومیہ چار رکن (باب) پر مشتمل ہے۔ ان رکن کو کثرت سے چھوٹے چھوٹے ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ رکن اول (باب اول) اس باب میں حضرت مجددؒ کا ذکر ہے۔ زیادہ توجہ کشف و کرامات پر دی گئی ہے۔ حضرت مجددؒ کی زندگی کے واقعات سال بہ سال کے حساب سے دیئے گئے ہیں اور یہ واقعتاً ایک اچھا اضافہ ہے کیونکہ دوسری سوانح عمریوں میں تمام واقعات کو خلط ملط کر دیا گیا ہے۔ حضرت مجددؒ کے حالات کے بعد صاحبزادگان خلفاء اور مریدین کا ذکر ہے۔

رکن دوم (باب دوم) اس میں شیخ معصوم قیوم ثانی ان کے خلفاء و مریدین کے تفصیلی حالات ہیں۔

رکن سوم (باب سوم) یہ باب قیوم ثالث حجۃ اللہ محمد نقشبند فرزند خواجہ معصوم کے حالات اور ان کے خلفاء و مریدین کے حالات و کرامات پر مشتمل ہے۔

رکن چہارم (باب چہارم) اس باب میں قیوم رابع شیخ محمد زبیر کے حالات ہیں۔

ان کے علاوہ مصنف نے تقریباً دو ہزار اشخاص جن میں مریدین، خلفاء وغیرہ شامل ہیں کے مختصر حالات درج کیے ہیں۔

اس سے زیادہ اہمیت کے حامل تاریخ ہند کے کئی دلچسپ واقعات ہیں جو کسی دوسری کتاب میں نہیں ملتے۔ نیز اس سے پتہ چلتا ہے کہ مغلیہ حکمرانوں کے خاندان مجددیہ کے صوفیاء سے کس قدر نزدیکی تعلقات تھے۔ مغل حکمران جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ زیب ان مجددی بزرگوں سے بہت زیادہ متاثر تھے نیز یہ حکمران اور ان کے افراد خاندان مجددیہ سلسلے

میں شامل ہو گئے تھے۔ شاہی امراء مثلاً خان خاناں، مرتضیٰ خاں، خان جہاں لودی، مہابت خاں، سکندر لودی بھی حضرت مجددؒ، حضرت معصومؒ وغیرہ کے مرید تھے۔[۱۲۹]

مصنف نے واقعات کے بیان کرنے میں بہت زیادہ مبالغہ سے کام لیا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے تاریخی واقعات لکھتے وقت ذمہ داری سے کام نہیں لیا ہے جس کی وجہ سے کئی واقعات تاریخی لحاظ سے غلط درج ہو گئے ہیں۔ مثلاً اس نے لکھا ہے کہ حضرت مجددؒ کی قید کی خبر سے مہابت خاں جو اس وقت کابل کا حاکم تھا، سخت پریشان ہوا اور اس نے [illegible] پر حملہ کر دیا اور دریائے جہلم کے کنارے جہانگیر کو قیدی بنا لیا لیکن یہ بیان تاریخی لحاظ سے غلط ہے۔ مہابت خاں کی بغاوت ۱۰۳۵ھ/۱۶۲۶ء میں ہوئی اور اس وقت اس نے جہانگیر کو قید کیا۔[۱۳۰] اس وقت حضرت مجددؒ کے انتقال کو ایک سال گزر چکا تھا۔

اسی طرح مصنف کا یہ بیان انتہائی گمراہ کن ہے کہ جہانگیر نے شیعہ عالم قاضی نور اللہ شوستری کو حضرت مجددؒ کے اشارے پر ہاتھیوں کے پاؤں تلے روندوا کر مروا دیا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ قاضی نور اللہ شوستری کا قتل ۱۰۱۹ھ/۱۶۱۰ء میں ہوا۔[۱۳۱] اس وقت حضرت مجددؒ کا جہانگیر سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

اس کتاب میں کشف، کرامات اور قیومیت پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ عقیدت کی فراوانی اور مبالغہ آرائی کی وجہ سے یہ کتاب مستند کتابوں میں شمار نہیں ہو سکتی لیکن بعض سوانح نگاروں نے اس کتاب پر انحصار کیا ہے جس کی وجہ سے بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں۔ مؤلف کے خلوص پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا لیکن اس خلوص نے غلو کی شکل اختیار کر کے تصوف کی خدمت سے زیادہ اسے نقصان پہنچایا ہے۔ تمام کتاب کرامات ہی کے ذکر تک محدود ہو کر رہ گئی ہے اور تاریخی واقعات کی چھان بین پر مطلق توجہ نہیں دی گئی ہے۔

مصنف نے ماخذ سوانح عمریوں کی ایک طویل فہرست دی ہے جس پر روضۃ القیومیہ کی بنیاد ہے۔ ان میں حضرات القدس، زبدۃ المقامات، مقامات معصومی، مرآت العالم، مرآت جہاں نما، سفینۃ الاولیاء وغیرہ شامل ہیں۔

شیخ زین العابدین سرہندی

شیخ زین العابدین، شاہ محمد یحییٰ کے صاحبزادے ۱۰۳۲ھ/۱۶۲۲–۲۳ء میں سرہند میں پیدا ہوئے۔ شیخ محمد نقشبندؒ سے تعلیم حاصل کی اور ایک عرصہ تک ان کی صحبت سے مستفید ہوئے۔ درس و تدریس آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ آپ فقہ کے زبردست عالم تھے۔ طلبہ کی کثیر تعداد آپ کے درس سے مستفید ہوتی تھی۔ ۱۱۲۹ھ/۱۷۱۶–۱۷ء میں آپ کا انتقال ہوا۔

شیخ محمد اعظم سرہندی

خواجہ سیف الدین کے پوتے خواجہ معصوم کے بڑے صاحبزادے شیخ محمد اعظم سرہند میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد اور چچا فرخ شاہ سے تعلیم حاصل کی اور درس و تدریس و تصنیف و تالیف میں زندگی گزاری۔ ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۲–۰۳ء میں ۵۰ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ آپ کی تصانیف میں شرح بخاری شریف "فیض الباری" کے نام سے فارسی زبان میں ہے۔

مولانا فرخ شاہ سرہندی

خواجہ محمد سعید کے تیسرے صاحبزادے فرخ شاہ سرہند میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سے تحصیل علوم کے بعد حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے۔ واپسی پر درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ طلبہ کی ایک بڑی تعداد آپ کے درس سے استفادہ کرتی تھی۔ آپ کو

۷۰ ہزار حدیثیں مکمل متن کے ساتھ یاد تھیں۔ عربی و فارسی میں آپ کی کئی تصانیف ہیں۔ فارسی میں رسالہ فقہ و حدیث، رسالہ عقاید، رسالہ حقیقت محمدیہ آپ کی یادگار ہیں۔ ۱۱۲۲ھ/۱۷۱۰–۱۱ء میں آپ کا انتقال ہوا۔

شیخ محمد ارشد

مولانا فرخ شاہ کے تیسرے صاحبزادے تھے۔ عالم فاضل شخص تھے اور سرہند میں درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ ۱۱۴۲ھ/۱۷۲۹–۳۰ء میں ان کا انتقال ہوا۔

شیخ عیسیٰ سرہندی

خواجہ سیف الدین کے صاحبزادے شیخ عیسیٰ سرہند میں پیدا ہوئے۔ عربی و فارسی کے زبردست عالم تھے۔ سرکاری اور عوام دونوں حلقوں میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ۱۱۵۰ھ/۱۷۳۷–۳۸ء میں ان کا انتقال ہوا۔

www.mujaddidway.com

باب چہارم (ب)

حواشی

۱۔ زبدۃ المقامات ص ۳۰۹، روضۃ القیومیہ پارٹ ۱ ص ۲۹۰، نے ولادت کا مہینہ شعبان لکھا ہے جبکہ حضرات القدس میں شوال لکھا ہے۔

۲۔ حضرات القدس جلد ۲ ص ۲۰۱ - ۲۰۲

۳۔ ایضاً ص ۲۰۳

۴۔ زبدۃ المقامات ص ۱۳۵ (فارسی)

۵۔ خزینۃ الاصفیا جلد ۱ ص ۶۳۰۔ مصنف نے ان کا نام شیخ محمد سعید کے بجائے شیخ احمد سعید لکھا ہے۔

۶۔ روضۃ القیومیہ پارٹ ۱ ص ۲۹۰

۷۔ مکتوبات سعیدیہ ص ۱۱۵ مکتوب نمبر ۹۹

۸۔ حالات مشائخ نقشبندیہ ص ۲۰۰

۹۔ خزینۃ الاصفیا ص ۶۳۰ نے ۷۰ سال عمر لکھی ہے جو غلط ہے۔

۱۰۔ زبدۃ المقامات ص ۲۹۰ (اردو) حضرات جلد ۲ ص ۲۰۱، روضۃ القیومیہ پارٹ ۱ ص ۲۰۰۔

۱۱۔ زبدۃ المقامات ص ۲۹۰ (اردو) حضرات جلد ۲ ص ۲۰۱

۱۲۔ مکتوبات سعیدیہ ص ۱۱ مکتوب نمبر ۳۰

۱۳۔ ایضاً ص ۱۱۵ مکتوب نمبر ۹۹

۱۴۔ روضۂ کوثر ص ۳۳۶

۱۵۔ ایضاً ص ۳۳۷

۱۶۔ زبدۃ المقامات ص ۳۱۵، روضۃ القیومیہ پارٹ ۲ ص ۲، حضرات القدس ۲۰ ص ۲۰۰، خزینۃ الاصفیا جلد ۱ ص ۶۳۰ نے سال ولادت ۱۰۰۹ھ لکھا ہے جو درست نہیں ہے۔

۱۷۔ زبدۃ المقامات ص ۳۱۶

۱۸۔ ایضاً ص ۳۱۸

۱۹۔ ایضاً ص ۳۱۸

۲۰۔ روضۃ القیومیہ پارٹ ۲ ص ۱۸ (اردو)

۲۱۔ ایضاً ″ ص ۳۲

۲۲۔ ایضاً ″ ص ۳۷

۲۳۔ ایضاً ″ ص ۳۹، خزینۃ الاصفیا جلد ۱ ص ۶۳۰

۲۴۔ ایضاً ″ ص ۱۴۰

۲۵۔ علمائے ہند کا ماضی جلد ۱ ص ۳۳۰

۲۶۔ روضۂ کوثر ص ۲۸۹ (بحوالہ نزہۃ الخواطر)

۲۷۔ خزینۃ الاصفیا جلد ۱ ص ۶۳۰

۲۸۔ روضۃ القیومیہ پارٹ ۲ ص ۱۶۲، خزینۃ الاصفیا جلد ۱ ص ۶۳۱ نے سال وفات ۱۰۸۰ھ لکھا ہے اور خواجہ محمد امین نقشبندی نے مقامات المعصوم (اردو) ص ... سال وفات ۱۰۷۰ھ لکھا ہے۔

۲۹۔ روضۃ القیومیہ پارٹ ۲ ص ۱۹۵

۳۰۔ ایضاً ″ ص ۱۹۵

۳۱۔ روضۃ القیومیہ پارٹ ۲، ص ۱۰۵

۳۲۔ ایضاً " ص ۱۰۸

۳۳۔ ایضاً " ص ۱۲۵

۳۴۔ خزینۃ الاصفیا جلد ۱، ص ۶۲۰، روضۃ القیومیہ (پارٹ ۲، ص ۱۳۳) نے مریدین کی تعداد نو لاکھ اور خلفا کی سات ہزار لکھی ہے۔

۳۵۔ روضۃ القیومیہ پارٹ ۲، ص ۱۲۷

۳۶۔ ایضاً " ص ۱۰۳

۳۷۔ مقامات خیر ص ۹۳

۳۸۔ مقامات خیر ص ۹۳، روضۃ القیومیہ ص ۱۳۳ (اردو) سال ترتیب ۱۰۵۸ھ لکھا ہے

۳۹۔ مقامات خیر ص ۹۳

۴۰۔ مکتوبات معصوم جلد ۱، مکتوب ۲

۴۱۔ ایضاً جلد ۱، مکتوب ۱۰۹

۴۲۔ روضۃ القیومیہ پارٹ ۲، ص ۴۳، ۴۴، مکتوبات معصوم جلد ۱، نمبر ۲۹

۴۳۔ مقامات معصومی ورق ۳۰۳، ۳۰۴، روضۃ القیومیہ (ص ۱۲۵) نے سال ولادت ۱۰۵۵ھ بجائے ۱۰۴۰ھ لکھا ہے۔

۴۴۔ خزینۃ الاصفیا جلد ۱، ص ۶۳۹

۴۵۔ روضۃ القیومیہ پارٹ ۲، ص ۱۴۰

۴۶۔ مقامات معصومی ورق ۳۱۲

۴۷۔ ایضاً ورق ۳۱۵

۴۸۔ مکتوبات معصومی جلد ۳، مکتوب نمبر ۲۲۱ ص ۲۹۳ (اردو ترجمہ) رود کوثر ص ۴۰۰

۴۹۔ مقامات خیر ص ۵۵

۵۰۔ مکتوبات معصوم جلد ۳، مکتوب نمبر ۲۲۷، رود کوثر ص ۴۰۰

۵۱۔ مقامات خیر ص ۵۹

۵۲۔ خزینۃ الاصفیا جلد ۱، ص ۶۴۹

۵۳۔ مقامات خیر، ص ۶۴

۵۴۔ روضۃ القیومیہ پارٹ ۲، ص ۱۲۹

۵۵۔ خزینۃ الاصفیا جلد ۱، ص ۶۴۹

۵۶۔ مقامات معصومی، ورق ۳۲۲

۵۷۔ مکتوبات شیخ سیف الدین مکتوب ۸، ورق ۲

۵۸۔ ایضاً " مکتوب ۲۵، ورق ۲۰

۵۹۔ مکتوبات شیخ سیف الدین ورق ۹

۶۰۔ ایضاً " ورق ۴۰

۶۱۔ ایضاً " ورق ۵۰

۶۲۔ ایضاً " ورق ۱۳۰

۶۳۔ ایضاً " مکتوب نمبر ۸۹، ورق ۱۲۰–۱۳۱

۶۴۔ ایضاً " مکتوب نمبر ۹۲، ورق ۱۱۶

۶۵۔ مقامات خیر، ص ۵۹

۶۶۔ مکتوبات شیخ سیف مکتوب نمبر ۹۲، ورق ۱۱۸

۶۷۔ ایضاً مکتوب ۹۳، ورق ۱۳۲

۶۸۔ حضرات القدس جلد ۲، ورق ۲۸۱

۶۹۔ ایضاً جلد ۲، ورق ۱۰۰

۷۰۔ ایضاً جلد ۲، ورق ۹۰

۷۰ - حضرت القدس جلد ۲، ورق ۵-۶
۷۱ - ایضاً جلد ۲، ورق ۳۰-۱۰۵
۷۲ - ایضاً جلد ۲، ورق ۱۰۵
۷۳ - ایضاً جلد ۲، ورق ۱۰۶
۷۴ - [illegible] جلد ۱ پلٹ ۲، ص ۱۰۱
۷۵ - حضرت القدس جلد ۲، ورق ۵-۶
۷۶ - ایضاً جلد ۲، ورق ۱۰۳
۷۷ - ایضاً جلد ۲، ورق ۱۰۴-۱۰۵
۷۸ - ایضاً جلد ۲، ورق ۱۰۶
۷۹ - ایضاً جلد ۲، ورق ۱۰۶
۸۰ - ایضاً جلد ۲، ورق ۱۰۹، [illegible] جلد ۱ پلٹ ۲، ص ۱۰۱
۸۱ - ایضاً جلد ۲، ورق ۱۰
۸۲ - ایضاً جلد ۲، ورق ۱۱
۸۳ - ایضاً جلد ۲، ورق ۲۳
۸۴ - [illegible] جلد ۱ پلٹ ۲، ص ۱۰۱
۸۵ - حضرت القدس جلد ۲، زیر ۲۰ ورق ۲-۳
۸۶ - ایضاً جلد ۲، ورق ۱۰-۱۱
۸۷ - ایضاً جلد ۲، ورق ۱۰-۱۱
۸۸ - [illegible] جلد ۱ پلٹ ۲، ورق ۲-۳
۸۹ - حضرت القدس جلد ۲، ورق ۱۹
۹۰ - ایضاً جلد ۲، ورق ۱۹

۹۱ - روضۃ القیومیہ پلٹ ۲، ص ۵۰۲
۹۲ - روضۃ القیومیہ پلٹ ۲، ص ۱۰۰ - ۱۰۱ اس کا نام حسنات الحرمین [illegible]
بتایا جاتا ہے۔
۹۳ - مخطوطہ حسنات الحرمین ورق ۱۶۲
۹۴ - ایضاً ورق ۱۵۲
۹۵ - قلمی نسخہ مقامات معصومی ورق ۱۰
۹۶ - ایضاً ورق ۱۰
۹۷ - ایضاً ورق ۲-۳
۹۸ - ایضاً ورق ۲-۳
۹۹ - ایضاً ورق ۵
۱۰۰ - ایضاً ورق ۳۰۲
۱۰۱ - ایضاً ورق ۴۵۲
۱۰۲ - ایضاً ورق ۴۵۲
۱۰۳ - ایضاً ورق ۳
۱۰۴ - ایضاً ورق ۱۹
۱۰۵ - نزہۃ الخواطر جلد ۶، ص ۳۲۲
۱۰۶ - روضۃ القیومیہ پلٹ ۲، ص ۲۲۶
۱۰۷ - مکاتیب نقشبندیہ مکتوب ۲۹ بحوالہ رود کوثر ص ۳۰۲
۱۰۸ - مآثر عالمگیری ص ۲۱۸ بحوالہ رود کوثر ص ۳۰۴
۱۰۹ - علمائے ہند کا ماضی ص ۳۰۰ - ۳۰۹
۱۱۰ - ایضاً ص ۳۰۱

۱۱۱ - نزہت الخواطر جلد ۶، ص ۳۲۲

۱۱۲ - ایضاً جلد ۶، ص ۲۲۴

۱۱۳ - روضۃ القیومیہ پارٹ ۲، ص ۲۰۶ - ۲۰۳

۱۱۴ - ایضاً پارٹ ۲، ص ۱۲ - ۲۱۱

۱۱۵ - ایوانوف کرزن کلکشن، جلد ۲، ص ۲۰۲، محمد شاہ وفات: ۱۱۶۱ھ/۴۹-۱۷۴۸ء

۱۱۶ - روضۃ القیومیہ پارٹ ۱۱، ص ۱۲۸

۱۱۷ - تزک جہانگیری ص ۳۱۲

۱۱۸ - روضۃ القیومیہ پارٹ ۱۱، ص ۲۰۰

۱۱۹ - بیل بائیگرافیکل ڈکشنری ص ۳۰۷

۱۲۰ - نزہت الخواطر جلد ۶، ص ۹۲

۱۲۱ - ایضاً جلد ۶، ص ۲۷۶

۱۲۲ - خزینۃ الاصفیا ص ۶۶۳

۱۲۳ - نزہت الخواطر جلد ۶، ص ۱۹۷

۱۲۴ - ایضاً جلد ۶، ص ۱۹۶

باب پنجم

دیگر صوفیا، علما و صلحا

سرہند علم و فضل کا ایک بڑا اور اہم مرکز رہا ہے۔ خاص طور پر مغلیہ دور میں یہ سلوک و معرفت کا گہوارہ بن گیا تھا۔ اس دور میں جہاں ایک طرف خاندان مجددیہ سے سلوک و معرفت کی روشنی پھیل رہی تھی اور عوام جوق در جوق ان کے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سے منسلک ہو رہے تھے۔ دوسری طرف سینکڑوں علما درس و تدریس میں مشغول تھے۔ یہ علما اور صوفیا زبان فارسی کی پاکیزگی کو برقرار رکھے ہوئے تھے۔ اپنے مواعظ اور درس و تدریس کے ذریعے انھوں نے صوفیانہ و عالمانہ اصطلاحات پھیلائیں اور عوام کو مذہب کی طرف مائل کرنے میں اہم رول ادا کیا۔ ان علما و مدرسین کے شاگردوں میں بہت سی نامور ہستیاں ہوئی ہیں۔ اسماعیل مولانا علی شیر سرہندی طبقات اکبری کے مصنف نظام الدین احمد کے استاد تھے۔ مولانا علی شیر کے صاحبزادے الله داد فیضی سرہندی شاعر، مورخ اور ادیب تھے۔

حافظ سلطان رخنہ اور شیخ نور الدین سفید ولی سرہند کو بنانے اور سنوارنے والے تھے۔ انھوں نے بہترین باغات اور عمارتیں تعمیر کرا کر سرہند کو رونق بخشی۔ ان حضرات نے کوئی باقاعدہ تصنیف تو یادگار نہیں چھوڑی لیکن بالواسطہ طور سرہند میں فارسی ادب کی ترقی میں حصہ لیا لہٰذا ان کا تذکرہ لا محالہ ہوگا۔

شیخ الہداد بن صالح سرہندی

اپنے زمانے کے مشہور عالم شیخ الہداد، صالح انصاری کے لڑکے تھے جو لاہور سے آکر سرہند میں آباد ہو گئے تھے۔ یہ رسول اللہ صلعم کے صحابی سعد بن عبادہؓ کی اولاد میں تھے۔ آپ نے درس و تدریس کو مشغلہ اختیار کیا۔ بہت سے لائق شاگرد یادگار چھوڑے ان میں اکبری دور کے ممتاز عالم مولانا عبدالقادر بھی تھے۔ آپ کا انتقال ۹۱۰ھ/۱۵۰۴ء میں ہوا۔

شیخ بہارالدین جیندی

شیخ بہارالدین جیند کے رہنے والے تھے جو سرہند کے تحت تھا۔ وہ شیخ الہ نقی کے شاگرد تھے۔ تحصیل علم تصوف کے بعد سرہند کے گورنر کی درخواست پر آپ اس شہر میں آئے اور وہیں سکونت اختیار کی۔ آپ قادریہ و شطاریہ سلسلے سے وابستہ تھے۔ خدا کی محبت اس قدر غالب تھی اور عبادت میں اتنے محو رہتے تھے کہ آپ کا انتقال بھی اسی حالت میں ۹۲۱ھ/۱۵۱۵ء میں ہوا۔

مولانا بدرالدین سرہندی

مولانا بدرالدین الحنفی سرہندی اپنے زمانے کے مشہور صوفی تھے۔ آپ نے شیخ یحییٰ اسند پوری سے تعلیم حاصل کی۔ میاں امان اللہ سرہندی، مولانا میر علی گبر اور بہت سے دوسرے لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا۔ آپ عالم باعمل تھے اور لوگوں کو آپ سے بہت عقیدت تھی۔ آپ کے صاحبزادے شیخ محمد جیضا بھی ایک عالم اور استاد تھے۔

مولانا مجدالدین محمد

مولانا مجدالدین حنفی بہت بڑے عالم تھے۔ آپ نے شیخ الہداد بن صالح سرہندی سے تعلیم

حاصل کی۔ آپ کے حلقہ درس میں طلبہ کی کثیر تعداد ہوتی تھی۔ آپ کے شاگردوں میں شیخ سلیم بن بہارالدین چشتی بھی تھے۔ شیخ یعقوب بن حسن کشمیری نے آپ کی خدمات کا اعتراف کیا ہے اور اپنی کتاب "مغازی النبی" میں آپ کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم تھے۔ "گلزار ابرار کے مصنف لکھتے ہیں کہ جب ۹۳۲ھ/۲۶-۱۵۲۵ء میں بابر نے ہندوستان کو فتح کیا، مجدالدین اس وقت حیات تھے اور بابر نے آپ سے ملاقات کی، وہ آپ کا بہت احترام کرتا تھا۔"

مولانا علی شیر سرہندی

مولانا علی شیر سرہندی سرہند میں پیدا ہوئے اور وہیں تحصیل علم سے فارغ ہوئے۔ اس کے بعد آپ صلحا اور صوفیا کی جماعت سے وابستہ ہو گئے۔ آپ نے قادریہ سلسلہ میں بیعت کی اور دوسرے صوفی سلسلوں سے بھی آپ کا تعلق تھا۔ آپ کے علمی کمالات کی وجہ سے عوام نے آپ کو "اسد العلماء" کا خطاب دیا۔ الہداد لنگی آپ کے صاحبزادے تھے۔ آپ کے ممتاز شاگردوں میں مولانا نظام الدین احمد مصنف طبقات اکبری بھی تھے۔

۹۸۵ھ/۷۸-۱۵۷۷ء میں آپ کا انتقال ہوا۔

شیخ احمد سرہندی

شیخ احمد عربی و فارسی کے ممتاز عالم تھے۔ مسائل شرعیہ پر عبور حاصل تھا۔ بڑے علماء و شرفا شرعی مسائل کے سلسلے میں اختلاف کی صورت میں آپ سے رجوع کرتے تھے اور آپ کا فیصلہ مستند خیال کیا جاتا تھا۔ تمام عمر درس و تدریس میں بسر کی۔ ۹۸۷ھ/۸۰-۱۵۷۹ء میں انتقال ہوا۔

سید یٰسین سامانوی سرہندی

سید یٰسین بن ابی یٰسین حنفی سامانوی سید شاہ میر سامانوی ؒ کی اولاد میں تھے حصول علم کے لیے آپ نے بہت زیادہ سفر کیے۔ کچھ کتابیں حضرت شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی ؒ سے پڑھیں بعد میں حج بیت اللہ اور دیگر مقامات مقدسہ کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں قیام کے دوران اس زمانے کے مشہور محدثین سے علم حدیث حاصل کیا۔ اس کے بعد ہندوستان واپس آ کر لاہور میں سکونت پذیر ہو گئے۔ آپ شاہی امراء سے بھی وابستہ رہے۔ بعد میں ترک دنیا کر کے سرہند میں گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ ایک مدت تک مریدوں کی رہنمائی کرتے رہے۔ آپ دوبارہ گجرات جا کر وہاں سے حجاز جانا چاہتے تھے لیکن یہ ممکن نہ ہو سکا تو بنگال چلے گئے اور وہاں سے بہار میں آ کر مقیم ہو گئے۔ شیخ شہباز محمد بھاگلپوری اور بہت سے دوسرے لوگوں نے آپ سے فیض حاصل کیا۔

مولانا عثمان سامانوی سرہندی

حکیم عثمان حنفی سامانوی ایک ممتاز عالم اور طبیب تھے۔ آپ پنجاب میں پیدا ہوئے اور اس وقت کے ممتاز عالموں سے تعلیم حاصل کی۔ علم طب کی تکمیل حکیم الملک شمس الدین گیلانی سے کی۔ اکبری دور کے امیر قلیچ خاں نے ان کو اکبر کے دربار میں متعارف کرایا۔ اکبر نے ان کو گنگا اور جمنا کے مابین شہروں میں تعینات کیا۔

شیخ نورالدین سفیدونی سرہندی

نورالدین محمد بن سلطان علی رضوی الہروی خراسان کے شہر جام میں پیدا ہوئے اور مشہد میں پرورش پائی۔ آپ ہمایوں کے دور میں ہندوستان آئے۔ آپ ایک

مشہور ریاضی دان اور ماہر علم نجوم تھے لہٰذا ہمایوں سے آپ کے نزدیکی تعلقات ہو گئے۔ ہمایوں نے آپ سے علم نجوم کی بہت سی باتیں سیکھیں۔ آپ ہمایوں کے دربار سے وابستہ تھے اور سفیدون کا علاقہ جو سرہند کی حکومت کے تحت تھا آپ کو عطا ہوا تھا۔ ہمایوں نے آپ کو "ترخانی" کا خطاب دیا تھا۔ شیخ نورالدین نے جمنا سے ایک نہر نکالی اور اس کو کرنال و دوسرے شہروں تک بڑھایا۔ آپ کو شعر و شاعری کا بھی ذوق تھا ایک دیوان بھی ترتیب دیا تھا جو اب مفقود ہے وہ فرماتے ہیں۔

چون دست ما بدامن وصلت نمی رسد
پای طلب شکستہ بدامان نشستہ ایم
دل تنگ و دور از لب خندان نشستہ ایم
مانند غنچہ سر بگریبان نشستہ ایم

۹۹۲ھ/ ۹۶ـ ۱۵۵۵ء میں آپ نے وفات پائی۔

شیخ عبدالرحمٰن صوفی سرہندی

شیخ عبدالرحمٰن نہایت متقی، پرہیزگار، خوش خلق، گوشہ نشین اور تارک شغل تھے۔ آپ کو سید بدھا گدائی سے عقیدت تھی۔ جب آپ سرہند سے آگرہ آئے تو خانقاہ غوث الاولیاء شیخ ضیاء اللہ سے وابستہ ہو کر کافی عرصہ تک ان کی صحبت سے فیض حاصل کرتے رہے۔ ناگہاں آپ کو عائشہ نام کی ایک عورت سے عشق ہو گیا۔ وہ بھی ان سے محبت کرتی تھی۔ باہمی رضامندی سے دونوں رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔ آپ نے ۹۹۵ھ/ ۸۷ـ ۱۵۸۶ء میں وفات پائی۔

www.mujaddidway.com

حافظ سلطان رخنہ ہروی سرہندی

حافظ سلطان رخنہ ہروی ۱۰۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اکبر کے دور میں سرہند کے گورنر مقرر ہوئے۔ آپ کو فن تعمیر سے نہایت دلچسپی تھی۔ سرہند میں قیام کے دوران آپ نے بہت سے عالیشان اور عالی قدر عمارتیں تعمیر کرائیں جو اپنی فنی عظمت اور شان و شوکت میں بے مثال تھیں۔ ایک باغ کا نام "باغ لکھی" [illegible] خاں کا انتقال ... سال کی عمر میں شوال ۱۰۰۰ھ/۱۵۹۲ء میں ہوا۔ سرہند ... سے ان کی تاریخ وفات "رخنہ در باغ" [illegible] باغ کے عدد ... تعمیر کرنے پر ۱۰۰۰ھ برآمد ہوتا ہے۔ شیخ بشیر سرہندی نے درج ذیل قطعہ تاریخ کہا:

ز باغ جہاں رفت نواب حافظ	کز اں رخنہ ... خلق ... آب شد
... باغ را ...	... دل ... خوناب شد
...	... باغ ... آب شد

ایک اور قطعہ تاریخ اس طرح ہے:

چو او ... گوشہ باغ است مدفون

بجو تاریخ او از گوشہ باغ"

حکیم شیخ بینا

آپ سرہند کے ایک طبیب شیخ حسن کے صاحبزادے تھے اور سرجری میں ماہر تھے۔ جراحی اور علاج امراض میں مہارت رکھتے تھے۔"

شیخ عبدالصمد حسینی

آپ ... کے مستند اور مشہور عالم حاجی شیخ اللہ ... سرہندی کے صاحبزادے تھے۔ آپ نے ...

حاصل شیخ ... جو ... سے ... حاصل کی ... ۔ ... میاں ... کے ماہر ... ہو گئے۔"

مولانا قطب الدین سرہندی

شیخ فاضل علامہ قطب الدین حنفی سرہندی ہندوستان کے نامور علماء میں سے تھے۔ ... درس و تدریس میں مشغول رہے اور بہت سے لوگوں نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ ان میں شیخ عبدالعزیز ... بھی تھے۔ آپ کا انتقال سرہند میں ہوا اور وہیں مدفون ہیں۔"

حاجی نعمت اللہ سرہندی

حاجی نعمت اللہ سرہند کے رہنے والے تھے۔ میاں ... کے بعد پہلے شخص تھے جو ... جہانگیر کے عہد کے بزرگ ... حضرت میاں میر ... ہوئے۔ جب ... کے زمانے میں حضرت میاں میر سرہند میں تھے تو حاجی صاحب نے بڑی ... کی۔ حضرت میاں میر ان کی ... سے ... ہوئے اور فرمایا:

"[illegible]"

کہا جاتا ہے کہ حاجی نعمت اللہ نے ... مقامات مقدسہ کی زیارت کا ... کیا ... حضرت میاں میر نے فرمایا کہ میں ...

حافظ سلطان رخنہ ہروی سرہندی

حافظ سلطان رخنہ ہروی [illegible] میں پیدا ہوئے۔ اکبر کے دور میں سرہند کے گورنر مقرر ہوئے۔ آپ کو فن تعمیر سے نہایت دلچسپی تھی۔ سرہند میں قیام کے دوران آپ نے بہت سے باغات اور عمارتیں تعمیر کرائیں جو اپنی نفاست اور شان و شوکت میں بے مثال تھیں۔ ایک باغ کا نام باغ [illegible] تھا [illegible] سال [illegible] میں مکمل ہوا۔ [illegible] رخنہ [illegible] باغ [illegible] نکالی [illegible] باغ سرہند کے [illegible] ہے۔

شیخ [illegible] سرہندی نے درج ذیل قطعہ تاریخ کہا:

[illegible] حافظ — [illegible] آب شد

[illegible] — [illegible] شد

[illegible] — [illegible] باغ [illegible] آب شد

ایک اور قطعہ تاریخ اس طرح ہے:

[illegible] گوشہ باغ است [illegible]

[illegible] تاریخ [illegible] باغ

حکیم شیخ بینا

آپ سرہند کے ایک طبیب شیخ حسن کے صاحبزادے تھے اور [illegible] تھے [illegible] رکھتے تھے۔

شیخ عبدالصمد حسینی

آپ [illegible] عالم [illegible] شیخ [illegible] سرہند کے صاحبزادے تھے آپ نے [illegible]

[illegible] شیخ [illegible] جو [illegible] تھے [illegible] ہو گئے۔

مولانا قطب الدین سرہندی

شیخ [illegible] قطب الدین [illegible] سرہندی [illegible] تھے [illegible] آپ کا انتقال [illegible] میں ہوا اور وہیں دفن ہیں۔

حاجی نعمت اللہ سرہندی

حاجی نعمت اللہ سرہند کے رہنے والے تھے۔ [illegible] جب [illegible] حضرت میاں میر [illegible] سرہند میں تھے [illegible] حضرت میاں میر [illegible] بیعت [illegible] فرمایا:

[illegible]

کہا جاتا ہے کہ حاجی نعمت اللہ نے [illegible] حضرت میاں میر نے فرمایا [illegible]

تعلیم فرمائیں جو حاجی صاحب نے کیں۔ دوسرے دن جب حاجی صاحب میاں میر کی خدمت میں آئے تو فرمایا کہ حضرت میں نے قبر سے ایک قدم بھی باہر نکالے بغیر تمام شرائط و لوازم کے ساتھ حج کیا۔ [illegible] میں آپ کا انتقال ہوا۔"

مولانا عبدالمالک سرہندی

عبدالمالک بن فرید الدین [illegible] نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور پھر درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ وہ ایک پاک باطن اور متقی و پرہیزگار تھے۔"

مولانا میر علی کنبر سرہندی

میر علی متقی سرہند کے [illegible] میں تھے۔ آپ سرہند میں پیدا ہوئے اور شیخ بدرالدین سرہندی سے تعلیم حاصل کی۔ شیخ عبدالحق [illegible] معروف [illegible] آپ کے مشہور [illegible] تھے۔ آپ [illegible] زندگی بسر کرتے تھے۔"

مولانا مظفر سرہندی

مولانا مظفر [illegible] اکبر آباد کے صوفیا میں تھے اور فقہ و حدیث کے ماہر تھے۔ گوشہ نشینی کی زندگی گزارتے تھے اور وہ بہت لوگوں کو پسند نہیں کرتے تھے آپ خواجہ محمد معصوم سرہندی کے مرید تھے۔"

میاں نتھا سرہندی

میاں نتھا حضرت میاں میر کے محبوب مرید تھے آپ ایک دولت مند گھرانے کے تھے۔ [illegible] روحانی طور پر درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے [illegible]

کرامات آپ سے منسوب ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ [illegible] آپ [illegible] ہوتے تھے۔" میاں نتھا نے اپنے ایک مرید کو [illegible] ہدایت دی:

"زنہار [illegible]

[illegible]

کرامت است۔"

میاں نتھا کا انتقال [illegible] میں ہوا۔ حضرت میاں میر کو وہ اس قدر عزیز تھے کہ انھوں نے ان کے مزار کے نزدیک دفن ہونے کی آرزو کی تھی۔"

حاجی مصطفےٰ سرہندی

حاجی مصطفےٰ کابل خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتدائی [illegible] سرہند میں [illegible] کے بعد لاہور جا کر حضرت میاں میر کے مرید ہوئے۔ آپ نہایت [illegible] میاں [illegible] مراقبہ میں مصروف رہتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ [illegible] آپ ستر دن تک اسی حالت میں رہے۔"

[illegible] صفر [illegible] کو آپ کا انتقال ہوا۔ لاہور میں [illegible]

احمد سرہندی

احمد شاہجہاں کے عہد کے طبیب و خوشنویس تھے۔ آپ [illegible] مہارت حاصل تھی۔ مصنف [illegible]

کہ کفایت خاں آپ کے ہم عصر تھے۔

دگر احمد کہ ہست از اہل سرہند — بعہد شاہجہاں می بود خرسند
شکستہ را نوشتی از خط خوب — بقانون عجب بر حسن اسلوب
کفایت خاں اور اہم معاصر — نبودی در حق او نیک قاصر
ز جمع منشیان شاہجہانست — بفیض نو نوشتن علم و نشانست[۳۳]

سید حمزہ سرہندی

سرہند کے عالم فاضل شخص تھے۔ شیخ عبدالحق دہلوی سے علم حدیث حاصل کیا اور ان کی اجازت سے سرہند واپس آئے اور باقی عمر مطالعہ درس و تدریس میں بسر کی۔[۳۴]

ملا ابوالخیر سرہندی

سرہند کے ایک مدرس شیخ بایزید کے صاحبزادے ابوالخیر اپنے وقت کے عالم شخص تھے اور اعلیٰ مرتبہ رکھتے تھے۔ طلبہ آپ کے حلقہ درس میں بڑے ذوق و شوق سے آتے تھے اور آپ کے درس کو دوسرے لوگوں کے درس پر ترجیح دیتے تھے۔[۳۵]

شیخ علی رضا سرہندی

شیخ علی رضا سرہندی چشتیہ سلسلے کے صوفی تھے۔ شیخ یحییٰ بن محمود چشتی گجراتی سے علم تصوف حاصل کیا اور گجرات میں سکونت اختیار کرلی۔ بہت سی کرامات آپ سے منسوب ہیں۔ ۱۰ ذی قعدہ ۱۱۴۰ھ/ ۳۰/ ۱۷ء کو انتقال ہوا۔[۳۶]

باب پنجم

حواشی

۱۔ نزہت الخواطر جلد ۴، ص ۳۰
۲۔ خزینۃ الاصفیا جلد ۱، ص ۱۱۵
۳۔ نزہت الخواطر جلد ۴، ص ۵۲
۴۔ بہشت نعیم جلد ۱، ص ۳۲۸
۵۔ نزہت الخواطر جلد ۴، ص ۳۲۰
۶۔ ایضاً جلد ۴، ص ۳۰۸
۷۔ نزہت الخواطر جلد ۴، ص ۲۴۵ و جلد ۴، ص ۱۵۶
۸۔ ایضاً جلد ۴، ص ۴۰ و گلزار ابرار ورق ۲۰۳
۹۔ بدایونی نے منتخب التواریخ (اردو) جلد ۳ ص ۲۲۰) ان کو شاہ میر کا برادر نسبتی لکھا ہے۔
۱۰۔ نزہت الخواطر جلد ۴ ص ۳۹۳
۱۱۔ ایضاً جلد ۴ ص ۳۹۲
۱۲۔ نزہت الخواطر جلد ۵ ص ۲۸۱
۱۳۔ ایضاً جلد ۴ ص ۳۰۳ (سفیدون ایک چھوٹا سا گاؤں ہے)
۱۴۔ نگارستان ص ۱۳۵
۱۵۔ نزہت الخواطر جلد ۴ ص ۳۰۲
۱۶۔ گلزار ابرار ورق ۱۰۵
کلمات الشعرا ص ۱۲۹

کہ کفایت خان آپ کے ہم عصر تھے۔

ورِ احمد کہ ہست از اہلِ سرہند | بعہد شاہجہاں گی بود فرسند
فلک را [illegible] | بنا [illegible] عجیب و در حسن اسلوب
کفایت خان او را ہم معاصر | [illegible] در حق او نیک شاعر
ز مدح شاہجہاں شاہجہاں گفت | [illegible] علم و فضلا گفتہ[33]

سید حمزہ سرہندی

سرہند کے عالم فاضل شخص تھے۔ شیخ عبدالحق دہلوی سے علم حدیث حاصل کیا اور ان کی اجازت سے سرہند واپس آئے اور باقی عمر مطالعہ و درس و تدریس میں گزاری۔[34]

ملا ابوالخیر سرہندی

سرہند کے ایک مدرس شیخ بایزید کے صاحبزادے ابوالخیر اپنے وقت کے عالم شخص تھے اور اعلیٰ مرتبہ رکھتے تھے۔ طلبا آپ کے حلقہ درس میں بڑے ذوق و شوق سے آتے تھے اور آپ کے درس کو دوسرے لوگوں کے درس پر ترجیح دیتے تھے۔[35]

شیخ علی رضا سرہندی

شیخ علی رضا سرہندی چشتیہ سلسلہ کے صوفی تھے۔ شیخ یحییٰ بن محمود چشتی گجراتی سے علم تصوف حاصل کیا اور گجرات میں سکونت اختیار کر لی۔ بہت سی کرامات آپ سے منسوب ہیں۔ ۱۰ ذی قعدہ ۱۱۲۰ھ/۱۷۰۹ء کو انتقال ہوا۔[36]

باب پنجم

حواشی

۱۔ نزہۃ الخواطر جلد ۲، ص ۳
۲۔ [illegible] جلد ۱، ص ۱۵
۳۔ نزہۃ الخواطر جلد ۴، ص ۵۲
۴۔ [illegible] جلد ۱، ص ۳۲۰
۵۔ نزہۃ الخواطر جلد ۴، ص ۳۲۰
۶۔ ایضاً جلد ۴، ص ۳۲۰
۷۔ نزہۃ الخواطر جلد ۴، ص ۲۹۵ و جلد ۵، ص ۴۰
۸۔ ایضاً جلد ۵، ص ۳۰ [illegible] ورق ۲۴۳
۹۔ [illegible] جلد ۳ ص ۲۲۰ [illegible]
۱۰۔ نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۳۹۳
۱۱۔ ایضاً جلد ۵ ص ۳۹۲
۱۲۔ نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۴۰۱
۱۳۔ ایضاً جلد ۵ ص [illegible]
۱۴۔ نگارستان ص ۱۳۵
۱۵۔ نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۳۰۲
۱۶۔ گلزار ابرار ورق ۱۰۵
۱۷۔ کلمات الشعرا ص ۱۲۹

www.mujaddidway.com

کہ کفایت خاں آپ کے ہم عصر تھے۔

دگر احمد کہ ہست از اہل سرہند — بعہد شاہجہاں می بود خرسند
شکستہ را نوشتی از خط خوب — بقانون عجیب و حسن اسلوب
کفایت خاں اور اہم معاصر — نبودی در خط او نیک قاصر
ز جمع منشیان شاہجہاں ست — بفیض خوشنویسش علم و نشانست[۳۳]

سید حمزہ سرہندی

سرہند کے عالم فاضل شخص تھے۔ شیخ عبدالحق دہلوی سے علم حدیث حاصل کیا اور ان کی اجازت سے سرہند واپس آئے اور باقی عمر مطالعہ درس و تدریس میں گزاری۔[۳۴]

ملا ابوالخیر سرہندی

سرہند کے ایک مدرس شیخ بایزید کے صاحبزادے ابوالخیر اپنے وقت کے عالم شخص تھے اور اعلیٰ مرتبہ رکھتے تھے۔ طلبہ آپ کے حلقہ درس میں بڑے ذوق و شوق سے آتے تھے اور آپ کے درس کو دوسرے لوگوں کے درس پر ترجیح دیتے تھے۔[۳۵]

شیخ علی رضا سرہندی

شیخ علی رضا سرہندی چشتیہ سلسلے کے صوفی تھے۔ شیخ یحییٰ بن محمود چشتی گجراتی سے علم تصوف حاصل کیا اور گجرات میں سکونت اختیار کر لی۔ بہت سی کرامات آپ سے منسوب ہیں۔ ۲۰ ذی قعدہ ۱۱۲۰ھ/ ۱۷۰۸ء کو انتقال ہوا۔[۳۶]

www.mujaddidway.com

باب پنجم

حواشی

۱۔ نزہت الخواطر جلد ۴، ص ۳
۲۔ خزینۃ الاصفیا جلد ۱، ص ۵۱۵
۳۔ نزہت الخواطر جلد ۵، ص ۵۲
۴۔ ہفت اقلیم جلد ۱، ص ۳۲۰
۵۔ نزہت الخواطر جلد ۴، ص ۳۲۰
۶۔ ایضاً جلد ۴، ص ۳۲۰
۷۔ نزہت الخواطر جلد ۴، ص ۲۵۳ و جلد ۶، ص ۵۰
۸۔ ایضاً جلد ۴، ص ۳۰ و گلزار ابرار ورق ۲۰۳
۹۔ بدایونی نے منتخب التواریخ (اردو) جلد ۳، ص ۲۲۰ … ان کا نام میر ابوالقاسم لکھا ہے
۱۰۔ نزہت الخواطر جلد ۴ ص ۳۹۳
۱۱۔ ایضاً جلد ۴ ص ۳۹۲
۱۲۔ نزہت الخواطر جلد ۵ ص ۱۱۲
۱۳۔ ایضاً جلد ۴ ص ۳۰۳ اور سفینۃ الاولیاء میں ایک چھوٹا سا تذکرہ ہے
۱۴۔ نگارستان ص ۳۶۵
۱۵۔ نزہت الخواطر جلد ۴ ص ۴۰۲
۱۶۔ گلزار ابرار ورق ۱۰۵
۱۷۔ کلمات الشعرا ص ۲۱

١٨- مکتوبات امام ربانی جلد ۱، ص [illegible] [illegible] جلد ۱، ص [illegible]

١٩- مکتوبات امام ربانی جلد ۲، ص [illegible] (اردو ترجمہ)

٢٠- [illegible] جلد ۱، ص ۲۲۰

٢١- نزہۃ الخواطر جلد ۲، ص [illegible]

٢٢- ایضاً جلد ۲، ص [illegible]

٢٣- [illegible] ص [illegible]

٢٤- ایضاً ص [illegible]

٢٥- نزہۃ الخواطر جلد ۵، ص [illegible]

٢٦- نزہۃ الخواطر جلد ۶، ص [illegible] [illegible]

٢٧- [illegible] [illegible]

٢٨- ہدیہ مجددیہ ص [illegible]

٢٩- ایضاً ص [illegible]

٣٠- ایضاً ص [illegible]

٣١- ایضاً ص [illegible]

٣٢- ایضاً [illegible]

[illegible]

٣٣- [illegible]

٣٤- [illegible] [illegible]

٣٥- ایضاً [illegible]

٣٦- نزہۃ الخواطر جلد ۶، ص [illegible]

کتابیات

آب کوثر	شیخ محمد اکرام	لاہور ۱۹۶۰
آثار الصنادید	سرسید احمد خاں	نولکشور لکھنؤ
ابجد العلوم	نواب صدیق حسن خاں	مطبع صدیقی بھوپال [illegible]
اخبار الاخیار	عبدالحق دہلوی	مطبع مجتبائی دہلی
[illegible]	[illegible]	[illegible]
رود کوثر	شیخ محمد اکرام	[illegible] لاہور [illegible]
[illegible]	[illegible] خاں	نولکشور [illegible]
[illegible]	منظور نعمانی	بریلی [illegible]
[illegible]	منظور نعمانی	لکھنؤ [illegible]
[illegible]	شاہ ولی اللہ	مطبع [illegible] دہلی
[illegible]	شاہ ولی اللہ	مطبع [illegible] دہلی [illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible] ۱۹۶۳
[illegible]	[illegible]	مطبع مجتبائی دہلی
[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible] جلد ۲	رئیس احمد جعفری	[illegible]
[illegible]	[illegible] جلد دوم [illegible]	[illegible]

۱۸۔ منتخب التواریخ جلد ۲، ص ۳۹۳ ۵۲۵، حدائق الحنفیہ جلد ۱، ص ۱۹۹

۱۹۔ منتخب التواریخ جلد ۳ ص ۴۵۵ (اردو ترجمہ)

۲۰۔ ہفت اقلیم جلد ۱، ص ۳۴۰

۲۱۔ نزہت الخواطر جلد ۴، ص ۱۰۳

۲۲۔ ایضاً جلد ۴، ص ۲۸۱

۲۳۔ سکینۃ الاولیا ص ۱۳۲

۲۴۔ ایضاً ص ۱۳۵، ۱۳۳

۲۵۔ نزہت الخواطر جلد ۵، ص ۲۵۹

۲۶۔ نزہت الخواطر جلد ۴، ص ۱۳۱، گلزار ابرار ورق ۲۴۴

۲۷۔ حسنات شاہجہانی (قلمی نسخہ) ورق ۳۵۲

۲۸۔ سکینۃ الاولیا ص ۱۳۰

۲۹۔ ایضاً ص ۱۳۰

۳۰۔ ایضاً ص ۱۳۵

۳۱۔ ایضاً ص ۱۴۱

۳۲۔ ایضاً ص ۱۳۰، خزینۃ الاصفیا (جلد ۱ ص ۱۵۸) نے سال وفات ۱۰۳۶ھ

تحریر کیا ہے۔

۳۳۔ قلمی نسخہ حیات خوشخویان نمبر ۲ ورق ۲۲۴ (سالار جنگ میوزیم)

۳۴۔ حسنات شاہجہانی ورق ۳۵۵

۳۵۔ ایضاً ورق ۳۵۴

۳۶۔ نزہت الخواطر جلد ۶، ص ۱۰۰

کتابیات

آب کوثر	شیخ محمد اکرام، لاہور ۱۹۷۰ء	
آثار الصنادید	سر سید احمد خاں	نولکشور، لکھنؤ
ابجد العلوم	نواب صدیق حسن خاں	مطبع صدیقی بھوپال ۱۲۹۵ھ
اخبار الاخیار	عبدالحق دہلوی	مطبع مجتبائی دہلی
ارشادات احمد سرہندی	شیخ احمد سرہندیؒ	قلمی نسخہ جنتلی سرور نمبر ۳ دہلی
ارمغان پاک	شیخ محمد اکرام	مطبع دین محمدی لاہور ۱۹۵۰ء
اقبال نامہ جہانگیری جلد ۱، ۳	محمد شریف معتمد خاں	نولکشور ۱۲۸۰ھ
الفرقان (شاہ ولی اللہ نمبر)	منظور نعمانی	بریلی ۱۳۵۹ھ
الفرقان (مجدد الف ثانی نمبر)	منظور نعمانی	لکھنؤ ۱۳۵۷ھ
انفاس رحیمیہ	شاہ عبدالرحیمؒ	مطبع احمدی دہلی
انفاس العارفین	شاہ ولی اللہؒ	مطبع احمدی دہلی ۱۳۳۵ھ
انوار احمدیہ	محمد سلیمان	حیدرآباد ۱۹۴۳ء
انوار احمدیہ	حکیم وکیل احمد	مطبع مجتبائی دہلی
انوار الاولیاء جلد ۱، ۲	رئیس احمد جعفری	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۶۰ء
بادشاہ نامہ	ملا عبدالحمید لاہوری (جلد اول حصہ ۲) ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ	
	جلد دوم ۱۸۶۷ء	

بزم تیموریہ	سید صباح الدین عبد الرحمن	اعظم گڑھ ۱۹۴۸ء
بزم صوفیہ	سید صباح الدین عبد الرحمن	مطبع معارف، اعظم گڑھ ۱۹۴۹ء
بزم مملوکیہ	سید صباح الدین عبد الرحمن	اعظم گڑھ
بہارستان سخن	عبد الرزاق خوافی شاہنواز خاں	مدراس گورنمنٹ اورینٹل سیریز مدراس ۱۹۵۰ء
پنجاب میں اردو	محمود خاں شیرانی	نسیم بک ڈپو، لکھنؤ ۱۹۷۰
تاریخ بخارا	سید محمد حسین	امرتسر ۱۹۶۱ء
تاریخ دعوت و عزیمت	مولانا ابوالحسن علی ندوی	جلد اول ۱۹۵۵ء لکھنؤ، جلد دوم ۱۹۵۷ء لکھنؤ
تاریخ محمدی	شیخ احمد حسین	کوثر پریس سہارنپور ۱۹۷۵ء
تاریخ مشائخ چشت	خلیق احمد نظامی	ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۳ء
تاریخ ادبی فارسی در ہند و پاکستان	ڈاکٹر آفتاب اصغر	خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران لاہور
تذکرہ	محمد طاہر نصرآبادی مرتبہ وحید دستگردی	تہران
تذکرہ	مولانا ابوالکلام آزاد	ساہتیہ اکادمی دہلی ۱۹۶۸ء
تذکرہ واقعات بینش	سید مرتضیٰ بینش مرتبہ ڈاکٹر شریف حسین قاسمی	دہلی ۱۹۸۰ء
تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ	منظور نعمانی	لکھنؤ
تذکرۃ المشائخ	مرزا گلشن	مطبع افضل المطابع دہلی ۱۳۰۰ھ
تذکرہ بے نظیر	سید عبد الوہاب افتخار	سینٹ ہاؤس الہ آباد ۱۹۴۰ء
تذکرہ حزیں	شیخ محمد علی حزیں	انتشارات کتب فروشی اصفہان ۱۳۳۴ھ

تذکرہ روز روشن	مظفر حسین صبا	کتاب خانہ رازی تہران ۱۳۴۳
تذکرہ شعرائے پنجاب	خواجہ عبد الرشید	اقبال اکادمی کراچی ۱۹۶۷
تذکرہ علمائے ہند	رحمان علی	نولکشور لکھنؤ ۱۹۱۴
تذکرہ مردم دیدہ	عبد الحکیم حاکم	پنجابی اکادمی لاہور ۱۹۶۱
تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاک	سید علی رضا نقوی	تہران ۱۳۴۳
تجلیات مجددیہ	ملک حسن علی	ادارہ اشاعت مجددیہ، کراچی
حالات مشائخ نقشبندیہ	مولانا محمد حسن	مطبع مجتبائی دہلی
حدیقۃ الاولیاء	مفتی غلام سرور لاہوری	نولکشور کانپور
حسنات الحرمین	ترجمہ محمد شاکر سرہندی	مخطوطہ درگاہ شاہ ابو الخیر دہلی
حضرات القدس جلد ۱، ۲	خواجہ بدر الدین سرہندی	ملک چنن دین اینڈ سنز لاہور
(اردو ترجمہ)		
حضرات القدس جلد ۲	بدر الدین ابراہیم سرہندی	مخطوطہ درگاہ شاہ ابو الخیر دہلی
حضرت مجدد الف ثانیؒ	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ	ادارہ مجددیہ کراچی
حیات خوشنویساں	محمد حسین ابن محمد ابو سعید	مخطوطہ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد
حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی	خلیق احمد نظامی	ندوۃ المصنفین دہلی
حیات مجدد الف ثانی	پروفیسر محمد فرمان	مجلس ترقی ادب لاہور
خزانۂ عامرہ	میر غلام علی آزاد	نولکشور کانپور
خزینۃ الاصفیا	مفتی غلام سرور لاہوری	نولکشور کانپور
خلاصۃ الافکار	مرزا ابو طالب خان تبریزی	مخطوطہ
داستان ترکتازان ہند	نصر اللہ دولت یار جنگ	حیدرآباد، نولکشور
دبستان مذاہب	محسن فانی	

www.mujaddidway.com

بزم تیموریہ	سید صباح الدین عبدالرحمن	اعظم گڑھ ۱۹۴۸ء
بزم صوفیہ	سید صباح الدین عبدالرحمن	مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۴۹ء
بزم مملوکیہ	سید صباح الدین عبدالرحمن	اعظم گڑھ
بہارستان سخن	عبدالرزاق خوافی شاہنواز خاں	مدراس گورنمنٹ اورینٹل سیریز مدراس ۱۹۵۸
پنجاب میں اردو	محمود خاں شیرانی	نسیم بک ڈپو لکھنؤ ۱۹۷۰
تحریک مجاہدین	سید محمد حسین	امرتسر ۱۹۵۰ء
تاریخ دعوت و عزیمت	مولانا ابوالحسن علی ندوی	جلد اول ۱۹۵۵ء لکھنؤ
		جلد دوم ۱۹۵۷ء لکھنؤ
تاریخ مکہ	شیخ محمد حسین	کوثر پریس سیالکوٹ ۱۸۹۵
تاریخ مشائخ چشت	خلیق احمد نظامی	ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۳
تاریخ ادبی فارسی در ہند و پاکستان	ڈاکٹر آفتاب اصغر	خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران
		لاہور
تذکرہ	محمد طاہر نصرآبادی مرتبہ وحید دستگردی	تہران
تذکرہ	مولانا ابوالکلام آزاد	ساہتیہ اکادمی دہلی ۱۹۶۰ء
تذکرہ افادات جوش	سید مرتضیٰ جوش مرتبہ ڈاکٹر شریف حسین قاسمی	دہلی ۱۹۸۳
تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ	منظور نعمانی	لکھنؤ
تذکرۃ المشائخ	محمد بخش	مطبع افضل المطابع دہلی ۱۹۰۲
تذکرہ بے نظیر	سید عبدالوہاب افتخار	سینٹ ہاؤس الٰہ آباد ۱۹۴۰
تذکرہ حزیں	شیخ محمد علی حزیں	انتشارات کتاب فروشی اصفہان

۱۳۳۴ھ

تذکرہ روز روشن	مظفر حسین صبا	کتاب خانہ رازی تہران ۱۳۴۳
تذکرہ شعرائے پنجاب	خواجہ عبدالرشید	اقبال اکادمی کراچی ۱۹۶۷
تذکرہ علمائے ہند	رحمان علی	نولکشور لکھنؤ ۱۹۱۴
تذکرہ مردم دیدہ	عبدالحکیم حاکم	پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۶۱
تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاک	سید علی رضا نقوی	تہران ۱۳۴۳
تعلیمات مجددیہ	ملک حسن علی	ادارہ اشاعت ادبیہ فرخ
حالات مشائخ نقشبندیہ	مولانا محمد حسن	مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۰۴
حدیقۃ الاولیاء	مفتی غلام سرور لاہوری	نولکشور کانپور
حسنات الحرمین	ترجمہ محمد شاکر سرہندی	مخطوطہ درگاہ شاہ ابوالخیر دہلی
حضرات القدس جلد اول	خواجہ بدرالدین سرہندی	مکتبہ نعمانیہ لاہور
(اردو ترجمہ)		
حضرات القدس جلد ۲	بدرالدین ابراہیم سرہندی	مخطوطہ درگاہ شاہ ابوالخیر دہلی
حضرت مجدد الف ثانیؒ	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ	ادارہ مجددیہ کراچی
جامع نو خوش بیان	محمد حسین	مخطوطہ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد
حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی	خلیق احمد نظامی	ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۳
حیات مجدد الف ثانی	پروفیسر محمد فرمان	مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۵۸
خزانہ عامرہ	میر غلام علی آزاد	نولکشور کانپور
خزینۃ الاصفیا	مفتی غلام سرور لاہوری	نولکشور کانپور
خلاصۃ الافکار	مرزا ابوطالب خان تبریزی	مخطوطہ
داستان ترکتازان ہند	نصرت اللہ دولت یار جنگ	حیدرآباد ۱۹۰۲
		نولکشور ۱۹۰۸
دبستان مذاہب	محسن فانی	

دربار اکبری	محمد حسین آزاد	شیخ مبارک علی لاہور ۱۹۴۷ء
دربار ملی	شیخ محمد اکرام، ڈاکٹر وحید قریشی	لاہور ۱۹۶۱ء
دہلی اور اس کا پس منظر	پروفیسر محمد اسلم	ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۷۷ء
دیوان ایجاد	محمد احسن ایجاد سرہندی	مخطوطہ نیشنل میوزیم نئی دہلی
دیوان فطرت	موسوی خاں فطرت	مخطوطہ نیشنل میوزیم نئی دہلی
دیوان ناصر علی	ناصر علی سرہندی	مخطوطہ نیشنل میوزیم نئی دہلی
دیوان ناصر علی	ناصر علی سرہندی	نولکشور دسمبر ۱۹۱۲ء
دیوان ولی دکنی	ولی دکنی	مخطوطہ نیشنل میوزیم نئی دہلی
رسالہ تہلیلیہ	شیخ احمد سرہندیؒ	مخطوطہ نیشنل میوزیم نئی دہلی
رسالہ در اسم ذات	شیخ احمد سرہندیؒ	مخطوطہ نیشنل میوزیم نئی دہلی
رسالہ رد روافض	شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ	مخطوطہ نیشنل میوزیم نئی دہلی
رسالہ مبداء و معاد	شیخ احمد سرہندی	مخطوطہ نیشنل میوزیم نئی دہلی
رسالہ مکاشفات غیبیہ	شیخ احمد سرہندی	مخطوطہ نیشنل میوزیم نئی دہلی
رقعات ناصر علی	ناصر علی سرہندی	مخطوطہ نیشنل میوزیم نئی دہلی
رود کوثر (تیسرا ایڈیشن)	شیخ محمد اکرام	فیروز سنز لاہور ۱۹۵۸ء
روضۃ القیومیہ پارٹ ۱ (فارسی)	کمال الدین محمد احسان سرہندی	مخطوطہ حبیب گنج کلکشن آزاد لائبریری علیگڑھ
روضۃ القیومیہ پارٹ ۱-۲	کمال الدین محمد احسان	لاہور ۱۳۳۵ھ
اردو ترجمہ ملک فضل الدین		
زبدۃ المقامات (اردو ترجمہ)	ملک چنن الدین	لاہور
زبدۃ المقامات	خواجہ محمد ہاشم کشمی	نولکشور، کانپور
سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان	حسان الہند آزاد بلگرامی	مطبع الکتاب بمبئی ۱۳۰۳ھ

سرو آزاد	میر غلام علی آزاد بلگرامی	کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد ۱۹۱۳ء
سعادت یار خاں رنگین	ڈاکٹر صابر علی خاں	انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۵۶ء
سفینۃ الاولیاء	محمد دارا شکوہ (اردو ترجمہ)	
	محمد علی لطفی	نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۵۹ء
سکینۃ الاولیاء	محمد دارا شکوہ	مطبوعات علمی تہران ۱۳۴۴ھ
سفینہ خوشگو جلد سوم	بندرابن داس خوشگو	پٹنہ ۱۹۵۹ء
سفینہ ہندی	بھگوان داس ہندی، مرتبہ شاہ عطاء الرحمن	پٹنہ ۱۹۵۸ء
سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات	خلیق احمد نظامی	ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۸ء
شرح رباعیات خواجہ باقی باللہؒ	شیخ احمد سرہندیؒ	مخطوطہ نیشنل میوزیم نئی دہلی
شعر العجم جلد ۳	شبلی نعمانی	مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۴۵ء
شعر العجم فی الہند	شیخ اکرام الحق	اشرف پریس لاہور ۱۹۶۱ء
شمع انجمن	صدیق حسن خاں	مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۳ھ
صبح گلشن	سید علی حسن خاں	مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۵ھ
طبقات شاہجہانی	محمد صادق	مخطوطہ نیشنل میوزیم نئی دہلی
عقد ثریا	غلام ہمدانی مصحفی	جامعہ برقی پریس دہلی ۱۹۳۴ء
علوم الباب معارف لدنیہ	شیخ احمد سرہندیؒ	مخطوطہ نیشنل میوزیم نئی دہلی
علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد ۱	مولانا محمد میاں	مراد آباد ۱۹۳۷ء
عمل صالح	محمد صالح کنبوہ جلد اول ۱۹۵۸ء، جلد دوم ۱۹۵۹ء، جلد سوم ۱۹۶۰ء	مجلس ترقی ادب لاہور
فارسی ادب بعہد اورنگ زیب	پروفیسر نور الحسن انصاری	اندو پرشین سوسائٹی دہلی ۱۹۶۹ء
کلمات الشعرا	محمد افضل سرخوش	مطبوعہ یونیورسٹی آف مدراس مدراس ۱۹۵۱ء

www.mujaddidway.com

کلیات طیبات	حافظ احمد علی	مطبع العلوم مراد آباد ۱۳۰۳ھ
گلزار ابرار	محمد غوث بن حسن بن موسیٰ شطاری	مخطوطہ آزاد لائبریری علی گڑھ
مآثر الامراء (جلد ۱، ۲، ۳)	شاہنواز خاں مرتبہ عبد الرحیم	کلکتہ ۱۸۸۸ء
مآثر عالمگیری	ترجمہ خدا علی طالب جامعہ عثمانیہ	حیدر آباد ۱۹۳۲ء
مبداء و معاد	شیخ احمد سرہندیؒ	مطبع انصاری دہلی ۱۳۱۰ھ
مثنوی راسخ	مجیب پریس	حیدر آباد ۱۳۲۲ھ
مثنوی راسخ	راسخ سرہندی	مخطوطہ نیشنل میوزیم نئی دہلی
مثنوی ناصر علی	ناصر علی سرہندی	مطبع سلطانی دکن ۱۳۱۱ھ
مثنوی ناصر علی	ناصر علی سرہندی	مخطوطہ نیشنل میوزیم نئی دہلی
مثنوی ناصر علی پارٹ II	ناصر علی سرہندی	مخطوطہ نیشنل میوزیم نئی دہلی
مجالس رنگین	مرتبہ مسعود حسن رضوی	نظامی پریس لکھنؤ
مجمع الواصلین	ابو عبد اللہ محمد فاضل بن سید حسن	کتب خانہ نذیریہ دہلی
مخزن الغرائب	شیخ احمد علی خاں سندیلوی	مخطوطہ حبیب گنج کلکشن آزاد لائبریری علی گڑھ
مدار الافاضل (جلد ۱)	اللہ داد فیضی سرہندی مرتبہ محمد باقر	پنجاب یونیورسٹی پریس لاہور ۱۹۵۹ء
مدحت الشعرا	محمد علی بن عثمان بن علی	سالار جنگ میوزیم حیدر آباد
مرآت اقبال	قیصر خاں لودی	مطبع عمدۃ الاخبار ۱۸۸۰ء
مرآۃ الکونین جلد ۲	غلام نبی خاں فرودی	نولکشور لکھنؤ
مقامات احمدیہ و ملفوظات معصومیہ	خواجہ محمد امین نقشبند (اردو ترجمہ)	نولکشور پریس لاہور
مقامات امام ربانی	مولوی عبد الاحد	مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۳۲ھ
مقامات مظہری	شاہ ابو الحسن زید فاروقی	درگاہ شاہ ابو الخیر دہلی ۱۳۹۲ھ

مقامات معصومی	شیخ صفر احمد سرہندی	مخطوطہ درگاہ شاہ ابو الخیر دہلی
مقدمہ رقعات عالمگیری	سید نجیب اشرف ندوی	دار المصنفین اعظم گڑھ
مکتوبات امام ربانی دفتر ۳ ۱۸۷۷ء (فارسی)	شیخ احمد سرہندیؒ	نولکشور لکھنؤ
مکتوبات امام ربانی دو دفتر اول (اردو ترجمہ)	المجلۃ العلمیہ	حیدر آباد
مکتوبات حضرت مجددؒ	مخطوطہ نیشنل میوزیم	نئی دہلی
مکتوبات خواجہ معصوم جلد ۱	خواجہ معصوم سرہندی	مطبع نظامی کانپور ۱۳۰۰ھ
مکتوبات خواجہ معصوم جلد ۲	مجیدی پریس	[illegible]
مکتوبات خواجہ معصوم جلد ۳	مرتبہ مولوی نور احمد امرتسری	امرتسر
مکتوبات خواجہ معصوم دفتر (۱۹۷۱ء، اردو ترجمہ)	نسیم امروہوی	کتب خانہ الفرقان لکھنؤ
مکتوبات معصوم	خواجہ معصوم سرہندی	مخطوطہ نیشنل میوزیم نئی دہلی
مکتوبات سعیدیہ	مرتبہ عبد المجید سیفی	مکتبہ سیفی لاہور ۱۳۸۵ھ
مکتوبات سیف خاں	نواب سیف خاں سرہندی	مخطوطہ آزاد لائبریری علی گڑھ
منتقی الابحر حاشیہ شرح وقایہ جلد ۱، ۲	عبد الحق سجاول سرہندی	مطبع فخر المطابع دہلی
منتخب التواریخ (جلد دوم) کلکتہ	عبد القادر بدایونی مرتبہ کپتان ولیم	[illegible] پریس کلکتہ
منتخب التواریخ	عبد القادر بدایونی اردو ترجمہ محمود احمد فاروقی	لاہور [illegible]
نتائج الاذکار	محمد قدرت اللہ گوپاموی	چھاپہ خانہ سلطانی بمبئی [illegible]

نزہت الخواطر — عبدالحی بن فخر الدین، پارٹ ۴، ۵، ۶ ۳ھ/۱۹۵۵ء پارٹ ۵، ۶ ۳ھ
پارٹ ۷، ۸ و ۹، مجلس دائرۃ المعارف اسلامیہ عثمانیہ۔ ۱۹۵۵ء

نگارستان سخن — محمد صدیق حسن خاں — مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۳ھ

ہفت اقلیم جلد ۱ — امین احمد رازی — مرتبہ جاوید فاضل کتاب فروشی علی اکبر تہران

ید بیضا — میر غلام علی آزاد — مخطوطہ آزاد لائبریری علی گڑھ

نہ من شہرت تمنا دارم و نے نام میخواہم
فلک گر واگذارد یک نفس آرام میخواہم

میر معصوم بیدان سرہندی

BIBLIOGRAPHY

(ENGLISH)

A Bibliography of Mughal India (1526-1707 AD) By Sri Ram Sharma, Karnatak Publishing House.

An Oriental Biographical Dictionary Thomas William Beale, Krants Reprint Corporation New York 1965.

Geographical Dictionary of Ancient and Medieval India by Nandu Lal Dey (2nd Edn) London 1927, Luzac & Co.

History of India as told by its own historians by Prof.Elliot & Dowson Vol.IV,V,VI Kitab Mahal Allahabad 1964.

History of Panjab By Mohd.Latif, Eurasia Publishing House(P) Ltd., New Delhi 1964.

Imperial Gazetteer of India Vol.12, 23 The Clarendon Press Oxford, 1908.

Mujaddid's Conception of Tawhid by Dr.Burhan Faruqi M.Ashraf Lahore 1940.

Muntakhabul Tawarikh Abdul Qadir Badaoni edited by Capt. W.N. Lees Calcutta 1864.

Panjab under Mughals by Muhammad Akbar Ripon Printing Press, Lahore 1948.

Pre-Mughal Persian in Hindustan by M.A. Ghani Allahabad Law Journal Press, Allahabad 1941.

CATALOGUES

BK: Catalogue of Persian & Arabic MSS in the Oriental Library at Bankepore by Maulvi Abdul Muqtader, Calcutta (1908-33) (volumes dealing with Persian works)

www.mujaddidway.com

ادبی نثر کا ارتقاء

از: ڈاکٹر شہناز انجم

ادبی نثر کا ارتقاء ۱۸۰۰ء سے ۱۸۵۷ء تک کے عہد بہ عہد ارتقاء کی تاریخ ہے جس کو مصنف نے اس خوبی سے احاطہ کیا ہے کہ کہیں عبارت میں خلا پیدا نہیں ہونے پایا۔ یہ کتاب شمالی ہند میں ادبی نثر کے ارتقاء اور اس کے تجزیے پر ایک مستند نقش کا درجہ رکھتی ہے جس میں حقائق کو منطقی ترتیب و تنظیم کے ساتھ واضح اور جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

خوب صورت جلد اور ڈسٹ کور کے ساتھ

قیمت : ۱۶۰/ روپے

تقسیم کار:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار۔ دہلی۔

انجمن ترقی اردو (ہند) (اردو گھر) دین دیال اپادھیائے مارگ نئی دہلی

Bodlein: Catalogue of the Persian, Turkesh, Hindustan & Pushtu MSS in Bodlein Library, Oxford.

Bombay Cat: A descriptive catalogue of the Arabic, Persian & Urdu MSS in the Library of Bombay University by Shaikh Abdul Qadir Sarfaraz Bombay 1935.

Ethe; H: Catalogue of the Persian MSS in the Library of India Office by Herman Ethe, Vol.I, II Oxford 1903-37.

Ivanow, W: Concise Descriptive Catalogue of the Persian MSS in the Collection of Asiatic Society of Bengal by Wladmir Ivanow Calcutta, 1924-26.

Marshal D.N.: Mughals in India, A Bibliographical Survey by D.N. Marshal, Volume I MSS. Eurasia Publishing House, New Delhi.

Rieu, C: Catalogue of the Persian MSS in the British Museum by Charles Rieu Vol.I-III London 1879-83.

Sprenger: A Catalogue of Arabic & Persian and Hindustani MSS of the Libraries of the King of Oudh, compiled by A.Sprenger Vol.I Calcutta 1854.

Storey,C.A. Persian Literature A Bibliographica Survey by Storey C.A. Vol.I Parts I & II London 1927-53.

www.mujaddidway.com

SIRHIND MEIN FARSI ADAB

(A SURVEY OF PERSIAN LITERATURE IN SIRHIND)

BY

DR. IDRIS AHMAD
DEPARTMENT OF PERSIAN
UNIVERSITY OF DELHI
DELHI-7

www.mujaddidway.com